

حدود اختلاف



افادات

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ
مفتی اعظم ہند و دارالعلوم دیوبند

از

محمد فاروق غفرلہ

کسی بھی طرح کی چھپائی، ڈیزائننگ اور پرنٹنگ کے لئے رابطہ کریں
مجیب الرحمن قاسمی (مسکان پریس، سبھاش نگر، میرٹھ) 7895786325

حدود اختلاف

(افادہ)

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ
مفتی اعظم ہند و دارالعلوم دیوبند

از

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۲۵۲۰۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفصیلات

نام کتاب: **حدود اختلاف**

افادات: فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ

تالیف: محمد فاروق غفرلہ

تعداد: ۱۲۰۰

کمپوزنگ: مجیب الرحمن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت بار سوم: ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۳ء

صفحات: ۳۵۰

قیمت:

-: ملنے کا پتہ :-

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یو پی) ۲۲۵۲۰۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین حدود اختلاف

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱	تقریظ (حضرت مولانا مفتی عاشق الہی صاحب برنی مہاجر مدنی)	۲۳
۲	عرض مرتب (بار دوم)	۲۴
۳	عدل و انصاف کی تاکید	۲۵
۴	عدل و انصاف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے	//
۵	دشمنی کے جوش میں زیادتی نہ کرو	۲۶
۶	تعاون علی البر	۲۷
۷	نرم خو کفار سے حسن سلوک	۲۸
۸	شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کا واقعہ	۳۰
۹	خواب	//
۱۰	حضرت مولانا عثمان کورانوی علیہ الرحمۃ کا واقعہ	۳۱
۱۱	حضرت مولانا عقیل الرحمن صاحب زید مجدہم	۳۲
۱۲	حضرت مسیح الامتؑ کا بلی کی وجہ سے بستر پر نہ لیٹنا	۳۳
۱۳	راستے سے کتے کو ہٹانے سے روکنا	//

فہرست مضامین	۴	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳۴	حضرت علامہ رفیق احمد صاحب	۱۴
۳۵	محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا واقعہ	۱۵
//	ایک بزرگ کا واقعہ	۱۶
۳۶	حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا پسندیدہ شعر	۱۷
۳۷	حضرت مولانا سید حفظ الکبیرؒ کا جواب	۱۸
۴۱	عرض مرتب (بار اول)	۱۹
	آیت ﴿۱﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا	۲۰
	آیت ﴿۲﴾ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ	۲۱
	آیت ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ	۲۲
	آیت ﴿۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	۲۳
	آیت ﴿۵﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا	۲۴
	آیت ﴿۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَر قَوْمُ	۲۵
	آیت ﴿۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا	۲۶
	آیت ﴿۸﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرِ	۲۷
	چہل حدیث	۲۸
	زبان کی حفاظت	۲۹
	حدیث ﴿۱﴾ مَنْ صَمَتَ نَجَا	۳۰
	حدیث ﴿۲﴾ أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ	۳۱
	حدیث ﴿۳﴾ مَا أَخَوْفُ مَا تَخَافُ عَلَى	۳۲
	حدیث ﴿۴﴾ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ	۳۳

فہرست مضامین	۵	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
	گفتگو میں بے احتیاطی کا وبال	۳۴
	حدیث ﴿۵﴾ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ الْخ ...	۳۵
	بلا تحقیق گفتگو کرنا	۳۶
	حدیث ﴿۶﴾ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرِّجَالِ الْخ	۳۷
	بہتان تراشی اور لعن طعن کرنا	۳۹
	حدیث ﴿۷﴾ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقُ الْخ	۴۰
	کسی کو کافر کہنا	۴۱
	حدیث ﴿۸﴾ أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرُ الْخ	۴۲
	حدیث ﴿۹﴾ لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ الْخ	۴۳
	طعن زنی اور فحش گوئی	۴۴
	حدیث ﴿۱۰﴾ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ الْخ	۴۵
	عیب گوئی	۴۶
	حدیث ﴿۱۱﴾ لَقَدْ قُلْتُ كَلِمَةً لَوْ مَزَجَ بِهَا الْبَحْرُ الْخ	۴۷
	حدیث ﴿۱۲﴾ اِعْتَلَّ بَعِيرٌ لَصْفِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا الْخ	۴۸
	آبروریزی	۵۰
	حدیث ﴿۱۳﴾ الْإِسْطِطَالَةُ فِي عَرْضِ الْمُسْلِمِ الْخ	۵۱
	عصبیت	۵۲
	حدیث ﴿۱۴﴾ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَى غَيْرِ الْحَقِّ الْخ	۵۳
	حدیث ﴿۱۵﴾ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةِ الْخ	۵۴
	حدیث ﴿۱۶﴾ حُبُّكَ الشَّيْءِ يُعْمِي وَيُصِمُّ الْخ	۵۵

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۵۶	حدود میں سفارش.....	
۵۷	فضیلت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا.....	
۵۸	عدل جہانگیری منظوم.....	
۵۹	ترک تعلق.....	
۶۰	حدیث ﴿۱۷﴾ یُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ ..	
۶۱	حدیث ﴿۱۸﴾ مَنْ هَجَرَ اخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفَكَ دَمَهُ ..	
۶۲	حدیث ﴿۱۹﴾ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَهْجَرَ اخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ الْخ ..	
۶۳	مومن کو فریب دینا.....	
۶۴	حدیث ﴿۲۰﴾ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا الْخ ..	
۶۵	بدگمانی.....	
۶۶	حدیث ﴿۲۱﴾ اَيُّاْكُمْ وَالظَّنَّ الْخ ..	
۶۷	مخالف کی تکلیف پر اظہار خوشی.....	
۶۸	حدیث ﴿۲۲﴾ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاخِيكَ الْخ ..	
۶۹	کسی کو مصیبت زدہ دیکھے تو یہ دعا پڑھے ..	
۷۰	باہمی تعلقات کی استواری اور فساد ذات البین ..	
۷۱	حدیث ﴿۲۳﴾ اَصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ الْخ ..	
۷۲	حسد و بغض.....	
۷۳	حدیث ﴿۲۴﴾ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ ..	
۷۴	بدترین لوگ.....	
۷۵	حدیث ﴿۲۵﴾ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ ..	

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۷۶	ضبطِ غصہ	
۷۷	حدیث ﴿۲۶﴾ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ الْخ	
۷۸	حدیث ﴿۲۷﴾ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ أَفْضَلَ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظِ الْخ	
۷۹	حدیث ﴿۲۸﴾ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ الْخ	
۸۰	حدیث ﴿۲۹﴾ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّ ذَلِكَ مَرَارًا الْخ	
۸۱	غیبت کا سننا	
۸۲	حدیث ﴿۳۰﴾ مَنْ أُغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ الْخ	
۸۳	سنی سنائی بات بیان کرنا	
۸۴	حدیث ﴿۳۱﴾ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ الْخ	
۸۵	دل میں کدورت نہ ہونا	
۸۶	حدیث ﴿۳۲﴾ يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ الْخ	
۸۷	حدیث ﴿۳۳﴾ لَا يَبْلُغُنِي أَحَدٌ عَنْ أَصْحَابِي الْخ	
۸۸	ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا	
۸۹	حدیث ﴿۳۴﴾ إِيَّاكَ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ الْخ	
۹۰	حدیث ﴿۳۵﴾ أَنْكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَذْقُ الْخ	
۹۱	جھگڑے کا ترک کرنا	
۹۲	حدیث ﴿۳۶﴾ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ الْخ	
۹۳	نذمت کبر	
۹۴	حدیث ﴿۳۷﴾ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ الْخ ...	
۹۵	حدیث ﴿۳۸﴾ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ أَمْثَالَ الدَّرِّ الْخ	

فہرست مضامین	۸	حدودِ اختلاف
نمبر شمار	مضامین	نمبر شمار
۹۶	تواضع اور کبر.....	
۹۷	حدیث ﴿۳۹﴾ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ الْخ.....	
۹۸	انجامِ ظلم.....	
۹۹	حدیث ﴿۴۰﴾ مَنْ كَانَتْ لَهُ مُظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عَرَضِهِ الْخ.....	
۱۰۰	حدیث ﴿۴۱﴾ اتَّذَرُوا مَا الْمُفْلِسُ الْخ.....	
۱۰۱	حدیث ﴿۴۲﴾ مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقْوِيَهُ الْخ.....	
۱۰۲	حدیث ﴿۴۳﴾ أَيَاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ الْخ.....	
۱۰۳	معافی.....	
۱۰۴	حدیث ﴿۴۴﴾ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ الْخ.....	
۱۰۵	حدیث ﴿۴۵﴾ مَنْ اعْتَذَرَ إِلَى أَخِيهِ فَلَمْ يُعَذِّرْهُ الْخ.....	
۱۰۶	اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم.....	
۱۰۷	امام مالک کا واقعہ.....	
۱۰۸	امام احمد بن حنبل کا واقعہ.....	
۱۰۹	ابراہیم بن ادہم کا واقعہ.....	
۱۱۰	عالمگیر کا دشمن کے ساتھ حسن سلوک.....	
۱۱۱	بعض دنیا داروں کا واقعہ.....	
۱۱۲	شاہجہاں کی بلند حوصلگی.....	
۱۱۳	اختلاف رائے.....	
۱۱۴	صحابہ کرام و تابعین میں اختلاف رائے اور اس کا درجہ.....	
۱۱۵	ایک شبہ اور جواب.....	

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱۱۶	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	
۱۱۷	حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما	
۱۱۸	قیصر روم کے خط کا جواب	
۱۱۹	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفسار	
۱۲۰	حضرت علی کے اوصاف	
۱۲۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا رونا	
۱۲۲	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اپنے مخالفین کے ساتھ برتاؤ	
۱۲۳	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سلوک	
۱۲۴	حضرت علی بن یاسر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما	
۱۲۵	حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا طرز عمل	
۱۲۶	حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کا طرز عمل	
۱۲۷	حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما	
۱۲۸	حضرت سیدنا حسین بن علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	
۱۲۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما	
۱۳۰	حضرت علی اور حضرت عمران بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما	
۱۳۱	حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما	
۱۳۲	حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما	
۱۳۳	حضرت عمر فاروق اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما	
۱۳۴	حضرت ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما	
۱۳۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کے ساتھ حسن سلوک	

فہرست مضامین	۱۰	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کے ساتھ حسن سلوک	۱۳۶
	حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کے ساتھ حسن سلوک	۱۳۷
	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ	۱۳۸
	حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ پڑھوانا	۱۳۹
	فروعی مسائل کے اختلاف میں علامہ انور شاہ صاحب کی رائے	۱۴۰
	ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طرز عمل	۱۴۱
	امام شافعیؒ کا ارشاد	//
	امام اعظمؒ کا ارشاد	۱۴۳
	امام شافعیؒ کا حسن ادب	۱۴۴
	اشکال اور جواب	۱۴۵
	امام شافعیؒ کا امام ابوحنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرنا	۱۴۶
	امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں مخالف مسلک کا احترام	۱۴۷
	امام مالکؒ کا مؤطا پر لازمی عمل کرانے کی مخالفت	۱۴۸
	مکتوب لیث بن سعد بنام امام مالکؒ	۱۴۹
	امام اعظمؒ اور امام مالکؒ	۱۵۰
	امام مالکؒ اور امام ابن عیینہؒ	۱۵۱
	امام مالکؒ اور امام شافعیؒ	۱۵۲
	امام اعظم کے بارے میں محدثین کی رائے	۱۵۳
	(شعبہ بن حجاج کا ارشاد)	۱۵۴
	امام اعظم کے بارے میں ہمعصر محدثین کے اقوال	۱۵۵

فہرست مضامین	۱۱	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
 قول احمد کی خوارزمی	۱۵۶
 قول شداد بن حکیمؒ	۱۵۷
 قول کی ابن ابراہیمؒ	۱۵۸
 قول ابن جریجؒ	۱۵۹
 قول عبداللہ بن داؤدؒ	۱۶۰
 قول امام احمد بن حنبلؒ	۱۶۱
 قول عبداللہ بن مبارکؒ	۱۶۲
 قول خلف ابن ایوبؒ	۱۶۳
 قول سفیان ثوریؒ	۱۶۴
 قول سلیمانؒ	۱۶۵
 قول امام شعرانی ماکئیؒ	۱۶۶
 قول ابراہیم بن عکرمہ مخزومیؒ	۱۶۷
 قول شقیق بلخیؒ	۱۶۸
 قول عبداللہ بن مبارکؒ	۱۶۹
 قول امام شافعیؒ	۱۷۰
 قول امام وکیعؒ	۱۷۱
 قول یحییٰ بن سعید القطانؒ	۱۷۲
 قول یحییٰ بن معینؒ	۱۷۳
 قول محمد بن بشرؒ	۱۷۴
 قول سہل بن عبداللہ تستریؒ	۱۷۵

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱۷۶	قول مسعر بن کدام	
۱۷۷	قول علی بن عاصم	
۱۷۸	قول یزید بن ہارون	
۱۷۹	قول امام شافعی	
۱۸۰	قول امام مالک	
۱۸۱	اشعار عبداللہ بن مبارک فی مدح ابی حنیفہ	
۱۸۲	امام شافعی کے بارے میں بعض علماء کی رائیں	
۱۸۳	ابن عیینہ کا ارشاد	
۱۸۴	یحییٰ بن سعید قطان کا ارشاد	
۱۸۵	عبداللہ بن حکم کا ارشاد	
۱۸۶	امام احمد بن حنبل اور امام شافعی	
۱۸۷	سید احمد شہید	
۱۸۸	تکبیر اولیٰ فوت ہونے پر تنبیہ	
۱۸۹	لفظ مردود کہنے پر تنبیہ	
۱۹۰	شرک فی النبوة	
۱۹۱	مولانا اسماعیل شہید	
۱۹۲	میلہ میں جانے پر تنبیہ	
۱۹۳	شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی	
۱۹۴	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی	
۱۹۵	مولود شریف میں شرکت سے انکار	

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱۹۶	مولانا نصیر الدین کا اپنے شیخ سے اختلاف	
۱۹۷	حضرت گنگوہی کا ارشاد	
۱۹۸	مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ	
۱۹۹	مولوی احمد حسن سنبھلی سے مکالمہ	
۲۱۰	حضرت تھانوی سے مکاتبت	
۲۱۱	حضرت شیخ الہند قدس سرہ	
۲۱۲	حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کا طرز عمل	
۲۱۳	مولوی محمد رشید کی حق گوئی اور حسن ادب	
۲۱۴	مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہ امیر تبلیغ کا حسن ادب	
۲۱۵	مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کا اختلاف رائے	
۲۱۶	حضرت سہارنپوری اور حضرت شیخ کا اختلاف رائے	
۲۱۷	حضرت مدنی اور مولانا ظفر احمد صاحب کا واقعہ	
۲۱۸	حضرت حکیم الامت اور حضرت شیخ الاسلام میں اختلاف رائے	
۲۱۹	مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی کی بیعت کا واقعہ	
۲۲۰	مکتوب حضرت مدنی بنام مولانا عبد الماجد صاحب	
۲۲۱	بے شک وہ مجدد تھے	
۲۲۲	مکتوب حضرت مدنی	
۲۲۳	مولوی احمد حسن سنبھلی کے بارے میں حضرت مدنی کا ارشاد	
۲۲۴	مکتوب حضرت مدنی بنام مولانا خدا بخش ملتانی	
۲۲۵	مکتوب حضرت مدنی بنام زاہد حسین	

فہرست مضامین	۱۲	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
	مکتوب حضرت مدنی بنام سید علی آفندی	۲۲۶
	مکتوب حضرت مدنی بنام مولانا عبدالحق مدنی	۲۲۷
	مکتوب حضرت مدنی بنام مولانا دریا بادی	۲۲۸
	ایضاً	۲۲۹
	مکتوب حضرت مدنی بنام مولانا سید محمد میاں صاحب قدس سرہ	۲۳۰
	حضرت تھانویؒ کا برائی سے ذکر کرنے پر ڈانٹنا	۲۳۱
	حضرت مدنی کی تھانہ بھون تشریف آوری	۲۳۲
	حضرت مدنی کی گرفتاری سے صدمہ	۲۳۳
	منشی نور الحسن صاحب اور ملا سلیمان کا واقعہ	۲۳۴
	حضرت مدنی کا دارالعلوم میں تقرر	۲۳۵
	حضرت تھانویؒ کا ارشاد	۲۳۶
	ایضاً	۲۳۷
	حضرت مدنی کے دو خصوصی کمال	۲۳۸
	مقام شہنشاہیت	۲۳۹
	مکتوب حضرت تھانوی بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی	۲۴۰
	ایضاً	۲۴۱
	ایضاً	۲۴۲
	مولانا عبدالماجد دریا بادی کا تبصرہ	۲۴۳
	حضرت مدنی کی شان میں نظم	۲۴۴
	مکتوب حضرت تھانوی بنام مولانا دریا بادی	۲۴۵

فہرست مضامین	۱۵	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
	خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت مدنیؒ کی امامت	۲۴۶
	حضرت مدنیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ	۲۴۷
	حضرت مدنیؒ اور مولانا عبداللہ صاحب فاروقی قدس سرہما	۲۴۸
	مکتوب حضرت مدنیؒ	۲۴۹
	ایضاً	۲۵۰
	ایضاً	۲۵۱
	سیتارام شکل کا بیان	۲۵۲
	حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانویؒ قدس سرہما	۲۵۳
	حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ قدس سرہما	۲۵۴
	حضرت تھانویؒ اور حضرت رائے پوریؒ اور حضرت دہلویؒ کا طرز عمل	۲۵۵
	حضرت رائے پوریؒ قدس سرہما کا ہر دینے والے لطیب کے ساتھ سلوک	۲۵۶
	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ قدس سرہما	۲۵۷
	حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ قدس سرہما کا اختلاف	۲۵۸
	ہمارا طرز	۲۵۹
	اہل حق میں اختلاف اور اس کی وجہ	۲۶۰
	اہل حق کے اتفاق کی صورت	۲۶۱
	حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ قدس سرہما دونوں میں سے حق پر کون؟	۲۶۲
	حضرت تھانویؒ قدس سرہما	۲۶۳
	حضرت مدنیؒ قدس سرہما	۲۶۴
	ایک نصیحت	۲۶۵

فہرست مضامین	۱۶	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا فیصلہ.....	۲۶۶
	مظاہر علوم کے ایک مدرس اور حضرت شیخ قدس سرہ.....	۲۶۷
	حافظ عبدالعزیز صاحب کا حضرت شیخ قدس سرہ کا ڈانٹنا.....	۲۶۸
	اپنے اقوال و افعال کی نگرانی.....	۲۶۹
	تصانیف کے بارے میں معمول.....	۲۷۰
	حضرت مدنی اور حضرت راپوری اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہم.....	۲۷۱
	حضرت مدنی اور مولانا محمد الیاس صاحب قدس اللہ سرہما.....	۲۷۲
	حضرت مدنی اور قاری محمد طیب صاحب قدس سرہما.....	۲۷۳
	ارشاد حضرت تھانوی قدس سرہ.....	۲۷۴
	ایضاً.....	۲۷۵
	ایضاً.....	۲۷۶
	جوشِ عمل اور ہمت مردانہ.....	۲۷۷
	اٹھارہ برس حرمِ نبوی میں.....	۲۷۸
	تحریک جنگ آزادی میں قربانیاں.....	۲۷۹
	حضرت مدنی کے بعض اوصاف.....	۲۸۰
	مکتوب حضرت مدنی بنام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہما.....	۲۸۱
	ایضاً.....	۲۸۲
	ایضاً.....	۲۸۳
	حضرت فقیہ الامت قدس سرہ.....	۲۸۴
	تحمل کا ایک واقعہ.....	۲۸۵

فہرست مضامین	۱۷	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
	ہارون رشید کا واقعہ	۲۸۶
	بیرون ممالک کا سفر اور پھر مظاہر علوم میں قیام	۲۸۷
	مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ سے ملاقات	۲۸۸
	مظاہر علوم کے قضیہ میں طرز عمل	۲۸۹
	اپنے خلاف فتویٰ دینے والے کا احترام	۲۹۰
	مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہ کی عیادت	۲۹۱
	مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کا احترام	۲۹۲
	حضرت مفتی صاحب اور مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ	۲۹۳
	حضرت مفتی صاحب اور مولانا محمد مسیح اللہ صاحب قدس سرہ	۲۹۴
	ماتحت مدرس کے ساتھ حسن سلوک	۲۹۵
	ایک ہمعصر مخالف مدرس کے ساتھ حسن سلوک	۲۹۶
	اپنے فتویٰ سے رجوع	۲۹۷
	بلا طلب معافی معاف فرمادینا	۲۹۸
	سخت کلمہ اور دعا	۲۹۹
	مخالفین کے ساتھ خیر خواہی	۳۰۰
	سخت دشمن کے ساتھ حسن سلوک	۳۰۱
	قضیہ دارالعلوم دیوبند	۳۰۲
	اختلاف مظاہر علوم سہارنپور	۳۰۳
	علماء میں اختلاف ہو تو عوام کیا کریں؟	
	بزرگوں کی شان میں گستاخی کا وبال	۳۰۴

فہرست مضامین	۱۸	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
 شیخ احمدؒ کا ارشاد	۳۰۵
 ایک نصیحت	۳۰۶
 امام ابو ترابؒ بخشیؒ کا ارشاد	۳۰۷
 شیخ علی خواصؒ کا ارشاد	۳۰۸
 اولیاء اللہ کی محبت	۳۰۹
 علمائے حق کی اہانت	۳۱۰
 حفاظ اور علماء کا مقام	۳۱۱
 امام اعظمؒ کا ارشاد	۳۱۲
 ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد	۳۱۳
 علماء کی غیبت	۳۱۴
 علماء سے بغض	۳۱۵
 ادنیٰ مومن کی دل آزاری	۳۱۶
 حضرت مدنی کی شان میں گستاخی کا وبال	۳۱۷
 ایک عورت کو جانکنی کی تکلیف	۳۱۸
	ضمیمہ حدود اختلاف	
	اکابر دارالعلوم دیوبند کے عبرت انگیز اور نصیحت آموز واقعات	۳۱۹
 حضرت شاہ ولی اللہ مولانا فخر الدین مرزا مظہر جان جاناں کی دعوت	۳۲۰
 ایضاً	۳۲۱
 مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا تحمل	۳۲۲
 شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کا اختلاف رائے	۳۲۳
		۳۲۴

فہرست مضامین	۱۹	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
 شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ محمد اسحاقؒ کا اختلاف رائے	۳۲۵
 شاہ عبدالعزیز صاحب، اور شاہ عبدالوہاب صاحب نجدی	۳۲۶
 شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا انداز تربیت	۳۲۷
	مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے واقعات	۳۲۸
 دوران وعظ آپ کو حرامی کہنا	۳۲۹
 شاہ اسماعیل شہیدؒ اور بی چھکو کا واقعہ	۳۳۰
 شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حافظ دراز صاحب	۳۳۱
 گالی دینے والے کے ساتھ حسن سلوک	۳۳۲
 شاہ اسحاق صاحب کا استغناء	۳۳۳
 مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کی کمال فنائیت	۳۳۴
 شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ محمد اسحاقؒ کا اختلاف رائے	۳۳۵
 سید احمد شہیدؒ کی تربیت کا عجیب واقعہ	۳۳۶
 تصویر شیخ پراشکال	۳۳۷
 مولانا شاہ غلام علی صاحب کا حسن ظن	۳۳۸
 حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ پر حسن ظن کا غلبہ	۳۳۹
 ایضاً	۳۴۰
 اقصاب ثلاثہ کی بے تکلفی	۳۴۱
	حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کا ندھلوئی کے واقعات	۳۴۲
 نواب قطب الدین کی دعوت کا واقعہ	۳۴۳
 مسافر کا بوجھ اٹھانا	۳۴۴

فہرست مضامین	۲۰	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
 سپاہی کے ساتھ حسن ظن	۳۴۵
 حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ کے واقعات	۳۴۶
 خانقاہ میں آنے والوں سے گفتگو	۳۴۷
 رشتہ کی ایسی تہی	۳۴۸
 حضرت نانوتویؒ کے واقعات	۳۴۹
 مولانا منیر اور مولانا امیر احمد کی بے تکلفی	۳۵۰
 میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا ہوں	۳۵۱
 اپنے مخاطب کا نام بگاڑ کر لینے پر تنبیہ	۳۵۲
 کمال فنائیت	۳۵۳
 دلدار کی وجہ سے دعوت قبول فرمائی	۳۵۴
 مفسدوں کی حکومت سے شکایت	۳۵۵
 حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب	۳۵۶
 مخالفین سے میل جول	۳۵۷
 انسانیت سے بالا درجہ	۳۵۸
 کمال کی ظرافت	۳۵۹
 نانوتوی اور حاجی عابد حبیب کی دارالعلوم کی بنیاد کے سلسلے میں اختلاف رائے...	۳۶۰
 باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا تھا	۳۶۱
 بدعتی کے اکرام کا واقعہ	۳۶۲
 حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کی بے تکلفی	۳۶۳
 متکبر اور متواضع شخص کے ساتھ سلوک	۳۶۴

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۳۶۵	غریب آدمی کی دعوت	
۳۶۶	ایضاً	
۳۶۷	مباحثہ! شاہجہان پور میں شرکت کا واقعہ	
۳۶۸	قطب ربانی جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے واقعات	
۳۶۹	عالم ربانی کا وعظ ہو رہا ہے	
۳۷۰	حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہیؒ میں اختلاف ذوق	
۳۷۱	ایک ولایتی سیاح کے خطبہ جمعہ پر اختلاف رائے	
۳۷۲	نواب وزیر الدولہ کا کمال تحمل	
۳۷۳	نواب وزیر الدولہ کی کمال حکمت	
۳۷۴	نواب قطب الدین کی کمال تواضع	
۳۷۵	مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا فضل حق صاحبؒ	
۳۷۶	حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ اور نائب تحصیلدار	
۳۷۷	حضرت مولانا ملا نظامؒ مجوز نصاب درس نظامی کا اپنے پیر کا ادب	
۳۷۸	اہل اختلاف سے ملاقات کے سلسلے میں حضرت تھانویؒ کا معمول	
۳۷۹	حضرت شیخ الہندؒ کا ہندو مہمان کے پیر دانا	
۳۸۰	حضرت شیخ الہندؒ کا حضرت تھانویؒ کے ساتھ معاملہ	
۳۸۱	جامع العلوم کانپور میں وعظ	
۳۸۲	حضرت سہارنپوری اور حضرت تھانویؒ کی دعوت کا واقعہ	
۳۸۳	غیر مقلد کی بیعت	
۳۸۴	بزرگوں میں اختلاف ذوق	

فہرست مضامین	۲۲	حدود اختلاف
نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
 حضرت گنگوہی کے یہاں حضرت تھانوی کی شکایت	۳۸۵
 حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ نے	۳۸۶
 پڑوسیوں کی وجہ سے پختہ مکان نہیں بنوایا	۳۸۷
 ایک عالم دین سے سیاسی اختلاف	۳۸۸
 صلوٰۃ استسقاء میں امامت فرمانا	۳۸۹
 گوبر کی تقسیم پر لڑائی کا تماشہ	۳۹۰
		۳۹۱
	تمت و بالفضل عمت	

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عاشق الہی صاحب برنی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ. آمَّا بَعْدُ!

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بالافادات والافاضات سے مدینہ منورہ میں کئی دن تک مصاحبت اور مجالست رہی۔ موصوف نے ”حدود اختلاف“ کے عنوان پر ایک رسالہ مرتب فرمایا ہے جس کی اس زمانہ میں بہت زیادہ ضرورت تھی۔ آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کو سامنے رکھ کر بہت سے اہم مضامین کو رسالہ میں سمودیا ہے۔ زبانِ سلیس اور سادہ ہے۔ ہر خاص و عام کیلئے مفید ہے۔ آج کل مخلصانہ اختلاف کے بجائے بیجا خلاف و شقاق نے جگہ پکڑ لی ہے۔ عموماً ہر فریق اعتدال سے بڑھ جاتا ہے۔ اور غیبت اور بہتان، اظہارِ عیوب، طعن و تشنیع، حق و حسد، بغض و تقاطع و تہاجر کی فضا میں بن جاتی ہیں۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ تاکید کی طور پر منع فرمایا ہے۔ مفتی صاحب موصوف نے ان نصوص کو جمع فرمادیا ہے اور حوالوں کا اہتمام کیا ہے۔ ع

اللہ کرے زورِ قلب اور زورِ قلم اور زیادہ

میں تقریظ لکھنے کا اہل نہیں ہوں۔ مفتی صاحب نے حکم فرمایا اس لئے یہ چند سطور لکھ دیں۔ وباللہ التوفیق۔

محمد عاشق الہی عفا اللہ عنہ

المدينة المنورة

۱۴۱۰/۹/۲۵

عرض مرتب (بار دوم)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ. أَمَّا بَعْدُ!

مذہب اسلام ایک ایسا پاکیزہ اور جامع دستور الحیات ہے جس میں ولادت سے لے کر موت تک زندگی میں پیش آنے والے تمام امور سے متعلق احکام موجود ہیں۔ انسان کو مخلوقات میں سے جس جس سے واسطہ پیش آتا ہے ان کے احکام و حقوق بھی بیان کئے گئے ہیں۔ قرابت داروں اور ہمسایوں کے حقوق بھی بیان کئے گئے ہیں، دوستوں اور دشمنوں کے حقوق و آداب بھی بیان کئے گئے ہیں، انسانوں سے بڑھ کر جانوروں، چوپایوں کے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں، جن کے ادا کرنے اور بجالانے سے دنیا میں امن و امان قائم ہو کر دنیا گہوارۂ امن و سلامتی بن سکتی ہے۔ مذہب اسلام وہ پاکیزہ مذہب ہے جو سخت سے سخت دشمنوں کے ساتھ بھی امن و سلامتی اور عدل و انصاف اور اعتدال پسندی کا حکم دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے دشمن کی عداوت بھی تم کو عدل و انصاف سے نہ روکدے۔ ارشاد خداوندی ہے:

”وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ

لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ“ (سورۃ مائدہ: ۸)

[اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم نا انصافی کرو۔

انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ [آسان ترجمہ]
تفسیر عثمانی میں اس آیت پاک کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

عدل وانصاف کی تاکید

”عدل“ کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے، عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلہ کو جھکانہ سکے۔

عدل وانصاف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے

جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں ان سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام ”تقویٰ“ ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ و بعیدہ بہت سے ہیں، تمام اعمال حسنہ اور خصال خیر کو اس کے اسباب و معدات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ”عدل و قسط“ یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت و عداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے ”هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى“ فرمایا۔ (یعنی یہ عدل جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اس کی مزا ولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

یعنی ایسا عدل و انصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے، اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شان انتقام کا خوف ہے۔ اور یہ خوف ”إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ“ کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، تو اس کا قلب خشیت الہی سے لرزنے لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔ اور احکام الہیہ کے امتثال کیلئے غلامانہ تیار رہے گا۔ (تفسیر عثمانی: ۳۳۳/۱)

اس مضمون کو ایک دوسری آیت مبارکہ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

”وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبُرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدُوْانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ“ (سورہ مائدہ: ۲)

[اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔] (آسان ترجمہ)

آیات مبارکہ کے ذیل میں تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں:

دشمنی کے جوش میں زیادتی نہ کرو

پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم و محترم قرار دیا تھا ۶ ھ میں

مشرکین مکہ نے ان سب کی اہانت کی، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے اس مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا، نہ حالت احرام کا خیال کیا، نہ کعبہ کی حرمت کا، نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدی وقلاند کا، مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دئے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیظ و غضب اور بغض و عداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے، اور جوش انتقام سے برا فروختہ ہو کر جو کارروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی؛ لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں چچی تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گذر جاتا ہے، اس لئے فرمایا: کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔

تعاون علی البرّ

اگر کوئی شخص بالفرض جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ جماعت اسلام اس کے ظلم و عداوان کی اعانت نہ کرے، بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں، اور اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔ یعنی حق پرستی انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جڑ خدا کا خوف ہے، اور اگر خدا سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور بدی سے ترک تعاون نہ کیا گیا تو عام عذاب کا

اندیشہ ہے۔ (تفسیر عثمانی: ۱/۳۲۵)

عام کفار جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرتے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

”لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔“ (سورة الممتحنة: ۸)

[اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آسان ترجمہ) آیت مبارکہ کے ذیل میں تفسیر عثمانی میں ہے:

نرم خو کفار سے حسن سلوک

مکہ مکرمہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے، اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پر خاش بھی نہیں رکھی، نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے، نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے، اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے، تو تمام کافروں کو بلا تمیز

ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت و انصاف کے خلاف ہوگا۔
(تفسیر عثمانی: ۲/۱۷۷)

ظاہر ہے کہ جب دشمنوں کیلئے اور کافروں کیلئے یہ آداب ہیں تو دوستوں کیلئے اور ایمان والوں کیلئے کیا آداب ہونگے۔ یقیناً ایمان والوں کیلئے وہ اخلاق و آداب ہیں جو سر اسر رحمت ہی رحمت ہیں، وہاں ادنیٰ درجہ زحمت دہی کی گنجائش ہی نہیں۔ اور جو چیزیں باہم الفت و محبت اور راحت رسانی والی چیزیں ہیں ان سب کو طاعت و ثواب بنا دیا گیا اور جو چیزیں نزاع باہمی یا زحمت رسانی کا ذریعہ ہیں یا ذریعہ بن سکتی ہیں ان سب کو ممنوع اور گناہ قرار دیا گیا۔ مکارم اخلاق اور محاسن اخلاق کو اعلیٰ ترین عبادت اور قرب خداوندی کا اعلیٰ ترین درجہ قرار دیا گیا، بلکہ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تکمیل کو بیان فرمایا:

”إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ“

[بالتحقیق میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔]

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکارم اخلاق کی وضاحت کیلئے ارشاد فرمایا:

”صِلْ مَنْ قَطَعَكَ۔ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔ وَاحْسِنْ إِلَى

مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ۔“

[جو رشتہ قطع کرے اس سے رشتہ جوڑو۔ ظلم کرنے والے کو معاف کر دو۔

برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کرو۔]

اولیاء امت ہر زمانہ میں ان مکارم اخلاق پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان کا یہ عمل اشاعت اسلام کا ذریعہ بنتا رہا، اس خیر زمانہ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے خاص خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے یہاں کوئی مہمان تشریف لائے، ان کی کسی بات پر ان کو کچھ سخت کلمہ کہہ دیا، پھر خیال ہوا کہ مجھ سے زیادتی ہوگئی، مجھ کو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا، یہ خیال آتے ہی بے قرار ہو گئے، اور فوراً سواری کا انتظام کر کے ان کے پاس ان کی بستی میں پہنچے، ان کی بستی کافی فاصلہ پر تھی، وہاں پہنچ کر ان صاحب کا پتہ معلوم کیا اور ان سے ملاقات کی اور معافی کی درخواست کی کہ میں نے تم کو یہ جملہ کہہ دیا تھا، جس سے تم کو تکلیف ہوئی ہوگی، اس کی معافی کے لئے آیا ہوں، تم مجھے معاف کر دو۔ اس نے کہا بھی کہ حضرت مجھ کو تو کوئی خیال بھی نہیں اور حضرت کو اس سے زیادہ کہنے اور ڈانٹنے کا حق ہے؛ مگر حضرت نے معافی پر اصرار کیا، مجبوراً اس نے کہا: کہ میں نے معاف کیا۔ حضرت فوراً واپس ہو گئے، اس نے ہر چند ناشتہ وغیرہ کے لئے روکنا چاہا، مگر حضرت نے عذر فرمایا کہ مکان پر مہمان ہیں، مہمانوں کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس لئے رکنے کا موقع نہیں اور فوراً واپس ہو گئے۔ رات کو خواب دیکھا۔

خواب

خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مع حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک کشتی میں سوار ہیں، اور میں دوسری کشتی میں سوار ہوں، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا: کہ عبدالغنی کی کشتی کو میری کشتی سے باندھ دو۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ سے میری کشتی کو پکڑا، دوسرے ہاتھ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشتی کو

پکڑا اور دونوں کو ملا کر ان کے درمیان ایک میخ ٹھوک دی، اس میخ کو ٹھوکنے کے لئے جو اس پر کوئی چیز زور سے ماری اس آواز سے میری نیند کھل گئی۔ معلوم ہو گیا کہ معافی چاہنے کا کیا اجر و ثواب ہے۔

ہمارے اکابر کا یہی طرز تھا کہ اگر کسی سے کوئی بات ہو گئی اور خیال ہوا کہ اس کو میری بات سے تکلیف ہوئی ہوگی تو فوراً معافی تلافی کی فکر فرماتے تھے اور بڑے کو بھی اپنے چھوٹوں سے معافی چاہنے میں عار نہیں ہوتی تھی، اور آج کل تو اپنے بڑوں سے معافی چاہنا بھی عار سمجھا جاتا ہے۔

حضرت مولانا عثمان کورانوی علیہ الرحمۃ کا واقعہ

حضرت مولانا عبدالقیوم علیہ الرحمۃ جو دارالعلوم میرٹھ میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، گھنٹہ گھر کے قریب ایک مسجد میں امامت بھی فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ نے حضرت مولانا عثمان کورانوی علیہ الرحمۃ سے پڑھا تھا، اور پھر مدت العمر ملاقات کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ ایک روز حضرت مولانا عثمان صاحبؒ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ کی مسجد میں تشریف لائے، اور حضرت مولانا سے مصافحہ کر کے انکے سامنے بیٹھ گئے، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ نے حضرت کو پہچانا بھی نہیں، اسلئے کہ طویل عرصہ ملاقات کو گذر چکا تھا، حضرت مولانا عثمان صاحبؒ تھے بھی بہت سادہ مزاج، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ نے ایک نووارد مسافر سمجھ کر سوال کیا: کہئے کہاں سے تشریف لائے۔

حضرت نے فرمایا: محمد عثمان ہوں، کورانہ سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہوئے اور حضرت مولانا قدس سرہ کو اپنی جگہ پر بٹھایا، ضیافت فرمائی، اور پھر تشریف آوری کی وجہ دریافت فرمائی۔

حضرت نے فرمایا: بھائی تم نے مجھ سے پڑھا ہے، اور پڑھنے کے زمانہ میں بہت سی باتیں مزاج کے خلاف ہو جاتی ہیں، ہو سکتا ہے میری کسی بات سے تم کو تکلیف پہنچی ہو اس کی معافی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اور میں نے یہ پورا سفر اسی مقصد کے لئے کیا ہے۔ اور جہاں جہاں علم ہو سکا کہ فلاں جگہ میرا کوئی شاگرد ہے وہاں اس کے پاس جا کر معافی مانگ کر آیا ہوں، میرا اخیر وقت ہے، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، یہاں بھی اسی لئے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت مولانا عقیل الرحمن صاحب زید مجدہم

بندہ ناچیز مفتاح العلوم جلال آباد میں زیر تعلیم تھا، بندہ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا عقیل الرحمن صاحب زید مجدہم بھی ہیں، جو بندہ کے محسن و مشفق استاذ ہیں۔ ایک روز سبق میں کچھ سوال و جواب کی نوبت آئی، جیسا کہ سبق میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، حضرت نے کچھ ارشاد فرمایا: بندہ نے اس پر کچھ اشکال کیا، اس طرح اشکال و جواب ہوتا رہا، حضرت والا زید مجدہم نے کوئی کلمہ سخت فرمادیا، جس کا بندہ کو کوئی احساس بھی نہیں تھا، مگر شام کو بعد عصر دیکھا کہ حضرت مولانا زید مجدہم اپنے کمرہ سے سیدھے بندہ کے کمرہ کی طرف تشریف لا رہے ہیں، جو بالکل دوسری سمت میں تمام صحن مدرسہ کو پار کر کے تھا، جبکہ حضرت مولانا زید مجدہم کا معمول کسی طالب علم کے کمرہ میں جانے کا نہیں تھا، بندہ نے کمرہ سے باہر نکل کر ملاقات کی، حضرت والا نے فرمایا: سبق میں میں نے جو سخت کلمہ کہہ دیا تھا، مجھے بعد میں خیال ہوا شاید تم کو تکلیف ہوئی ہو، اس لئے معافی کے لئے آیا ہوں، تم مجھے معاف کر دو۔

بندہ کو اس کا احساس بھی نہیں تھا اور کوئی خاص بات بھی نہیں تھی، اور استاذ کو اس

سے زیادہ کا حق ہوتا ہے، اسلئے بندہ انتہائی شرمندہ ہوا۔ ایک عظیم مشفق استاذ اور وہ اپنے ایک معمولی اور کمسن شاگرد سے معافی طلب کرے، باقی حضرت والا زید مجدہم کی کمال عظمت دل میں بیٹھ گئی کہ اس دنیا میں کچھ ایسے مقدس اور پاکیزہ صفات کے حامل انسان بھی ہوتے ہیں کہ جو اپنے ادنیٰ شاگردوں سے معافی طلب کرنے میں بھی جھجک محسوس نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا زید مجدہم کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے، اور حضرت کا سایہ بعافیت دراز فرمائے۔ اور فیوض و برکات کو عام و تمام فرمائے۔ آمین!

حضرت الاستاذ زید مجدہم کے اندر یہ صفت ثمرہ تھا، حضرت الاستاذ مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ کی صحبت و تربیت کا، کہ جو کسی جاندار اور کسی حیوان کی تکلیف کو بھی گوارہ نہیں فرما سکتے تھے۔ خواہ خود کو کتنی ہی تکلیف برداشت کرنا پڑے۔

حضرت مسیح الامت کابلی کی وجہ سے بستر پر نہ لیٹنا

مسیح الامت حضرت جی مولانا محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ کے میزبان جن کے یہاں حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے قیام فرمایا تھا، بندہ سے بیان کیا کہ ایک رات حضرت والا نور اللہ مرقدہ کو دیکھا کہ بستر سے الگ ایک طرف بیٹھے ہیں، پوچھنے پر بتایا کہ بستر پر بلی سو گئی ہے، پوری رات بستر کے بغیر جاگ کر گزارنا گوارا کیا، مگر بلی کو اٹھانا گوارا نہیں فرمایا۔

راستے سے کتے کو ہٹانے سے روکنا

حضرت جی نور اللہ مرقدہ کے مکان اور مسجد کے راستے میں ایک نالی پڑتی ہے، اسی نالی پر گزرنے والوں کے لئے راستہ بنا ہوا ہے، جس کے اوپر کو لوگ گزرتے

ہیں۔ ایک دفعہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ اپنے مکان سے مسجد تشریف لے جا رہے تھے، اتفاق کہ نالی کے اوپر خشک راستہ پر ایک کتا بیٹھا ہوا ہے، کسی خادم نے آگے بڑھ کر اس کتے کو اٹھانا چاہا، حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے خادم کو اٹھانے سے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا: یہ راستہ عام ہے، سب کیلئے ہے، اس میں کتے کا بھی حق ہے، وہ اپنے حق کی جگہ میں بیٹھا ہے، ہمیں اس کو اٹھانے کا حق نہیں۔

اور پھر دوسری طرف سے نالی کو پھلانگ کر تشریف لے گئے، ظاہر ہے کہ جو حضرات کتے اور بلی کو بھی تکلیف دینا گوارا نہ کریں اور خود مشقت برداشت فرمائیں، ان کی صحبت اور تربیت کا یہی اثر ہونا چاہئے، صحبت عجیب چیز ہے، انسان کو کیا سے کیا بنادیتی ہے: ۷

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

حضرت جی نور اللہ مرقدہ کی کیمیا اثر صحبت کا اثر دوسرے اساتذہ کرام اور بہت سے طلباء میں بھی پایا جاتا تھا۔

حضرت علامہ رفیق احمد صاحبؒ

بندہ کے محسن و مشفق استاذ حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد ایک جلسہ میں تشریف لے گئے، جلسہ حضرت والا قدس سرہ کی صدارت و سرپرستی ہی میں تھا، اور بڑی شخصیت کا بیان جلسوں میں اخیر ہی میں رکھتے ہیں، حضرت والا بارہ بجے کے بعد بیان کیلئے تشریف لے گئے، حضرت کے بستر پر

دوسرے حضرات لیٹ گئے، بیان سے فارغ ہو کر تشریف لائے، دیکھا کہ بستر پر دوسرے حضرات لیٹے ہوئے ہیں، حضرت نے ان سوتے ہوئے حضرات کو اٹھانا گوارہ نہیں فرمایا، اور خاموشی کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے اور وہیں مسجد میں رات گذاری اور پھر صبح کو مدرسہ والوں سے اس کا تذکرہ بھی نہیں فرمایا۔ یہ سب حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ کی صحبت ہی کا اثر تھا۔

محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا واقعہ

ایک دفعہ محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ حضرت حکیم الامت وضو کرنے کیلئے تشریف فرما ہوئے، ابھی وضو شروع ہی کیا تھا کہ آپ کی نظر چیونٹیوں کے سوراخ پر پڑی، کچھ چیونٹیاں وہاں پر ریگ بھی رہی تھیں، آپ وہاں سے اٹھ گئے کہ یہاں پانی گرنے کی وجہ سے چیونٹیوں کو تکلیف ہوگی، ان کے گھروں (بلوں) میں پانی بھر جائے گا، اور دوسری جگہ جا کر وضو فرمایا۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خانہ کعبہ میں آرام کر رہے تھے، ایک بلی آئی اور ان کے دامن پر سو گئی، اس اثناء میں اذان ہوئی، بزرگ نماز کے لئے اٹھے مگر اس طرح کہ اپنے دامن کے اس حصہ کو کاٹ دیا جس پر بلی سو رہی تھی، تاکہ بلی کی نیند میں خلل نہ آئے۔

بھائیو! اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ معمولی اور حقیر جانور کا بھی دل نہیں دکھاتے ہیں، پھر کسی انسان کا دل وہ کیسے دکھا سکتے ہیں، ایسے لوگ انسان کے سچے

ہمدرد اور صحیح معنی میں غمخوار ہوتے ہیں، اپنے کو مشقت میں ڈال کر دوسروں کے لئے راحت کا سامان کرتے ہیں، آج یہ ہمدردی اور غمخواری رخصت ہوتی جا رہی ہے، اور خود غرضی کی وبا عام ہو گئی ہے۔

اسی کو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ۷

تو کز محنتِ دیگران بے غمی

نشايد کہ نامت نہند آدمی

[یعنی اگر تو دوسروں کی پریشانی اور مصیبت سے بے فکر ہے اور اس کا کوئی اثر

تجھ پر نہیں ہے تو ایسی صورت میں تمہارا نام آدمی نہیں رکھنا چاہئے۔]

غالب نے ٹھیک ہی کہا تھا: ۷

از بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا پسندیدہ شعر

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک پسندیدہ شعر ہے جسے وہ

اکثر پڑھا کرتے تھے، اس شعر سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ والے کس احتیاط

واعتدال اور رعایت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ ۷

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری

کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

مگر اخیر کے چند سالوں سے اختلافات کی ایسی آندھی چلی ہے، اور ہمارے اداروں،

تنظیموں، جماعتوں، جمعیتوں کے اختلافات کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا ہے جو کہیں

رکنے اور ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے اور ہر اختلاف پہلے اختلاف کو بھلا دیتا ہے۔ اور ان اختلافات کی وجہ سے آج مدارس تقسیم ہو گئے، اساتذہ تقسیم ہو گئے، علماء تقسیم ہو گئے، ائمہ تقسیم ہو گئے، خانقاہیں تقسیم ہو گئیں، ہر ہر شہر اور ہر ہر مدرسہ اور ادارہ کو ان اختلافات نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہر فریق اور جماعت کا بڑا اور سربراہ لائق تعظیم و تکریم اور دوسرے فریق اور دوسری جماعت کا بڑا اور سربراہ ناقابل تعظیم ہے اور ناقابل تکریم ہے؛ بلکہ ہر قسم کی خامیاں، کوتاہیاں اس میں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور ادنیٰ اور معمولی قسم کے پڑھے لکھے لوگ ان حضرات اکابر پر بے لاگ تبصرے کرتے نظر آتے ہیں، جن کو ان حضرات اکابر سے ادنیٰ درجہ کی بھی نسبت نہیں۔ ۷

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اور افسوس صد ہزار افسوس ان حضرات اکابر کی اعلیٰ نسبت کا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ فلاں نے اپنے مدرسہ میں فلاں کو کیوں بلایا؟ فلاں نے فلاں سے کیوں ملاقات کی؟ فلاں نے فلاں جلسہ میں کیوں شرکت کی؟ فلاں فلاں جگہ کیوں پہنچا؟ فلاں کا فلاں جگہ استقبال ہوا، فلاں جگہ ضیافت ہوئی، آج یہ چیزیں موضوع بنی ہوئی ہیں، اور یہ سب کچھ اپنوں میں ہو رہا ہے، اہل حق میں ہو رہا ہے، اپنے اکابر اسلاف کے پاکیزہ اخلاق اور ان کی اعتدال پسندی کی پاکیزہ روایات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

حضرت مولانا سید حفظ الکبیرؒ کا جواب

ایسے موقع پر حضرت مولانا سید حفظ الکبیرؒ کا جواب یاد آ جاتا ہے۔ حضرت مولانا سید حفظ الکبیرؒ مدظلہ العالی جلال آباد میں مبلغ تھے۔ مفتاح العلوم جلال آباد سے پہلے کچھ عرصہ تھانہ بھون قیام رہا، تھانہ بھون میں اس زمانہ میں خانقاہ

کے سلسلہ میں اختلاف چل رہا تھا، موصوف کا قیام جن بزرگ کے پاس تھا، ان کا اہل خانقاہ سے اختلاف تھا، حضرت مولانا مرحوم خانقاہ بھی تشریف لیجاتے، اور وہاں کے حضرات سے ملاقات فرماتے، اس کا علم ان بزرگ کو ہو گیا، انہوں نے حضرت مولانا مرحوم سے باز پرس کی اور فرمایا: تم ہمارے دشمنوں سے ملتے ہو، حضرت مولانا مرحوم نے بے ساختہ جواب دیا: حضور! میں تو خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بھی ملتا ہوں۔

مگر آج ہمارے طور و طریق سے اندازہ ہوتا ہے کہ گویا ہم کو اپنے اسلاف کرام سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ علامہ حالی نے ٹھیک ہی کہا ہے:

جو تفرقہ اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جو دین کہ ہمدرد بنی نوع بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں پچا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

بگڑی ہے اب ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہاں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اس جذبہ سے متاثر ہو کر فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود بن گنگوہی قدس سرہ کے افادات کو مع اضافہ ”حدود اختلاف“ کے نام سے ۱۴۱ھ میں شائع کیا تھا، جو بے حد مقبول ہوا، اور پھر بعد میں بھی شائع ہوتا رہا اور پاکستان میں بھی کئی بار طبع ہوا، جنوبی افریقہ میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا، یہاں بھی بعض دیگر کتب خانوں نے اپنے طور پر شائع کیا، مگر ضرورت تھی کہ نظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت کی جائے، مگر نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا، ادھر احباب کا اصرار اس کی اشاعت کا برابر ہوتا رہا، بالخصوص مخدومی صدیق العصر حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی نور اللہ مرقدہ کو اس کی اشاعت کا بہت تقاضہ تھا، حتیٰ کہ مرض الوفات میں بندہ برائے عیادت لکھنؤ ہسپتال میں حاضر ہوا اس وقت بھی حضرت والا قدس سرہ نے اس کی اشاعت اور اس میں اضافہ کا حکم فرمایا۔

ایک دفعہ خواب میں حضرت مولانا قدس سرہ کی زیارت ہوئی، اس وقت بھی حدیث پاک پڑھی:

”صَلِّ مَنْ قَطَعَكَ۔ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔ وَأَحْسِنْ إِلَى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ۔“

[جو رشتہ توڑے اس سے رشتہ جوڑو۔ جو ظلم کرے اس کو معاف کرو۔ جو تمہارے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ احسان کرو۔]

اور ارشاد فرمایا:

”اس حدیث پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں، اس پر عمل کرنے اور اس کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔“

ان سب تقاضوں کے باوجود اپنی سستی و کاہلی کی وجہ سے نظر ثانی اور اس میں

اضافہ کا موقع نہ مل سکا، گو ظاہری بہانہ کثرت مشاغل کا رہا۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے اس وقت اس کی نظر ثانی اور جا بجا اضافہ اور اخیر میں ضمیمہ شامل کر کے اس کی اشاعت کی توفیق و سعادت عطا فرمائی۔ فالحمد لله علی ذلک۔

اللہ پاک محض اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے، اور بے حد مفید و نافع بنائے، بندہ ناچیز کی نجات کا ذریعہ بنائے اور میرے والدین مرحومین نیز حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ اور صدیق العصر حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ اور دیگر اساتذہ کرام کو اس کا ثواب عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین!

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم. وتب علينا انک انت
التواب الرحيم. بحرمة حبیبک سید المرسلین
صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا
ومولانا وحبیبنا محمد والہ
واصحابہ اجمعین
الی یوم الدین
آمین

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ

۹ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ

(بار اول) عرض مرتب

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ. اَمَّا بَعْدُ

امت کا باہمی اتفاق و اتحاد عند اللہ محبوب و مطلوب اور نزاع و جدال مذموم و مبغوض ہے۔ لیکن غیر منصوص مسائل میں اختلاف رائے اگر حق پر مبنی اور حدود کے اندر ہو تو مبغوض نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ ایسا اختلاف رائے عہد رسالت میں بھی پیش آیا۔ خلافت راشدہ اور قرونِ مشہود لہا بالآخر بھی اس سے خالی نہیں۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف رائے سے کوئی دور اور زمانہ خالی نہیں رہا۔ اور اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم، اوصاف و کمالات کا اعتراف، الفت و محبت، تعاون و خیر خواہی بھی برابر برقرار رہی۔

مگر بعض بڑے مدارس کے ذمہ داران کا باہمی اختلاف جس کو اس دور کا فتنہ کبریٰ اور سانحہ عظیم کہنا چاہئے جس نے نزاع و جدال کی صورت اختیار کر لی اور جس میں روایات سلف کو پامال کر دیا گیا۔ شرعی حدود سے تجاوز کر کے اسلاف کے طرز عمل کے برخلاف و برعکس طریقہ اختیار کیا گیا۔ ایک دوسرے کے خلاف اشتہارات نکالے گئے۔ ایک دوسرے کے فرضی عیوب چھپانے کے بجائے چھاپے گئے۔ افتراء، بہتان، کذب بیانی سے بھی گریز نہیں کیا گیا بلکہ علماء کی ایک جماعت نے دوسری

جماعت پر وہ کچھڑا چھالا کہ جاہل بھی شرما گئے۔ بعض نام نہاد مفتیوں نے مسند افتاء کی عظمت کو ملحوظ و برقرار رکھنے کے بجائے اس کو آلہ کے طور پر استعمال کیا۔ آخرت کی جوابدہی کا احساس بھی شاید اس وقت رخصت ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہلا شَقَّقَتْ عَنْ قَلْبِهِ سے بھی ذہول ہو گیا۔

ابوداؤد شریف کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ (مسلمانوں کی جماعت) کو حرقات کی طرف (دشمنوں کی سرکوبی) کیلئے بھیجا۔ ان کو علم ہو گیا سب فرار ہو گئے ایک شخص مل گیا۔ جب اس کو پکڑ لیا اس کے بعد قتل کا ارادہ کیا تو اس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا۔ مگر اس کے باوجود اس کو قتل کر دیا۔ پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا: مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قیامت میں جب وہ لا الہ الا اللہ لے کر آئیگا تو تمہیں کون نجات دیگا۔ عرض کیا اس نے ہتھیار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ اس پر ارشاد فرمایا ہلا شَقَّقَتْ عَنْ قَلْبِهِ اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تمہیں علم ہو جاتا کہ اس وجہ سے اس نے کلمہ پڑھا ہے یا اس وجہ سے نہیں۔ اور پھر برابر یہی کلمہ بار بار ارشاد فرماتے رہے مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قیامت میں جب وہ لا الہ الا اللہ لے کر آئیگا تمہیں کون بچالے گا یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا کہ اسلام لانے سے گزشتہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا علم کہ اس نے ہتھیار کے ڈر سے کہا اور اس نے حقیقۃً اسلام قبول نہیں کیا معلوم ہو نیکی کوئی صورت ہی نہیں، الا یہ کہ اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا جائے اور دل کو چیر کر بھی دیکھ لیا جائے تب بھی حقیقۃً اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ سو اپنی طرف سے محض گمان سے یہ حکم لگانے کی اجازت نہیں کہ

اس نے ہتھیار کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے بلکہ ظاہر قول کا ہی اعتبار کیا جائیگا۔ دلوں کا معاملہ عالم الغیب والشہادۃ کے حوالہ ہے۔ مقام غور ہے کہ دشمنوں کا فروں کی جماعت کا ایک شخص، اسکے ساتھی فرار ہو گئے، وہ پکڑا گیا ایسی حالت میں وہ کلمہ پڑھتا ہے اس سے پہلے اس کا کوئی عمل اسلام کے مطابق سامنے نہیں آیا۔ اسکے باوجود اس کے کلمہ پڑھنے سے اسکے ساتھ اسلام کا معاملہ کیا گیا اور اسکے کلمہ پڑھنے کا لحاظ کیا گیا۔ مگر افسوس آج جنکی زندگیاں سرتا پادین کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں اور دین کیلئے وقف ہیں اتباع سنت عشق الہی سے منور ہیں ان کے فسق بلکہ کفر کا فتویٰ دینے میں بھی باک نہیں ہوتا۔

بعض آسمان پر تھوکنے والوں کو اپنے چہروں کے آلودہ ہونے کا بھی اندیشہ نہ ہوا، سورج پر غبار پھینکنے والوں کو اپنی آنکھوں پر بھی رحم نہ آیا۔ دوسروں کے قلعہ ایمانی پر تیشہ زنی کرنے والوں کو اپنے دین و ایمان کے پارہ پارہ ہونے کا بھی خیال نہ ہوا نہ اپنے مخالف حضرات کی زندگیاں، اتباع سنت، عشق الہی، دینی خدمات و مجاہدات سے بھرپور و سرشار ان کے سامنے رہیں جن کا جرم صرف یہ تھا کہ انھوں نے اپنے پاس قوی دلائل ہونے کی وجہ سے ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی، ان کی آواز پر قرآن و سنت سے آنکھیں بند کر کے آمنا و صدقنا نہیں کہا۔

کہیں عوام سے انصاف و فیصلہ کی اپیلیں کی گئیں اور دنیوی عدالتوں سے دنیا میں عدل و انصاف پھیلانے والوں اور دنیا کے فیصلے کرنے والوں نے انصاف و فیصلہ کی بھیک مانگی اور اس کے لئے وہ سب کچھ کیا جس کو ایک عام دنیا دار انسان بھی کرتا ہوا شرماتا ہے جس سے عالمانہ وقار بھی مجروح ہوا، بزرگانہ عظمت پر بھی دھبہ آیا۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

وہ علماء دین حق جن کا مذہب، مسلک، مشرب سب ایک تھا جو باطل کے لئے

ایک آہنی دیوار تھے، خود دو حصوں، فرقوں گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ان کے متعلقین، ائمہ مساجد، اصحاب مدارس اس کی زد میں آئے اور جس معاملہ کی کسی باطل و گمراہ فرقہ کے ساتھ بھی شرعاً اجازت نہیں ایک دوسرے کے ساتھ اپنایا گیا۔ اور اپنی تمام تر قوتیں، توانیاں، متفق علیہ و مجمع علیہ مسائل کی اشاعت اور باطل و گمراہ فرقوں، طاقتوں کے خلاف استعمال کرنے کے بجائے ایک دوسرے کی تذلیل، توہین، تجہیل، تحمیق، تفسیق پر صرف کی جانے لگی اور اس کو اہم دینی خدمت تصور کر کے اپنا پورا زور اس پر صرف کر دیا۔ عوام بلکہ زر خرید و با شوں کو بھی اس کے لئے استعمال کیا گیا۔ فَالِی اللّٰهُ الْمُشْتٰکِی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ۝

خبر کیا تھی کہ ایسا دور بھی اک آنے والا ہے
کہ رفتہ رفتہ چھن جائیں گی ساری خوبیاں ہم سے
یہاں تک گردشِ دورِ فلک سے پست ہونا ہے!
کہ گردِ راہ بھی کرتی پھرے گی شوخیاں ہم سے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

مگر اس نازک اور قیامت خیز، پر فتن دور میں بعض شخصیتیں کوہِ وقار اور مکمل تصویرِ صبر و رضا بنی ہوئیں اسلاف کی روایات و اقدار کی محافظ اور نگہبان بنی رہیں۔ یہ اختلاط و انتشار ان کے لئے سوہانِ روح بن گیا۔ نہ کچھ کہتے ہی بن پڑتی نہ کوئی تدبیر ہی کارِ نظر آتی۔ دلوں پر غموں کے پہاڑ اور لبوں پہ خاموشی البتہ کبھی پورے ضبط و تحمل کے باوجود آنکھ کے آنسو دل کے اضطراب اور بے چینی و بے کلی کو ظاہر کر دیتے۔

مرا درد یست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگردم در کشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد
[میرے دل میں ایسا درد ہے کہ اگر بیان کروں تو زبان جل جائے، اور اگر خاموش رہوں تو ڈر ہے کہ ہڈیوں کا گودا جل جائے۔]
اکثر ایسا ہوا کہ کھانا آیا بھوک غائب۔ رات کو بستر پر لیٹے، نیند ندارد، چند کروٹیں بدلیں اور اٹھ بیٹھے۔

کسی ستم ظریف کی اختر شاریوں کے مزے
نہ رو کر جس نے گزاری ہو ساری رات کیا جانے
سیدی و مرشدی بقیۃ السلف، فیقہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی
مفتی اعظم ہند ادام اللہ ظلال برکاتہم حسن کردار بلندی اخلاق اور اسلاف کی روایات و
اقدار کا وہ اعلیٰ نمونہ ہیں جو اس مذلت اقدام اعلام، صبر آزما نازک دور میں گویا انھیں کا
حصہ ہے جن کا باطن سوزاں و بریاں اور ظاہر شاداں و خنداں۔

بلبل نیم کہ نعرہ زخم و درد سرکشم
قمری نیم کہ طوق بگردن در آورم
پروانہ نیستم کہ بسوزم بگرد شمع
شمع کہ جاں گدازم و دم برنیا ورم
[میں بلبل نہیں ہوں کہ نعرے مار مار کر سر میں درد کروں، قمری نہیں ہوں کہ گردن میں طوق ڈالوں، پروانہ نہیں ہوں کہ شمع کے گرد جلوں، میں شمع ہوں کہ جان پگھلاتا ہوں اور دم نہیں مارتا۔]

نہ چاہ نہ خواہش نفسانی، طبعیت کا ہر ارادہ و تقاضہ فانی، صرف رضا حق
باقی ہر حرکت و سکون للہ فی اللہ۔

سفر و حضر میں عموماً بالخصوص جبکہ حاضرین میں علمائے ہوتے اپنے اکابر اور ائمہ محدثین و مجتہدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف رائے کے باوجود باہمی اکرام و احترام، تعظیم و تکریم، محبت و مودت کے واقعات بڑی تفصیل سے انتہائی شوق و ذوق اور والہانہ انداز سے سناتے اور بعض دفعہ انتہائی صبر و تحمل کے باوجود آنسوؤں کی لڑیوں کے ساتھ گریہ و بکا کی آواز بھی نکل جاتی۔ حاضرین بھی بے قابو ہو جاتے اور اس شعر کا مصداق ہوتا۔

آ عند لیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو پکار ہائے گل میں چلاؤں ہائے دل!

احقر نے محسوس کیا کہ حضرت والا دامت برکاتہم کے قلب پر اس اختلاف کی اس صورت حال کا گہرا اثر ہے اور قلوب میں اسلاف و اکابر کے طرزِ عمل کو انڈیل دینا چاہتے ہیں۔ احقر نے مختلف مجالس میں ان سنے ہوئے واقعات کو مزید اضافے کے ساتھ یکجا کر دیا۔ ان کے حوالے بھی دیدیے اور شروع میں چند آیات و احادیث مع ترجمہ و تشریح بھی شامل کر دیں۔ احادیث کے انتخاب و تلاش میں میرے محسن، کرم فرما، مخلص دوست حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مدت فیوضہم نے خاص تعاون فرمایا۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کا رسالہ الاعتدال فی مراتب الرجال المعروف بہ اسلامی سیاست مع تاملہ حضرت مولانا مفتی عاشق الہی مہاجر مدنی دامت برکاتہم جو اسی موضوع پر ہے بطور خاص سامنے رہا ہے اور اس سے پورا استفادہ کیا ہے۔ اللہ پاک اس رسالہ کا ثواب بھی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی روح مبارک کو پہونچائے۔

فقہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کو سنا بھی دیا گیا ہے اور حضرت والا زید مجدہم نے اصلاحات بھی فرمائیں۔ البتہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم سے متعلق جو حصہ ہے اس کو نہیں سنایا گیا چونکہ حضرت دامت برکاتہم کمال تواضع اور کمال عبدیت و فتانیت کی بناء پر اپنی ذات سے متعلق سننے کے ہرگز روادار نہ ہوتے اور نہ اس کی اشاعت کی اجازت دیتے جیسا کہ اس سے قبل کئی مرتبہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اس لئے بجبوری اس حصہ کو بلا سنائے ہوئے ہی کتاب میں شامل کر دیا گیا۔ اللہ پاک اپنی اور اپنے اولیاء کی ناراضگی سے پوری پوری حفاظت فرمائے۔ آمین! اللہ پاک حضرت والا دامت برکاتہم کا سایہ مبارک صحت و عافیت اور فیوض و برکات کے ساتھ دراز فرمائے۔

مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً و کرامۃً) میں مخدوم و مکرم حضرت مولانا مفتی عاشق الہی صاحب برنی مہاجر مدنی دامت برکاتہم نے بھی اس کا اکثر حصہ سنا اور مفید مشوروں سے نوازا اور بہت مسرت کا اظہار بھی فرمایا۔ اللہ پاک ان کو بھی جزاء خیر عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات کو عام و تمام فرمائے اور اس رسالہ کو بیحد قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ مخلوق کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچائے اور امت کے اس عظیم انتشار کے ختم ہونے کا ذریعہ فرمائے۔ آمین! فقط

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت

التواب الرحيم. بحرمة حبیبک سید المرسلین

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا

ومولانا وحبیبنا محمد والہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ. أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

﴿۱﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ
فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

ترجمہ: اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب
متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو
جبکہ تم دشمن تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی۔ سو تم خدا تعالیٰ
کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڈھے کے کنارہ پر
تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام بیان
کر کے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔ (بیان القرآن)

فائدہ: آیت پاک سے چند باتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

(۱)..... باہمی اتفاق کا اللہ پاک نے حکم فرمایا ہے۔

(۲)..... نا اتفاقی کی ممانعت فرمائی ہے۔

(۳)..... باہمی الفت و محبت، اتفاق و اتحاد، بھائی چارگی اللہ پاک کی بڑی نعمت ہے۔

(۴)..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حبل اللہ (اللہ کی رسی)

کتاب اللہ ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔

(۵)..... باہمی اتفاق و اتحاد کا طریقہ یہ ہے کہ سب مل کر کتاب اللہ پر عمل کریں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سب مسلمان باہم متفق و متحد اور منظم ہو جائیں گے جیسے کوئی جماعت ایک رسی کو پکڑے ہوئے ہو تو پوری جماعت ایک جسم واحد بن جاتی ہے۔ پس سب مل کر اس کو مضبوطی سے تھام لیں تو ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ خود بخود منظم ہو جائے، جیسا کہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔

(۶)..... جس طرح باہمی اتفاق و اتحاد کا ذریعہ صرف کتاب اللہ پر مضبوطی سے عمل کرنا ہے۔

(۷)..... اسی طرح کتاب اللہ پر عمل نہ کرنا نا اتفاقی کا ذریعہ ہے۔

﴿۲﴾ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔

ترجمہ: اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ (بیان القرآن)
فائدہ: آیت پاک سے معلوم ہوا کہ۔

(۱)..... نزاع باہمی ممنوع ہے۔

(۲)..... نزاع! کم ہمتی، بزدلی، بے رغبتی کا ذریعہ ہے کہ باہمی نزاع سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں جس کا آج کل مشاہدہ ہے۔

(۳)..... نزاع! سے حفاظت صبر کے ذریعہ ہوتی ہے کہ خلافِ مزاج باتوں پر صبر کرنے سے نزاع ختم ہو جاتا ہے۔

(۴)..... صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ پاک کی خصوصی مدد ہوتی ہے۔

﴿۳﴾ وَاللَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ

جَمِيعًا مَا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے ہی) ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا، اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا، بیشک وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ (بیان القرآن)

فائدہ: یہاں باہمی اتفاق کو اللہ پاک نے اپنے خصوصی احسان کے طور پر بیان فرمایا ہے جس سے اللہ پاک کے نزدیک اس کا محبوب و پسندیدہ ہونا خوب ظاہر ہے۔

(۲)..... باہمی اتفاق اللہ پاک ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ دنیا کی دولت، قوت، حکومت، قانون وغیرہ کسی چیز کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔

(۳)..... اس آیت کے بعد کی آیات میں جہاد و قتال کا حکم ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ جہاد اور دیگر عمومی اہم کاموں کیلئے باہمی اتفاق بہت ضروری ہے۔

﴿۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا۔

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ (بیان القرآن)

فائدہ: معلوم ہوا کہ ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ پاک کی طرف سے محبت اور باہمی اتفاق کا وعدہ ہے جس قدر ایمان میں پختگی ہوگی اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور اعمال صالحہ کئے جائیں گے اسی درجہ باہمی الفت و محبت پیدا ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جس درجہ اس میں کمی ہوگی اسی درجہ باہمی الفت و

محبت میں بھی کمی ہوگی۔

(۲)..... یہ بھی معلوم ہوا کہ باہمی الفت ومحبت عند اللہ مطلوب و محمود ہے۔

﴿۵﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحمت کی جاوے۔ (بیان القرآن)

فائدہ: (۱)..... پہلے جملہ ”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ میں اتفاق باہمی کا طریقہ بتایا ہے کہ باہم بھائیوں کی طرح رہیں (کہ حسن سلوک سے پیش آئیں اور خلاف مزاج باتوں کو درگزر کر دیا کریں) اس سے باہم اتفاق رہے گا۔

(۲)..... اگر کسی وجہ سے باہم نزاع ہو جائے تو دوسرے جملہ ”فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ“ [اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو۔] میں ان کے درمیان صلح صفائی کرانے کا حکم فرمایا ہے۔

(۳)..... ان دونوں چیزوں کیلئے ضروری ہے تقویٰ، کہ جب انسان میں اللہ پاک کا ڈر ہوگا اس کے اوامر پر عمل کرے گا، نواہی سے بچے گا، تو باہم بھائی چارگی بھی اختیار کرے گا، اور صلح و صفائی بھی کرائے گا۔ اس لئے تیسرے جملہ میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے۔

(۴)..... ”لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ اس جملہ میں بتایا ہے کہ یہ تینوں چیزیں اختیار کرنے سے بندہ خصوصی رحمت خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔ اس آیت سے بھی باہمی اتفاق و اتحاد کا عند اللہ محبوب و پسندیدہ ہونا اور باہمی نزاع کا ناپسندیدہ ہونا معلوم ہوا بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ باہمی اتفاق کا

حکم ہے اور باہمی نزاع ممنوع ہے۔ باہمی اتفاق سبب رحمت اور باہمی نزاع رحمت سے محرومی کا سبب ہے۔

اگلی آیات میں ان چیزوں کی ممانعت فرمائی ہے جو نزاع باہمی کا سبب ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے۔ کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے اور جو باز نہ آویں تو وہ ظلم کر نیوالے ہیں۔ (بیان القرآن)

﴿٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا۔ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے اس کو تو تم

ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور چونکہ عموماً انسان ان مذکورہ چیزوں میں خاندانی شرافت اور نسبی امتیاز و برتری کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے اس وجہ سے خاندانی شرافت اور نسبی برتری کی حیثیت کو ارشاد فرماتے ہیں:

﴿۸﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

یہ سب چیزیں نزاعِ باہمی کا سبب ہیں اس لئے ان سب کی ممانعت فرمادی۔ یا یہ سمجھئے کہ نزاعِ باہمی کی وجہ سے انسان ان تمام ممنوعات و محرمات میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ نزاعِ باہمی کتنا شدید گناہ بلکہ شدید گناہوں کی جڑ اور کتنا شدید مرض بلکہ شدید امراض کی جڑ ہے۔

مندرجہ ذیل آیات میں دعوت الی اللہ کے ساتھ ایک داعی کے اوصاف اور اپنے مخالفین و معاندین کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے، جس سے مخالفین کا بغض و عناد ختم ہو کر باہم الفت و محبت پیدا ہو جائے، اس کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿۹﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ

صَالِحاً وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔

ترجمہ: اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں شمار ہوں۔ (آسان ترجمہ)

﴿۱۰﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط ادْفَعِ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ۔

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، تم بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو، نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہو جائے گا جیسے وہ (تمہارا) جگری دوست ہو۔ (آسان ترجمہ)

﴿۱۱﴾ وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ۔

ترجمہ: اور یہ بات صرف انہی کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں، اور یہ بات اسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو۔ (آسان ترجمہ)

تفسیر عثمانی میں ان آیات کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

دعوت الی اللہ کی فضیلت

”إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا. الخ“ میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا، یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں، یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے، اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے، اسی کی پسندیدہ روش پر چلے۔ اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے، اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی

طرف کھینچنے میں موثر ہو، جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود اس پر عامل ہو، خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے، اس کا طغرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو، اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے، اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کیلئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔

تبلیغ کے آداب کی تعلیم

ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے، اس کی تعلیم دیتے ہیں، یعنی خوب سمجھ لو نیکی، بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتیں، دونوں کی تاثیر جدا گانہ ہے، بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے، لہذا ایک مومن قانت اور خصوصاً ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے، بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے، اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہئے جو اس سے بہتر ہو، مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب اور شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے، اس طرز سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور گودل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گھرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا، بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی و عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔

”کما قال: عسی اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادیتکم منهم مودة“ (سورہ ممتحنہ: ۲۷) [ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتاد ہی سناپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں، بہر حال دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر و استقلال اور حسن اخلاق کی ضرورت ہے۔ یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہئے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے، یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی: ۲/۴۹۷)

مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اولیاء کرام کو یہ صفات عطا ہوئی ہیں، اسلئے کہ سب سے زیادہ نصیبہ اور اقبال مند یہی حضرات ہوتے ہیں۔

نمونہ کے طور پر یہ چند آیات پیش کی ہیں، ورنہ تو یہ مضمون بکثرت قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

چہل حدیث

حدیث پاک میں بھی نہ صرف یہ کہ نزاع باہمی اور اختلاف کی مذمت بیان کی گئی ہے بلکہ وہ اصول ارشاد فرمائے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان اس مہلک اور خطرناک مرض سے نجات پاتا اور محفوظ رہتا ہے۔ اسلئے پینتالیس احادیث مبارکہ اس مضمون سے متعلق پیش کرتا ہوں تاکہ چالیس احادیث مبارکہ کی حفاظت و اشاعت پر حدیث پاک میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ فضیلت بھی حاصل ہو جائے۔

زبان کی حفاظت

عموماً زبان کی بے احتیاطی کی وجہ سے اختلاف و نزاع پیدا ہوتا ہے۔ اگر زبان کی حفاظت کی جائے اور بے موقع اس کو استعمال نہ کریں تو اختلاف و نزاع کی بھی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ ارشاد عالی ہے:

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔
(رواہ احمد) مشکوٰۃ شریف: ۴۱۳ / ۲۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت گفتگو سے بچنا چاہئے، جو شخص بلا ضرورت گفتگو سے احتراز کرے گا وہ بہت سے فتنوں سے محفوظ رہے گا؛ اس لئے کہ بہت سے فتنے زبان کی بے احتیاطی سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

﴿۲﴾ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ
لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ
فَقَالَ أَمْلِكُ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَ لِيَسْعَكَ بَيْتُكَ وَ أَبُكَ عَلَى
خَطِيئَتِكَ۔ (رواہ احمد و الترمذی) مشکوٰۃ شریف: ۴۱۳

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

(۱).....اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔

(۲).....تمہارا گھر تم کو سمائے رکھے یعنی بلا ضرورت گھر سے نہ نکلو۔

(۳).....اور اپنی غلطی پر رویا کرو۔

فائدہ: زبان بے قابو ہو کہ جس کو جو چاہا کہہ دیا بڑے فتنوں کا ذریعہ ہے۔ اس لئے زبان کو قابو میں رکھنے کا حکم فرمایا۔ جب زبان قابو میں ہوگی تو بلا ضرورت بلا موقع نہ بولے گا اور جب بولے گا اچھی طرح اس کے نتیجہ و انجام پر غور کر کے بولے گا جس سے بہت سے فتنوں سے نجات پا جائے گا اور بہت سے گناہوں سے بھی محفوظ رہے گا۔

(۲).....بلا ضرورت گھر سے باہر رہنا گھومنا بھی بہت سے فتنوں، جھگڑوں، گناہوں کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر بلا ضرورت دینی و دنیوی گھر سے نہ نکلے تو ان سب گناہوں، فتنوں سے نجات پا جائے۔

(۳).....آج ہر انسان اپنے کو بھول کر دوسروں کی اصلاح کی فکر میں لگا رہتا ہے اور اصلاح بھی مقصود نہیں ہوتی، دوسروں کے عیوب کی تلاش میں رہتا ہے۔ جس سے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنی خطاؤں کو یاد کر کے ان پر ندامت کے ساتھ رویا کرے ان کی اصلاح کی فکر کرے تو دوسروں کے عیوب کے پیچھے نہیں پڑے گا نہ کسی سے بدگمان ہوگا اور بہت سے فتنوں سے نجات مل جائے گی۔

ہوئی جب تلک اپنی نہ خبر

رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنے گناہوں پہ جبکہ نظر

تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

مرا پیر دانائے روشن شہاب
دو اندرز فرمود ہر روئے آب
یکے آنکہ برخود خود میں مباحش
دگر آنکہ بر غیر بد میں مباحش

[مجھ کو پیر دانا روشن دل شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے دریا کے کنارے سفر کرتے ہوئے دو نصیحت فرمائیں۔ ایک یہ کہ اپنی خوبی و کمال دیکھنے والا مت ہو، دوسرے، دوسرے کی برائی دیکھنے والا مت ہو۔]

غیر کی آنکھوں کا تنکہ تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل! ذرا شہتیر بھی
پس جو شخص ان تین چیزوں پر عمل کرے گا، یقیناً ہر قسم کے فتنوں سے، لڑائی
جھگڑوں سے محفوظ رہے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حدیث پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا
فرمائے۔ آمین

ایک حدیث پاک میں زبان کا اندیشہ ہی سب چیزوں سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔
﴿۳﴾ سُفْيَانُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخَوْفَ
مَاتَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَاحْذَرْ بِلِسَانِهِ وَقَالَ هَذَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

(مشکوٰۃ شریف: ۴۱۳)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو میرے بارے میں سب سے زیادہ کس چیز کا

اندیشہ ہے؟ تو آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا۔ اس کا۔
فائدہ: جس چیز کا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ اندیشہ ہو اس سے کتنا بچنا چاہئے۔ یقیناً چھوٹے بڑے فتنے اسی زبان کی بے احتیاطی سے پیدا ہوتے ہیں، اور زبان کی بے احتیاطی ہی کی وجہ سے گھر کے گھر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، اور اگر غور کریں تو بڑے سے بڑے جھگڑے اور فساد کی بنیاد زبان کی بے احتیاطی ہی نکلے گے؛ اسلئے زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔
 ایک حدیث پاک میں ہے:

﴿۴﴾ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ اتَّقِ اللَّهَ فِينَا فَإِنَّا نَحْنُ بِكَ فَإِنْ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اِعْوَجَجَتْ اِعْوَجَجْنَا۔
 (رواہ الترمذی: ۴۱۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب ابن آدم صبح کو اٹھتا ہے تو تمام اعضاء بدن زبان کو قسم دے کر کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا۔ بلاشبہ ہمارا معاملہ تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو اگر سیدھی رہے ہم بھی سیدھے رہتے ہیں اور اگر تو ٹیڑھی ہو جائے تو ہم بھی ٹیڑھے رہتے ہیں۔
فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زبان کے سیدھے چلنے میں (کہ صحیح بات زبان سے نکلے غلط نہ نکلے) تمام اعضاء کی سلامتی ہے اور زبان کے ٹیڑھے ہونے میں (کہ زبان صحیح چلنے کے بجائے غلط چلے، کسی کو گالی دے کسی کو برا کہے) تمام اعضاء کیلئے زحمت ہے کہ لڑائی کی نوبت آئے تو مار تمام بدن پر پڑتی ہے۔

گفتگو میں بے احتیاطی کا وبال

بعض دفعہ انسان گفتگو میں بے احتیاطی کرتا ہے اور اس کو معمولی سمجھتا ہے۔ حالانکہ بعض دفعہ ایک کلمہ بھی ہلاکت کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

﴿۵﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ يَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ لَا يَلْقَى لَهَا بَالًا رَفَعَ اللَّهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ وَلَا يَلْقَى لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ۔ رواه البخاری (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اللہ کی رضا کی کوئی بات بول دیتا ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں اور کوئی بندہ اللہ پاک کو ناراض کرنے والی کوئی بات کہہ دیتا ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کو جہنم میں ڈال دیتا ہے۔

فائدہ: پس ضروری ہے کہ جو لفظ بولا جائے خوب سوچ سمجھ کر بولا جائے کہ کہیں یہ خدائے پاک کی ناراضگی کا سبب بن کر جہنم میں ڈالے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

بلا تحقیق گفتگو کرنا

بعض دفعہ انسان کسی کے بارے میں سنی سنائی بات پر عمل درآمد کر لیتا ہے اور اس سے بدگمان ہو جاتا ہے اور دوسروں سے بھی اس کو بیان کرتا ہے اور باہم نزاع

شدید کا ذریعہ بن جاتا ہے، حالانکہ بعض دفعہ شیطان انسانی شکل میں آکر آپس میں نا اتفاقی، لڑائی جھگڑا کرانے کے لئے کسی کے بارے میں کوئی بات جھوٹ کہہ دیتا ہے اور جس کے بارے میں وہ بات کہی گئی ہے اس کو خبر بھی نہیں ہوتی، وہ اس سے بالکل بری ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

﴿۶﴾ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُونَ فَيَقُولُ الرَّجُلُ فِيهِمْ سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ۔ رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۴)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان انسانی شکل اختیار کر کے کسی قوم میں آتا ہے اور کسی کے متعلق کوئی جھوٹی بات بیان کرتا ہے پھر لوگ ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں۔ پس ان میں سے کوئی آدمی کہتا ہے کہ ایک شخص جس کو صورت سے پہچانتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا، میں نے اس کو ایسا ویسا کہتے سنا ہے۔

فائدہ: پس جس کے بارے میں کوئی بات خلاف شرع کسی سے سنی جائے، صاحب واقعہ سے اس کی تحقیق کر لے کہ فلاں بات ہم کو اس طرح معلوم ہوئی ہے بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور عملدرآمد کر لینا جائز نہیں۔ آج عامۃً اس میں بہت کوتاہی ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کسی سے کوئی بات سنی اور اس سے بدگمان ہو گئے، اور بعض دفعہ اس کو اپنا مخالف سمجھ بیٹھتے ہیں، اور اس کے سابقہ تعلقات کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اور اس شخص سے تحقیق حال کی

بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، حالانکہ اگر تحقیق کی جائے تو معاملہ صاف ہو جائے اور بات آگے نہ بڑھے۔

بہتان تراشی اور لعن طعن کرنا

جب کسی سے جھگڑا ہو جاتا ہے تو انسان بہتان تراشی، گالی گلوں سے بھی نہیں چوکتا، حالانکہ حدیث پاک میں اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ ارشادِ عالی ہے:

﴿۷﴾ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

فائدہ: برا کہنا، گالی دینا فسق ہے یعنی فاسق کا کام ہے مومن کا نہیں اور مسلمان کو قتل کرنا اگر مسلمان کے قتل کو حلال سمجھتا ہے تو کفر ہے ہی کہ حرام کو حلال قرار دے رہا ہے اور اگر حرام سمجھتے ہوئے قتل کر رہا ہے تو یہ مطلب ہے کہ یہ اس کا فعل کفر کا سبب ہے کہ کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ اگر توبہ نہ کی اور حرکت سے باز نہ آیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ پاک کی بڑی نعمت کی ناشکری کی۔ پس معلوم ہوا کہ ان چیزوں سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

کسی کو کافر کہنا

ایک شخص اگر ہماری رائے سے متفق نہیں خواہ اس کے پاس کیسے ہی دلائل کیوں نہ ہوں محض سنی سنائی بے سند باتوں کو بنیاد بنا کر کفر تک کا حکم لگانے سے نہیں چوکتے؛ نہ اس سے تحقیق کرنے کی ضرورت سمجھی جاتی ہے نہ اس کی پوری زندگی جو اشاعت دین اور احیاء سنت کے لئے وقف ہے اس کی پروا کی جاتی ہے نہ اس کے جذبہ اتباع سنت کا خیال کیا جاتا ہے نہ آتش عشق الہی و نبوی جو اس کے سینہ کو بریاں و جگر کو کباب بنائے ہوئے ہے کو دیکھا جاتا ہے اور بے دھڑک کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ وہ ذرا اس کا انجام سوچیں۔ حدیث پاک میں ہے:

﴿۸﴾ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ شریف: ۴۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک پر وہ ضرور پڑے گا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اگر جس کو کافر کہا ہے وہ واقعہً کافر ہے تو وہ کافر ہے ہی اور اگر وہ کافر نہیں تو جس نے اس کو کافر کہا ہے وہ خود کافر ہو جائے گا کہ وہ ایمان کو کفر قرار دے رہا ہے اور کفر کو ایمان نعوذ باللہ دین و اسلام کے ستونوں پر بے دھڑک کفر کی مشین گن داغنے والے غور کریں کہ اس سے ان حضرات کے قلعہ ایمانی پر آنچ آنے کے بجائے خود ان کا اپنا جھونپڑا ہی خاکستر نہ ہو جائے۔

یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہے:-

﴿۹﴾ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَ
لَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا إِرْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ
كَذَلِكَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۱)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضرت رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص بھی دوسرے شخص پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا
ہے تو وہ تہمت لگانے والے پر لوٹ آتی ہے اگر اس کا ساتھی (جس کو تہمت لگائی گئی)
واقعۃً و بیانہ ہو۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اگر واقعۃً وہ شخص جس کو فاسق یا کافر کہا ہے فاسق یا کافر
نہیں تو خود کہنے والا فاسق (اگر فاسق ہونے کی تہمت لگائی تھی) یا کافر
(اگر کافر ہونے کی تہمت لگائی تھی) ہو جاتا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

طعنہ زنی اور فحش گوئی

کسی کو فاسق یا کافر کہنا تو ہے ہی سخت خطرناک طعنہ زنی اور فحش گوئی جس کو
بہت معمولی چیز سمجھا جاتا ہے بھی ایمان کے خلاف ہے۔ ارشاد عالی ہے:-

﴿۱۰﴾ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ
وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَزِيِّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔
(مشکوٰۃ شریف: ۴۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن نہ طعنہ زنی کرنیوالا ہوتا ہے، نہ لعنت بھیجنے والا نہ بیہودہ بکنے والا نہ بے حیائی کی گفتگو کرنے والا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں شانِ ایمان کے خلاف ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ کسی سے ادنیٰ اختلاف ہو جائے تو ان چیزوں میں سے کس میں کمی کی جاتی ہے اور پھر ایمان کا کیا حال ہوگا۔

عمیب گوئی

ایک دوسرے کی تحقیر اور عمیب گوئی اختلافات کا ادنیٰ نتیجہ ہے حالانکہ کسی مومن کی تحقیر اور عمیب گوئی سے متعلق ایک کلمہ بھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو تمام میٹھے سمندر میں ملا دیا جائے تو سب کڑوے ہو جائیں، سب کا مزہ بدل جائے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:-

﴿۱۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةٍ
كَذَّاءٍ وَكَذَا تَعْنِيُ قَصِيرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتَ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا
الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ۔ رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد۔

(مشکوٰۃ شریف: ۴۱۴)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو وہ ایسی ایسی صفیہ کافی ہیں (یا صفیہ کی طرف سے اس کا ایسا ایسا ہونا کافی ہے۔) ان کا مقصد حضرت صفیہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پستہ قد ہونا بیان کرنا تھا کہ وہ پستہ قد ہیں اور آپ کی توجہ ان کی طرف ہے) یہ سن کر حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے (ارشاد فرمایا تم نے ایسی سخت) بات کہی ہے کہ اگر اس کو سمندروں میں ملا دیا جائے تو سب کو متغیر کر دے۔ (سب پر غالب آجائے یا سب کڑوے ہو جائیں۔)

فائدہ: یہ بھی غور طلب ہے کہ یہ کلمہ کہنے والی عورت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جو صدیق اکبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی ولاڈلی اور محبوبہ زوجہ مطہرہ ہیں جن کی بڑی فضیلتیں احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں مخصوص مقام رکھتی ہیں۔ دوسو کنوں میں کیا کچھ باتیں ہو جایا کرتی ہیں۔ دوسرے جو بات کہی وہ واقع کے بھی خلاف نہیں۔ واقعہ وہ پستہ قد تھیں بھی مگر چونکہ اس میں کسی درجہ تحقیر کی آمیزش تھی جس کو آقائے مدنی محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا سخت خطرناک فرمایا۔ جو لوگ معمولی اختلاف ہو جانے کی بنا پر ایک دوسرے کے عیوب کو اچھالتے ہیں چھاپتے ہیں اور ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل میں کمی نہیں کرتے ذرا ٹھنڈے دل سے اس کے انجام پر غور فرمائیں اور اس طرز عمل سے آقائے مدنی حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کو کتنی سخت ناراضگی ہوتی ہے اس کا کچھ انداز اس حدیث پاک سے ہو جائے گا۔

﴿۱۲﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ اِعْتَلَّ بَعِيرٌ لِّصَفِيَّةٍ وَعِنْدَ زَيْنَبٍ فَضُلٌ ظَهَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَزَيْنَبَ أَعْطِيَهَا بَعِيرًا فَقَالَتْ أَنَا أُعْطِيَ
تِلْكَ الْيَهُودِيَّةَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَهَجَرَ هَذَا الْحِجَّةَ وَالْمُحَرَّمَ وَبَعْضَ صَفَرٍ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔
(مشکوٰۃ شریف: ۴۲۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (سفر میں)
حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کے پاس زائد سواری تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ
تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ صفیہ کو ایک اونٹ دیدو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ
میں اس یہودیہ کو دوں گی۔ اس پر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے
اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ماہ ذی الحجہ اور ماہ صفر کے کچھ حصہ میں ان کے پاس
آنا جانا بند رکھا۔ (ان کی اصلاح کے لئے۔)

فائدہ: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو بنو قریظہ اور بنو
نظیر یہود و نصاریٰ کا سردار تھا، اپنے مذہب کا بڑا عالم اور پیشوا تھا، بنی اسرائیل
میں سے تھا اور حضرت ہارون بن عمران علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد
سے تھا۔ اسی نسب کی وجہ سے یہودیہ کہا مگر چونکہ ان کی تحقیر کے طور پر کہا اس
لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ دونوں
ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہیں۔ آپس میں سوکن ہونے کا
تعلق ہے۔ سوکنوں کی رقابت مشہور ہے مگر تب بھی اتنی ناراضگی کا اظہار
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کی اصلاح کی خاطر کہ اتنی مدت
تک ان کے پاس آنا جانا بند رکھا۔

اور مسند احمد صفحہ ۲۱۳، ۲۳۲ کی روایت میں یہ جملہ بھی ہے: ”قَالَتْ حَتَّى يَسْتُ مِنْهُ وَحَوَّلْتُ سَرِيرِي“ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، حتیٰ کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ناامید ہو گئی کہ آپ کبھی میرے پاس تشریف نہیں لائیں گے اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بھی اٹھا دیا۔

اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں خاص فضیلت اور خاص مقام رکھتی تھیں، سب سے زیادہ متوکلہ تھیں اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا نفقہ خیرات کر دیا کرتی تھیں اور اپنے ہاتھ سے چڑارنگا کرتی تھیں۔ اس سے گذر بسر فرماتی تھیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے۔ سب نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے۔ مگر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سب ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ سخی تھیں۔

(مشکوٰۃ شریف: ۱۶۵)

ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل اور عیب گوئی کرنے والے علماء و مشائخ، خدام دین و حدیث کی شان میں گستاخی کرنے والے ذرا عصبیت سے ہٹ کر حدیث پاک کی روشنی میں اپنے طرز عمل پر غور فرمائیں کہ کسی دوسرے شخص کی تحقیر و تذلیل کتنی سخت خطرناک ہے، اور اس کا وبال کتنا سخت ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں

مَحْ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

آبروریزی

آج اختلافات میں انسان ایک دوسرے کی آبروریزی کو فخر و کمال سمجھتا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۱۳﴾ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبَا إِلَّا سَطَاةٌ فِي عَرْضِ الْمُسْلِمِ بَغَيْرِ حَقٍّ۔ رواه ابو داؤد والبيهقي۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل فرماتے ہیں کہ سود کی بڑی قسموں میں سے مسلمان کی بے آبروئی کے لئے زبان درازی کرنا مسلمان کی ناحق آبروریزی کرنا ہے۔

فائدہ: ایک حدیث پاک میں ہے کہ سود کا ایک درہم چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ سود کے ستر درجے ہیں ان میں ادنیٰ درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۲۴۶)

غور فرمائیں کہ جب ادنیٰ درجہ کا یہ حال ہے تو سب سے بڑا درجہ مسلمان کی آبروریزی ہے۔ اس کا کیا حال ہوگا۔ آج جو ہر فریق ہر جماعت کا اپنے مد مقابل کے ساتھ محبوب مشغلہ ہے کہ اس کے بغیر کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا بلکہ اسی کو غذا بنا رکھی ہے۔ ”وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ۔“ [اور تم نے اس کو روزگار بنا لیا ہے کہ (اس کو) جھٹلاتے رہو۔] (آسان ترجمہ)

اللهم احفظنا منه.

عصبیت

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس جماعت سے کسی کا تعلق ہوتا ہے اس کا عیب بھی کمال اور اس کے بالمقابل جماعت کا کمال بھی عیب نظر آتا ہے اور اپنی جماعت کی نا انصافی اور غیر حق ہونا معلوم ہونے کے باوجود اس کی حمایت و نصرت کرتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ یہ نا انصافی اور غیر حق کی حمایت ہے۔ جو انتہائی خطرناک ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۱۴﴾ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَىٰ غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيرِ الَّذِي رَدَىٰ فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنْبِهِ۔ رواه

ابوداؤد۔ (مشکوٰۃ شریف: ۱۴۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عالی نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ناحق میں اپنی قوم کی حمایت کرتا ہے اس کی مثال اس اونٹ جیسی ہے جو (کسی گڈھے وغیرہ میں) گر گیا ہو اور اس کی دم پکڑ کر اس کو کھینچا جا رہا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کسی گڈھے یا کنویں میں گر گیا اور اب اس کے زندہ نکلنے کی کوئی صورت نہ رہی حتیٰ کہ اگر کوئی اس کی دم پکڑ کر کھینچے تب بھی نہیں نکل سکتا۔ اسی طرح عصبیت کی مدد کرنے والے کا حال ہے اس نے محض اپنی قوم کو دیکھا۔ حق و ناحق پر نظر نہ کی۔ بربادی کے گڈھے میں گر گیا اب اس سے نکلنے کا راستہ نہیں رہا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

﴿۱۵﴾ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصِيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ۔ رَوَاهُ ابوداؤد۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دہائی دیتا ہے، وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر قتال کرے، وہ شخص ہم میں سے نہیں جس کو عصبیت پر قائم رہتے ہوئے موت آجائے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

﴿۱۶﴾ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعِمِّي وَيُصِمُّ رَوَاهُ ابوداؤد۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی چیز کے ساتھ تمہاری محبت تم کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے لوگ اس کے عیوب سے اندھے بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل شخص کے کمالات سے اندھے بہرے ہو جاتے ہیں اور ان کے کمالات بھی عیوب معلوم ہونے لگتے ہیں اور یہ انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ قرآن پاک میں اسی کو حمیت

جاہلیت سے تعبیر کیا گیا ہے جو کفار کا طریقہ تھا۔ اسلام نے اس حمیت جاہلیت سے روکا اور اس کی پرزور مذمت کی اور ہر حالت میں عدل و انصاف کا حکم دیا کہ اپنا ہو پرایا، دوست ہو دشمن ہر ایک کی خوبی کو خوبی، اور برائی کو برائی کہا جائے اور کسی حالت میں عدل و انصاف کا دامن ہات سے نہ چھوڑا جائے، ہم ذرا اپنی حالت پر بھی غور کریں اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عدل و انصاف پسندی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام دینے کیلئے فرمانا

جنگ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی ہے، ایک صحابی صف کے برابر نہ تھے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پتلی چھڑی سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بھی، اس کے پہلو میں چوکا دیا کہ برابر ہو جاؤ، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے تو اس سے ایذا ہوئی، میں تو بدلہ لوں گا، فرمایا: میں موجود ہوں، وہ بولے: کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرتا اٹھالیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتہ اٹھالیا تو انہوں نے بڑھ کر جسدِ نورانی کو چوم لیا، عرض کیا کہ میرا مدعا اس گستاخی سے یہ تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتا ہوا اس شرف کو حاصل کرتا جاؤں، اس نیک انسان کے دل میں چھپی ہوئی نیت خواہ کچھ ہی تھی، اسلامی تعلیم کا نمونہ تو یہ ہے کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر ایک ادنیٰ امتی کو بدلہ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اور جسدِ مبارک کو آمادہ آزار و گزند بنانے پر بطیب خاطر رضا مند نظر آتے ہیں، یہی مساوات حقیقی ہے۔

اس مساوات کی حمایت و حفاظت کے لئے علمبردارانِ اسلام ہر ایک نقصان برداشت کرنے کیلئے رضا مند ہو جاتے تھے، مگر مساوات میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔

جبلہ بن ایہم سے انتقام

جبلہ بن ایہم سلطنتِ غسان کا شہزادہ تھا، عیسائیت چھوڑ کر عہدِ فاروقی میں اسلام میں داخل ہوا، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس کی عزت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ طواف کعبہ کر رہا تھا، اس کے شاہانہ چوغہ کا دامن فرش پر گھسٹتا جاتا تھا، پیچھے سے ایک اور بدوی بھی طواف کرتا آ رہا تھا، اس کا پاؤں دامن چوغہ پر پڑ گیا، جب اس نے لوٹ کر دیکھا تو اسے ایک بادیہ نشین گنوار نظر آیا، جو مستانہ حالت میں مصروف طواف ہے، اس کی ظاہری حالت دیکھ کر شہزادے کو اور بھی زیادہ غصہ آیا، لوٹ کر ایک تھپڑ اس کے رخسار پر لگا دیا، بدوی نے امیر المؤمنین کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا شہزادہ بلایا گیا، اور جواب طلب ہوا، شہزادے نے اپنے فعل کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ میں حکمران ہوں، اور یہ ایک فرومایہ شخص ہے، اگر میں نے ایک طمانچہ اس کے لگا بھی دیا تو کیا ہوا، امیر المؤمنین نے فرمایا: کہ اسلام میں سب برابر ہیں، یا تو اسے رضا مند کرو ورنہ بدلہ دینا پڑیگا، اس نے کہا کہ ایک دن کی مہلت دی جائے، یہ درخواست منظور کر لی گئی، جبلہ شبشب بھاگ گیا، اور مرتد ہو گیا، اس کے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا نقص تھا، تو یہ تھا کہ شہزادہ اور گنوار کی وقعت برابر برابر ہے، مگر امیر المؤمنین اس وصف پر مضطرب تھے کہ عدالت میں ایک ذرہ خاک اور ایک کوکب حکومت دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔

حدود میں سفارش

قریش کے ایک بڑے قبیلہ کی عورت فاطمہ بنت اسود مخزومیہ نے چوری کی جس کی سزا اسلام میں ہاتھ کاٹنا جانا ہے۔ تمام خاندان کو اس سے صدمہ ہوا کہ اس سے تمام خاندان کی بدنامی تھی۔ کسی کی ہمت بھی نہ تھی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کچھ عرض کر سکیں۔ آپس کے مشورے سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے) آمادہ کیا کہ وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں گفتگو کریں اور سفارش کریں۔ انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اَتَشْفَعُ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ“

[کیا اللہ تعالیٰ کے حدود میں سفارش کرتے ہو؟]

پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور خطبہ میں ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں شریف آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اور قسم بخدا اگر فاطمہ بنت محمد (اعاذا باللہ منہ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۴)

فضیلت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حالانکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ ہیں جن کو ”سیدۃ نساء اہل الجنة“ [اہل جنت میں عورتوں کی سردار] اور ”سیدۃ النساء المؤمنین“ [تمام مومنین

عورتوں کی سردار] ہونے کی بشارت عطا فرمائی اور آنحضرت صلی علیہ وسلم نے ان سے اپنے تعلق کا اظہار بھی اس درجہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا:

”فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي“

[فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اس کو ناراض کیا مجھ کو ناراض کیا۔]

اور ایک روایت میں ہے

”يُرِيْنِي مَا أَرَاهَا وَيُوْذِنِي مَا أَذَاهَا“ (مشکوٰۃ شریف)

[جس چیز سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت ہو اس سے مجھ کو اذیت ہوتی ہے۔]

یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اذیت میری اذیت ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ

”أَيُّ النَّاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

[لوگوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کون زیادہ محبوب تھا؟]

”قالت: فاطمة“

[ارشاد فرمایا: کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔]

”فَقِيلَ مِنَ الرِّجَالِ“

[دریافت کیا گیا مردوں میں کون زیادہ محبوب تھا؟]

”قالت زَوْجُهَا“

[فرمایا ان کا شوہر] (حضرت علی رضی اللہ عنہ) مشکوٰۃ شریف: ۵۷۰۔

مگر اس محبت اور تعلق خاطر کے باوجود ارشاد فرماتے ہیں:

”لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا“

[اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو بلاشبہ اس کا ہاتھ بھی کاٹتا۔]

چونکہ خالق و مالک تعالیٰ شانہ کے حکم کی تعمیل سب پر مقدم ہے اس کے سامنے کسی کی کوئی رو رعایت نہیں۔

ہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ ذرا سوچیں اور غور کریں ہمارا کیا حال ہے؟ کیا کرنا چاہئے تھا اور کیا ہو رہا ہے؟ اور کرنے والے کر کے بھی دکھا گئے ہیں۔ حضرات اولیاء کرام اور صلحائے امت کا اتباع سنت اور عدل و انصاف تو اپنی جگہ پر ہے ہی ایک دنیا دار ایک عظیم سلطنت کے مالک اور بادشاہ کے عدل و انصاف کا حال بھی ملاحظہ ہو۔

عدل جہانگیر منظوم

بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کی محبت مشہور ہے حتیٰ کہ مشہور ہے کہ جہانگیر کے پردہ میں نور جہاں ہی سلطنت کرتی تھی مگر اس کے باوجود جہانگیر کے عدل و انصاف پسندی کا واقعہ بھی مشہور ہے۔ کاش وہی ہمارے لئے باعث عبرت ہو جائے۔ علامہ شبلیؒ نے اس کو اس طرح نظم کیا ہے؛

قصر شاہی میں ممکن نہیں غیروں کا گذر
ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہ گیر ادھر آ نکلا

گرچہ تھی قصر میں ہر چہار طرف سے قدغن

غیرت حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا

خاک کا ڈھیر تھا ایک کشتہ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہاں کو پہنچی جو خبر

غیظ سے آگئی ابروئے عدالت پہ شکن
 حکم بھیجا کہ کنیر ان شبستان شہی!
 جا کے پوچھ آئیں سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن
 نخوت حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
 میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حسن
 ہاں مجھے واقعہ قتل سے انکار نہیں
 مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن
 اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک
 کشور حسن میں جاری ہے یہی شرع کہن
 مفتی دین سے جہانگیر نے یہ فتویٰ پوچھا
 کہ شریعت میں کسی کو نہیں کوئی جائے سخن
 مفتی دین نے بے خوف و خطر صاف کہا
 شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑادو گردن
 لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے
 پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
 ترکوں کو یہ حکم دیا کہ اندر جا کر
 پہلے بیگم کو کریں بستہ زنجیر و رسن
 پھر اسی طرح سے اسے کھینچ کے باہر لائیں
 اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن
 یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی

تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
 اس کی پیشانی نازک پہ جو پڑتی تھی نگاہ
 جا کے بن جاتی تھی اور اق حکومت پہ شکن
 اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور
 نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدہ صبر شکن
 اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھراتے ہیں
 جن کی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن
 ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
 ایک بے کس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن
 خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
 خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن
 مفتی شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
 بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ و زن
 وارثوں کو دیئے لاکھ درہم بیگم نے
 سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن
 ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
 قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن
 یہ تو ایک دنیا دار بادشاہ کا حال ہے، ہم جو دین دار کہلاتے ہیں ذرا اپنے حال
 پر بھی غور کریں کہ اپنا عزیز یا اپنی پارٹی و جماعت کا آدمی کیسا ہی قصور وار کیوں نہ ہو اس
 کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور مخالف پارٹی کا کوئی کیسا ہی صاحب

فضل و کمال، صاحب علم و عمل کیوں نہ ہو کیسی ہی اس کی دینی خدمات کیوں نہ ہوں، کیسا ہی تقویٰ و طہارت کا حامل ہو مگر چونکہ مخالف پارٹی سے اس کا تعلق ہے اس لئے اس کی تنقیص، توہین و تذلیل ضروری ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ترک تعلق

جس سے اختلاف ہوتا ہے اس سے تعلقات ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ ملاقات تک بند کر دی جاتی ہے، راستہ میں ملاقات ہو جائے تو سلام کلام کی بھی نوبت نہیں آتی۔ اور ملاقات کرتے بھی ہیں تو منہ بنا کر اور چہرہ پر سلوٹ ڈال کر۔ حالانکہ اس پر کتنی سخت وعید ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:-

﴿۱۷﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحَاءٌ فَيُقَالُ أَنْظِرُوا هَٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا۔ رواه مسلم۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور ہر اس بندہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو خدا کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو لیکن اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

﴿۱۸﴾ عَنْ أَبِي خَرَّاشٍ السَّلْمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكَ دَمِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۸)

حضرت ابو خراش سلمی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو سال بھر تک چھوڑے رکھا تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اس کا خون ہی کر دیا۔

فائدہ: آج ہم لوگوں کو برسوں گزر جاتے ہیں کہ جن سے اختلاف ہے ان سے ملنے کا نام تک نہیں لیتے۔ اگر کوئی درمیان میں مصالحت کی کوشش بھی کرتا ہے تو اس کو بھی رد کر دیتے ہیں اور ملنے میں عار محسوس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نہ ملنے میں ہماری بڑائی ہے۔ غور کریں کہ یہ بڑائی کس کام کی ہے جبکہ تین دن سے زائد مومن بھائی سے قطع تعلق کرنا حلال نہیں۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۱۹﴾ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَهْجَرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔ مفتق علیہ (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۷)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھے کہ دونوں کی آپس میں ملاقات ہو جائے تو یہ ادھر کو منہ پھیر لے یہ ادھر کو منہ پھیر لے اور دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام

میں پہل کرے۔

فائدہ: سلام کرنے سے نزاع ختم ہوتا ہے رابطہ قائم ہوتا ہے۔ الفت و محبت پیدا ہوتی ہے، اس لئے سلام کی پہل کرنے والا گویا تعلق و رابطہ قائم کرنے والا ہے۔ اس لئے اس کو دونوں میں افضل و بہتر فرمایا ہے۔

مومن کو فریب دینا

نا اتفاقی کسی سے ہو جائے کوئی رنجش ہو جائے تو اس کو فریب دینے، نقصان پہونچانے میں بھی کوتاہی نہیں کی جاتی۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے:-

﴿۲۰﴾ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ
مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرَبَهُ۔ رواه الترمذی (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو ضرر پہونچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔
فائدہ: یہ حکم تو عام مومن کو ضرر پہونچانے اور اس کو فریب دینے کا ہے اور اگر اس میں اور بھی کوئی خوبی و خصوصیت عزیز و قریب ہونے یا پڑوسی وغیرہ ہونے یا عالم دین و خادم دین وغیرہ ہونے کی ہو تو اسی درجہ اس وعید میں شدت ہو جائے گی۔

بدگمانی

عموماً بدگمانی ہی بڑے بڑے اختلافات کی بنیاد بنتی ہے۔ اگر مدارس اسلامیہ

اور دیگر اداروں و جماعتوں اور تنظیموں کے اختلافات کا جائزہ لیا جائے تو سب کی بنیاد یہی بدگمانی نکلے گی اور جب کسی سے اختلاف ہو جاتا ہے اس کے ہر عمل کے متعلق بدگمانی ہی کا فرما ہوتی ہے کہ اس کا ہر عمل کیسا ہی صحیح اور حق کیوں نہ ہو اس کا غلط محمل ہی تجویز کیا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۲۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا وَفِي رَوَايَةٍ وَلَا تَنَافَسُوا۔ رواه الشيخان (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور (دوسروں کے عیوب کی) ٹوہ میں مت لگو نہ جاسوسی کرو نہ بیچ میں بھاؤ بڑھا کر دھوکا دو، نہ ایک دوسرے سے حسد کرو نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو نہ ایک دوسرے سے پشت پھرا کر قطع تعلق کرو۔ اور بندگان خدا آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کسی چیز کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ نہ کرو۔

یہ امود دنیوی کے بارے میں ارشاد فرمایا چونکہ مقابلہ میں دوسرے کو نقصان پہونچانے، زک دینے کی نیت بھی ہوتی ہے اس لئے منع فرمایا۔ دنیا حقیر ہے اس کے چاہنے والے بہت ہیں اس لئے اس کے حاصل کرنے کے مقابلہ میں ایک فریق سے

دوسرے فریق کو تکلیف پہنچ جاتی ہے اور ملتی ہے ایک ہی کو اور کبھی کسی کو بھی نہیں ملتی۔ رہا آخرت کے طالبین کا معاملہ تو وہ اس کے برعکس ہے۔ آخرت اتنی بڑی ہے کہ کبھی بھی ختم نہ ہو اور ہر ایک کی آرزو سے زیادہ ملنے کے بعد بھی بچ جائے گی۔ لہذا اسکے حاصل کرنے میں مقابلہ ہو تو اس سے کسی فریق کو نقصان نہیں پہونچتا۔ اسی لئے فرمایا ہے:

”وَفِي ذَلِكَ فَلَيْتَنَّ فِئَسِ الْمُتَنَّا فِئَسُونَ۔ الْآيَةُ“

[اور یہی وہ چیز ہے جس پر للچانے والوں کو للچانا چاہئے۔ (آسان ترجمہ)]

فائدہ: ان چیزوں میں کون سی ایسی ہے جو آج اختلاف ہو جانے کی صورت میں موجود نہیں ہوتی اور اختلاف میں پڑ کر ان تمام محرمات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

مخالف کی تکلیف پر اظہار خوشی

اپنے مخالف کو تکلیف پہونچ جائے یا وہ کسی رنج و مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس پر خوشیاں منائی جاتی ہیں اور اس کو اپنی مخالفت کی سزا سمجھی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

﴿۲۲﴾ عَنْ وَائِلَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهَرُ الشَّمَاةُ لِأَخِيكَ فَيَرْحُمَهُ اللَّهُ وَيَتَلَيَّكَ۔ رواه الترمذی (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۴)

حضرت وائلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی تکلیف پر خوشی مت ظاہر کرو۔ ممکن ہے کہ خدائے پاک اس پر رحم فرمادے اور تجھے اس (تکلیف و مصیبت) میں مبتلا کر دے۔

فائدہ: کسی کی مصیبت پر خوش ہونے سے اندیشہ ہے کہ وہ خود اس مصیبت میں مبتلا

نہ ہو جائے۔ کسی شاعر نے کہا ہے؛
کسی کی بے کسی کو مسکرا کر دیکھنے والے
تجھے تقدیر اس منزل پہ لے آئی تو کیا ہوگا

کسی کو مصیبت زدہ دیکھے تو یہ دعا پڑھے

اسی لئے حدیث شریف میں دعائے بتائی گئی ہے کہ کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھے تو
یہ دعا پڑھے۔

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ
مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا“

[اللہ تعالیٰ ہی کیلئے حمد ہے جس نے مجھ کو اس (تکلیف) سے عافیت دی، جس
میں اس نے تجھ کو مبتلا کیا، اور اپنی مخلوق میں سے بہت سوں پر مجھ کو فضیلت بخشی ہے۔]
اس کی برکت سے انشاء اللہ اس مصیبت میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے گا۔
(جامع سنن الترمذی: ۴۹۳/۵، باب ۳۸/مطبوعہ بیروت)
تنبیہ: یہ دعا بھی آہستہ پڑھے تاکہ اس مبتلا بہ شخص کو سن کر تکلیف نہ ہو۔

باہمی تعلقات کی استواری اور فساد ذات البین

﴿۲۳﴾ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ
مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلَاةِ قَالَ قُلْنَا بَلَى قَالَ
إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ رَوَاهُ

ابوداؤد و الترمذی (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۸)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ اور نماز کے درجہ سے بہتر ہے؟ ہم نے عرض کیا ضرور۔ ارشاد فرمایا باہمی تعلقات کی درستگی! اور باہمی فساد (دین کو) مونڈ دینے والا ہے۔

حسد و بغض

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

﴿۲۴﴾ عَنْ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأَمَمِ قَبْلَكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ

تَحْلِقُ الدِّينَ رواه احمد و الترمذی (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۸)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پچھلی امتوں کی بیماری تمہاری جانب بھی آہستہ آہستہ پہنچ گئی یعنی حسد اور بغض مونڈ دینے والی خصلت ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

فائدہ: پہلے گزر گیا کہ اختلاف اور نا اتفاقی میں کتنے محرمات کا انسان ارتکاب کرتا ہے اور اپنا مخالف خواہ کیسی ہی حق بات کیوں نہ کہتا ہو اس کی تردید اور مخالفت گویا لازم ہے اور جب حق کی تردید کرے گا تو دین کہاں باقی رہ جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

صاف و شفاف تھی پانی کی طرح نیت دل کی
دیکھنے والوں نے دیکھا اسے گدلا کر کے
جب باہمی نزاع اور بغض و عناد کا یہ حال ہے کہ اس کی وجہ سے دین برباد
ہو جاتا ہے پس جو لوگ دوستوں میں نا اتفاقی پیدا کرتے ہیں اور اس کو بڑی ہنرمندی
سمجھتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ حدیث شریف میں ایسے لوگوں کو بدترین بندے فرمایا
گیا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

بدترین لوگ

﴿۲۵﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غُنَمٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ أَنَّ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللَّهِ الَّذِينَ
إِذَا رَأَوْا ذِكْرَ اللَّهِ وَشَرَارُ عِبَادِ اللَّهِ الْمَشَاوُونَ بِالنَّمِيمَةِ
الْمُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ الْبَاغُونَ الْبُرَاءَ أَلْعَنَتْ رَوَاهُ أَحْمَدُ
وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۵)

عبدالرحمن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے وہ ہیں کہ جب
ان کو دیکھا جائے اللہ یاد آجائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی لئے
پھرتے ہیں جو دوستوں کے درمیان تفریق پیدا کرتے ہیں اور جو لوگ (برائیوں
سے) بری ہیں ان کے لئے مصیبت تلاش کرتے ہیں۔

فائدہ: اس کا آج خوب مشاہدہ ہو رہا ہے کہ جو حضرات یکسوئی سے دینی اہم
خدمات میں مشغول ہیں ان کو بھی چین سے نہیں رہنے دیا جاتا۔ ان کو بھی

میدان و اکھاڑہ میں گھسیٹنے اور مصیبتوں میں پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ضبطِ غصہ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خلاف مزاج بات سامنے آنے پر انسان کو غصہ آتا ہے اور اس کو ضبط نہیں کر پاتا، زبان سے کیا کیا باتیں کہہ دیتا ہے جس سے اور زیادہ لڑائی ہو جاتی ہے اور اگر یہ غصہ ضبط کر لیتا اور پھر سنجیدگی سے اس کا جواب دیدیتا تو ناگواری ختم ہو جاتی۔ لڑائی کی نوبت نہ آتی۔ اس لئے حدیث شریف میں ضبطِ غصہ کا حکم فرمایا ہے اور اس کو بڑی بہادری قرار دیا ہے۔ گویا غصہ ضبط کر لینا علاج ہے نزاع کے ختم ہونے کا، نزاع سے بچنے کا۔

﴿۲۶﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پہلوان وہ نہیں جو پچھاڑ دے پہلوان تو وہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

فائدہ: جب کوئی ناگواریات مزاج کے خلاف پیش آئے اور غصہ آئے تو اس وقت اپنے نفس پر قابو رکھے اور غصہ کے تقاضہ پر عمل نہ کرے۔ جو بات کہے اس کے انجام کو خوب اچھی طرح سوچ لے، اس کے بعد سنجیدگی کے ساتھ جواب

دے۔ یہی بہت بڑی بہادری ہے، گو ہے بہت مشکل مگر جب انسان کوشش کرتا ہے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

مرد باید کہ ہر اسان نہ شود
مشکلے نیست کہ آسان نشود

[مرد کو چاہئے کہ ہر اسان نہ ہو، کوئی شکل ایسی نہیں جو آسان نہ ہو جائے۔]
اسی طرح جب بار بار یہ کوشش کرتا رہے گا تو انشاء اللہ غصہ کے وقت نفس پر قابو بھی حاصل ہو جائے گا۔ اسی کو حضرت خواجہ مجذوب علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو
سو مرتبہ بھی ہار کے ہمت نہ ہار تو
اس کو پچھاڑ کے بھی نہ کچھڑا ہوا سمجھ
ہر وقت اس پچیت سے رہ ہوشیار تو

خبر نہیں کب کس وقت کس طرح پینتر ابدل کر حملہ کر دے اس لئے اس سے
ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے:

﴿۲۷﴾ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ أَفْضَلَ مِنْ جُرْعَةٍ غِيْظٍ
يَكْظُمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ۔ رواه احمد (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کوئی گھونٹ نہیں پیا جو اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر ہو
جسے خدائے پاک کی خوشنودی کی خاطر پی گیا ہو۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

﴿۲۸﴾ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللَّهُ
عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَشَفَ غَضَبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
وَمَنْ اعْتَذَرَ إِلَى اللَّهِ قَبْلَ اللَّهِ عُذْرَةً - رواه البيهقي-

(مشکوٰۃ شریف: ۴۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ
پوشی فرماتے ہیں اور جو شخص اپنے غصہ کو روکے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس سے اپنے
غصہ کو دور رکھے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف عذر خواہی کرے گا اللہ پاک اس کے
عذر کو قبول فرمائیں گے۔

ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۲۹﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِنَّ رَجُلًا قَالَ
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصِيْنِي قَالَ لَا تَغْضَبُ
فَرَدَّدَ ذَلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبُ - رواه البخاری (مشکوٰۃ
شریف: ۴۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایک شخص نے وصیت کی درخواست کی۔ ارشاد فرمایا غصہ نہ کرنا، اس نے کئی مرتبہ
بھی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر بار یہی ارشاد فرماتے رہے۔
غصہ نہ کرنا؛ اس لئے کہ غصہ انتہائی خطرناک بیماری ہے، بلکہ بیماریوں کی جڑ ہے، ہر قسم

کی لڑائی جھگڑے اسی سے پیدا ہوتے ہیں، اسلئے غصہ کو ضبط کرنا انتہائی اہم ہے تاکہ ہر قسم کی لڑائی جھگڑوں سے حفاظت ہو سکے، اسی لئے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط غصہ کی اس درجہ تاکید فرمائی ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلَى صَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

غیبت کا سننا

بعض حضرات محتاط ہوتے ہیں۔ وہ غیبت کسی کی نہیں کرتے، زبان کو محفوظ رکھتے ہیں لیکن ان کے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرتا ہے، برائی کرتا ہے تو وہ اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

﴿۳۰﴾ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرِهِ فَنَصَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَإِنَّ لَهُ يَنْصُرُهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرِهِ أَدْرَكَهُ اللَّهُ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ رواه في شرح السُّنَّةِ۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ اس کی مدد پر قادر ہے اور اس کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں مدد فرمائے گا اور اگر وہ اس کی مدد پر قادر ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ

اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں اس کی پکڑ فرمائے گا۔

فائدہ: مدد کرنا یہ ہے کہ اس کو غیبت کرنے سے منع کر دے یا اس کے سامنے اس کی جس کی یہ غیبت کر رہا ہے تعریف کر دے کہ اس میں یہ خوبی ہے۔ یہ خوبی ہے اور مدد نہ کرنا یہ ہے کہ خاموش بیٹھا سنتا رہے۔

قدرت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو منع کرنے سے ناقابل تحمل تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو یا اور کوئی دینی و دنیوی ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔ پس اگر اس قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو اور زبان نہ کھول سکتا ہو تو یہ تو ہر شخص کر سکتا ہے کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔ بالفرض ایسی ہی کوئی صورت ہے کہ اٹھ کر بھی نہیں جاسکتا تو دل سے مکروہ جانے۔ اور جہاں تک ہو کانوں کو ادھر سے غافل رکھے تو انشاء اللہ اس صورت میں پکڑ نہیں ہوگی۔

سنی سنائی بات بیان کرنا

اختلافات میں بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے محض گمان سے یا صریحاً اپنی طرف سے بنا کر ایک دوسرے کی طرف باتیں منسوب کر دیتے ہیں اور دوسرے لوگ ان سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لیتے ہیں اور وہ دوسروں سے بیان کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور اس سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اس سے بڑے فتنے ہوتے ہیں، اس کا علاج یہی ہے کہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ اس کی تحقیق کی جائے۔ بلا تحقیق ان پر اعتماد کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ اول بات کہنے والے سے ثبوت مانگے اور اس کو جھوٹا قرار دینے کی کوشش کرے۔

﴿۳۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا
 أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ (مشکوٰۃ شریف: ۲۸)
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
 پاک ارشاد منقول ہے کہ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی
 بات بیان کرے۔

فائدہ: یعنی بلا تحقیق سنی سنائی بات بیان کرنا جھوٹ ہی میں شامل ہے اور اس پر
 جھوٹ ہی کا گناہ ہوتا ہے۔ اور خاص کر جبکہ اس کے جھوٹ ہونے کا بھی
 گمان ہو مگر اس سے اپنے مخالف کی تحقیر و تذلیل ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو
 جھوٹ جاننے کے باوجود آگے کو چلتا کر دیتے ہیں۔ دوسری حدیث میں اس
 کو دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا فرمایا ہے۔ آج ہم لوگ سنی سنائی باتوں کی
 وجہ سے سے بڑے بڑے مشائخ سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور تحقیق کی بھی
 ضرورت نہیں سمجھتے اور اختلافات کے مضبوط قلعوں کی بنیاد ان ہی سنی سنائی
 باتوں پر قائم کرتے ہیں۔ اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

دل میں کدورت نہ ہونا

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۳۲﴾ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ
 وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غَشٌّ لِأَحَدٍ فافْعَلْ ثُمَّ قَالَ يَا بُنَيَّ
 وَذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي

كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (مشکوٰۃ شریف: ۳)
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا۔ بیٹا اگر تم قدرت رکھتے ہو کہ صبح شام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل
میں کسی کی طرف کچھ کھوٹ (کینہ کپٹ) نہ ہو تو ایسا کر لیا کرو۔ پھر ارشاد فرمایا بیٹا یہ
میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس
نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ دل کی صفائی کہ کسی کی طرف کینہ نہ ہو کتنا اونچا عمل ہے۔ اور
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ممتاز اور محبوب طریقہ ہے۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے:

”لَا يُبْلَغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أَحِبُّ
أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمٌ الصَّدْرِ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ“

(مشکوٰۃ شریف: ۴۱۴)

میرے اصحاب میں سے کوئی کسی کی (برائی کی) کوئی بات مجھ تک نہ پہونچایا
کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے اس حالت میں ملوں کہ دل (سب کی طرف سے)
صاف ہو۔ (کسی کی طرف سے دل میں کدورت نہ ہو۔)

اور اس پر کتنا بڑا وعدہ ہے جو کیا ہی مر مٹنے کی چیز ہے۔ اور اس میں گویا حسن
خاتمہ کی بشارت بھی ہے اور دل اگر صاف ہو تو پھر نہ بدگمانی ہو، نہ نزاع اور اگر کوئی
بات سامنے آئے تو اس کا کوئی صحیح محمل بھی تجویز ہو سکتا ہے۔ پس اس کی انتہائی کوشش
کی جائے۔ دل میں اگر کسی کی طرف سے کدورت ہو جائے تو جلد اس کو ختم کرنے کی
کوشش کرے۔ صاحب واقعہ سے تحقیق کرے اور دل کی صفائی کرے، ملنے جلنے سے

صفائی ہوتی رہتی ہے اور بدگمانیاں کم پیدا ہوتی ہیں بلکہ پیدا ہی نہیں ہوتیں۔

ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا

﴿۳۳﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ إِيَّاكَ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللَّهِ طَالِباً رواه ابن ماجه والدارمي (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۵۸)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عائشہ (معمولی) گناہوں سے بھی بچنا بلاشبہ اللہ پاک کی طرف سے اس پر بھی پکڑ ہے۔

فائدہ: ہم لوگ تو کبائر سے نہیں چوکتے بلکہ کبائر کو بھی معمولی سمجھتے ہیں جو بہت خطرناک ہے۔ اور یہاں معمولی گناہوں سے بھی بچنے کا حکم ہے۔ دوسری حدیث شریف میں ہے:

﴿۳۴﴾ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُؤَبَّاتِ يَعْنِي الْمُهِلِكَاتِ۔ رواه البخاری۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۵۸)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: بیشک تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں یعنی بہت معمولی ہیں۔ ہم ان کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مہلکات میں شمار کرتے

تھے۔ یعنی ان اعمال میں سے شمار کرتے تھے جن کی وجہ سے آدمی ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

فائدہ: پس جن گناہوں کو ہم معمولی سمجھتے ہیں وہ بھی انتہائی خطرناک ہیں ان سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔ آگ کی معمولی چنگاری بھی گھر بھر بلکہ پوری بستی کو جلانے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ سانپ، بچھو چھوٹا ہو یا بڑا، خطرناک ہوتا ہے۔ اس کو معمولی جان کر برداشت نہیں کیا جاتا۔ یہی حال گناہ کا بھی ہے۔ ایک معمولی گناہ بعض دفعہ گھرانوں بلکہ شہروں ملکوں کو تباہی میں ڈال دیتا ہے۔

جھگڑے کا ترک کرنا

﴿۳۵﴾ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي أَرْضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسْطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا۔ رواه الترمذی وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جھوٹ کو ترک کر دے حالانکہ وہ باطل ہی ہوتا ہے اس کیلئے جنت کے ابتدائی حصہ میں مکان بنا دیا جاتا ہے اور جو شخص حق ہوتے ہوئے جھگڑے کو ترک کر دے اس کے لئے جنت کے درمیانی حصہ میں مکان بنا دیا جاتا ہے اور جو شخص حسنِ اخلاق اختیار کرے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ حصہ میں مکان بنا دیا جاتا ہے۔

فائدہ: آج جھگڑا ختم کرنے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں اس لئے خواہ کتنا ہی دنیوی و

اخروی نقصان ہو جائے جھگڑا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ گھر کے گھر اس ضد کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو جھگڑا ترک کر دیا کرے کہ دنیا میں بھی اس کے وبال سے بچے اور آخرت میں جنت کے اعلیٰ محل کا انعام حاصل کرے۔

مذمت کبر

ان تمام جھگڑوں، فسادات کا سرچشمہ تکبر و بڑائی ہے بلکہ تکبر ہی تمام برائیوں، اخلاقِ رذیلہ، امراضِ باطنی کی اصل اور جڑ ہے۔ اسی وجہ سے اس کو امراض کہا جاتا ہے۔ کبر کے بارے میں حدیثِ پاک میں ارشاد ہے:

﴿۳۶﴾ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرَدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرَدَلٍ مِنْ كِبَرٍ۔ رواه مسلم۔
(مشکوٰۃ شریف: ۴۳۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم میں کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اور نہ جنت میں کوئی ایسا شخص داخل ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہو۔

ایک دوسری حدیثِ پاک میں ہے:

﴿۳۷﴾ عَنْ عُمَرَ وَ بَنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ
الْمُتَكَبِّرُونَ أَمْثَالَ الذُّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صُورِ الرِّجَالِ
يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُونَ إِلَى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ
يُسَمَّى بَوْلَسَ تَعْلُوهُمْ نَارُ الدُّنْيَا يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ
النَّارِ طِينَةَ الْخَبَالِ رواه الترمذی (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۳)

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا متکبروں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کے
مثل انسانوں کی صورتوں میں جمع کیا جائے گا ہر طرف سے ذلت (ورسوائی) ان
کو ڈھانپے ہوئے ہوگی۔ جہنم میں قید خانہ جس کا نام بولس ہے کی طرف ان کو ہانک کر
لے جایا جائے گا۔ سخت ترین آگ اوپر چڑھی ہوئی ہوگی۔ دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ
یعنی پیپ وغیرہ ان کو پلایا جائے گا جس کو طینۃ الخبال بھی کہتے ہیں۔

فائدہ: غور فرمائیں کہ جس کبر کا انجام یہ ہو اس سے کیا فائدہ۔ کچھ دن دنیا میں اگر
اپنی بڑائی کا اظہار ہو ہی گیا اس سے کیا حاصل۔ جب آخرت میں یہ ذلت و
رسوائی ہوگی جب انجام کو بار بار سوچیں گے تو انشاء اللہ غرور جاتا رہے گا۔ اسی
طرح یہ سوچیں کہ جو نعمتیں جوانی، تندرستی، عقل، علم، مال و دولت، مرتبہ
میرے پاس ہیں یہ میری اپنی ذاتی تو نہیں۔ اللہ پاک کی عطا کی ہوئی ہیں۔
نہ ان کے عطاء ہونے میں میرے اپنے کسی کمال کو دخل ہے۔ پھر ان پر کیوں
غرور کیا جائے۔ پھر جو دینے پر قادر ہے وہ واپس لینے پر بھی قادر ہے۔ کہ
جب چاہے ان نعمتوں کو واپس لے لے۔ پھر غرور کا کیا موقع ہے؟

اسی طرح انسان اپنی ابتداء کو سوچے کہ ایک منی کے ناپاک قطرہ سے میری

پیدائش ہوئی ہے، اسی طرح اپنے انجام پر بھی غور کرے کہ ایک دن مر کر قبر میں جانا ہے، نہ حسن و جمال رہے گا، نہ قوت و طاقت، یہ جسم گلے گا سڑیگا، اس میں کیڑے پڑیں گے، بدن کا ایک ایک عضو بدن سے جدا ہو کر مٹی بنے گا، ہڈیاں تک مٹی بن جائیں گی۔ اسی طرح اپنے حال کو بھی سوچے کہ اب بھی میرے بدن میں کتنا پائخانہ بھرا ہوا ہے؟ کتنا پیشاب، کتنا خون بھرا ہوا ہے؟ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے حسین چمڑے سے چھپا دیا ہے۔ اس کے علاوہ میرے اندر کتنے اخلاقِ رذیلہ بھرے ہوئے ہیں اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو کوئی انسان بات کرنا بھی گوارا نہ کرے، پھر ایسی حالت میں انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو حقیر خیال کرے یہ کونسی عقلمندی ہے؟ جب یہ چیز بار بار سوچیں گے تو انشاء اللہ غرور جاتا رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ

تواضع اور کبر

اس حدیث پاک کے مضمون کو بھی دل میں جمائیں۔ اور بار بار سوچیں۔

﴿۳۸﴾ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ هُوَ عَلَى الْمُنْبَرِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ حَتَّى لَوْ أَهْوَى عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ أَوْ حَنْزِيرٍ۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برسر منبر ارشاد فرمایا۔ لوگو تواضع اختیار کرو

بالیقین میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی نظروں میں بڑا (سب اس کی تعظیم کرتے ہیں) اور جو بڑائی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

فائدہ: پس معلوم ہو گیا کہ اپنے آپ کو بڑا جاننا کتنا خطرناک ہے، اور اس کا نتیجہ کتنا برا ہے۔ اور عاجزی و تواضع کتنی عمدہ خصلت ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی نظروں میں عزیز و محترم بنا دیتے ہیں، لہذا اگر کسی شخص کو بڑا بننے ہی کا شوق ہے تو اس کو چاہئے کہ تواضع اختیار کرے، مگر حقیقی تواضع جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی قدر و منزلت، عزت و عظمت لوگوں کے دلوں میں ڈالیں گے۔

انجام ظلم

ظلم سے دنیا میں تو بربادی آتی ہی ہے آخرت میں اس کا انجام اور زیادہ خطرناک ہے کہ ظلم کرنے والے کی نیکیاں ان لوگوں کو دیدی جائیں گی جن پر اس نے ظلم کیا تھا۔ اور جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۳۹﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ
لِأَخِيهِ مِنْ عَرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا
يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ
بِقَدَرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتٍ
صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت رسول
اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو اس کی
آبروریزی وغیرہ یا اور کچھ تو وہ اس کو اس سے آج حلال کرا لے۔ حق ادا کر دے یا
معاف کرا لے۔ اس سے قبل کہ (وہاں) نہ دینار ہوگا نہ درہم، اگر اس کا کوئی نیک عمل
ہوگا تو وہ اس کے ظلم کے بقدر اس سے لے لیا جائے گا (اور جس پر ظلم کیا تھا اس کو دیدیا
جائے گا) اور اگر نیک اعمال نہیں ہوں گے تو مظلوم کی برائیاں لے کر ظالم پر ڈال دی
جائیں گی۔

مفلس کون ہے؟

ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿٤٠﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَذَرُونَ مَا الْمُفْلِسُ
قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ
الْمُفْلِسَ مَنْ أُمْتِيَ مِنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلْوَةٍ وَصِيَامٍ
وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا

وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَىٰ مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب دیا۔ مفلس ہم میں وہ کہلاتا ہے جس کے پاس نہ پیسہ ہو، نہ سامان۔ ارشاد فرمایا: مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت میں (خوب) نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر آئے گا، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اس کو گالی دی ہوگی، اس کو تہمت لگائی ہوگی اور اس کے مال کو کھایا ہوگا اور اس کا ناحق خون بہایا ہوگا اور اس کو مارا ہوگا۔ اس کی نیکیاں مظلوموں کو بانٹ دی جائیں گی۔ کچھ اس کو دیدی جائیں گی کچھ اُس کو دیدی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیاں ان حقوق کی ادائیگی سے قبل جو اس کے ذمہ ہیں ختم ہو جائیں گی تو ان (صاحب حقوق لوگوں کی) خطائیں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

فائدہ: کتنی حسرت و افسوس کا مقام ہوگا کہ زندگی بھر کی ساری کمائی ساری عبادتیں دوسروں کو دیدی جائیں گی اور دوسروں کے گناہوں کا وبال اس کے سر ڈال کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

ظالم کی مدد

بعض لوگ خود تو ظلم نہیں کرتے مگر ظالموں کی مدد کرتے ہیں جس سے ظلم کو

تقویت ملتی ہے حالانکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظالم ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿۴۱﴾ عَنْ أَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيهَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ۔ رواه البيهقي۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۵)

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے جو شخص ظالم کے ساتھ اس کی مدد کے لئے چلتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے یقیناً وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

فائدہ: جس طرح ظلم حرام ہے اسی طرح ظلم کی مدد بھی حرام ہے اور عموماً انسان ظلم کو تو سمجھتا ہے کہ ناجائز ہے حرام ہے مگر ظلم کی مدد کرنا ناجائز نہیں سمجھتا اور حرام کو حرام نہ جاننے بلکہ حلال اعتقاد کرنے سے اسلام جاتا رہتا ہے اور چونکہ حرام نہیں جانتا اس لئے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

مظلوم کی بددعا

﴿۴۲﴾ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّمَا يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهُ رواه البيهقي۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۳۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک

ارشاد نقل فرمایا۔ مظلوم کی بددعا سے بچ۔ پس بیشک وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کا سوال کرتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی حق والے کا حق نہیں روک سکتا۔

فائدہ: یعنی اللہ پاک نے اپنی رحمت سے مظلوم کی مدد کرنا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے۔ مظلوم جب دعایا بددعا کرتا ہے تو گویا اپنے حق کا سوال کر رہا ہے اور اللہ پاک صاحب حق کا حق نہیں روکتے۔ اس کی دعا ضرور قبول کی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مظلوم کی بددعا اور عرش الہی کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے ضرور بچنا چاہئے۔ اور اس سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کیا جائے اور اگر اتفاق سے ہو جائے تو فوراً معافی تلافی کر لی جائے۔ اس طرح کہ اس کا حق ادا کر دیا جائے تاکہ اس کا دل صاف ہو جائے۔ محض رسمی معافی (کہ صرف زبانی ہوتی ہے اور انداز بھی معافی کا نہیں ہوتا نہ دل میں احساس نہ معاملہ میں تبدیلی) کافی نہیں اور اس کا کچھ اعتبار نہیں، کوشش یہ کی جائے کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

بترس از آہِ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

[مظلوم کی آہ سے ڈرو، اس لئے کہ اس کے دعا کرنے کے وقت حق تعالیٰ

شانہ کے دربار سے مقبولیت اس کا استقبال کرتی ہے۔]

معافی

اگر ظالم کو ظلم کرنے کے بعد ندامت ہوگئی اور وہ ظلم سے باز آگیا اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ ظلم نہیں کرے گا اور معافی طلب کرتا ہے تو مظلوم کو چاہئے کہ معاف

کردے کہ معاف کرنے سے اس کا مرتبہ اللہ پاک کے نزدیک بہت بلند ہو جائے گا۔
اور معاف نہ کرنے سے گنہگار ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے:

﴿۴۳﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ إِذَا قَدْ رَغَفَرَ- (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا اے رب تیرے نزدیک تیرے بندوں میں زیادہ باعزت کون شخص ہے؟ فرمایا: جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔

معاف نہ کرنے کا وبال

﴿۴۴﴾ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اعْتَذَرَ إِلَى أَخِيهِ فَلَمْ يُعَذِّرْهُ أَوْ لَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ خَطِيئَةِ صَاحِبِ مَكْسٍ- رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ الْمَكِّيُّ الْعَشَارِ- (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۹)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے بھائی سے عذر خواہی کرے اور وہ اس کا عذر قبول نہ کرے (اس کو معاف نہ کرے) اس پر ناحق ٹیکس وصول کرنے والے کے مثل گناہ ہوگا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اگر کسی سے تکلیف پہنچی اور وہ معذرت کرتا ہے اور معافی چاہتا ہے تو اس کو معاف کر دینا چاہئے، اور اگر کوئی شخص معافی چاہنے کے باوجود معاف نہ کرے تو وہ سخت گنہگار ہوگا۔ پس وہ لوگ جو اونچی ناک والے بننے ہیں اور کسی کے معافی چاہنے کے باوجود معاف کرنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں وہ حدیث پاک میں غور کریں۔

اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیسے سخت ظالموں اور شدید مجرموں کو معاف فرمادیا جو سب قتل کئے جانے کے مستحق تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انتقام پر پوری قدرت بھی تھی بلکہ کبھی اپنی ذات کیلئے دونوں جہاں کے بادشاہ آقائے مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتقام لیا ہی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

﴿٤٥﴾ وَمَا اَنْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لِنَفْسِہٖ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ یُّنْتَهَکَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فِیَنْتَقِمُ لِلّٰہِ بِہَا۔

متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف: ۵۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے کچھ بھی انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی کسی حرمت کو توڑا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا انتقام لیتے۔ یہی طریقہ اکابر اولیاء امت کا ہمیشہ رہا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلَى صَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْوِ لِلرَّسَمِ

امام مالک کا واقعہ

حضرت امام مالکؒ کے ساتھ بعض حاسدوں نے سخت مار پیٹ کی۔ خلیفہ وقت کو معلوم ہوا اس کو سخت صدمہ ہوا اور ان ظالموں پر سخت ناراض ہوا اور وہ ان ظالموں کو سزا دینا چاہتا تھا۔ مگر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سزا دینے سے روک دیا اور سواری پر سوار ہو کر شہر میں اعلان کیا کہ میں نے ان سب کو معاف کیا، اس لئے کسی کو سزا دینے کا کوئی حق نہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ

امام احمد بن حنبلؒ کے صبر و تحمل اور عزیمت کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک خاص مسئلہ میں حضرت امام صاحب کی رائے خلیفہ وقت اور اس کے ہم مزاج علماء کی رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے جس پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ شدت سے قائم تھے، اور خلیفہ وقت چاہتا تھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے سے رجوع فرمائیں، اس سلسلہ میں خلیفہ نے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر سخت مظالم ڈھائے، مگر حضرت احمد بن حنبلؒ اپنی رائے پر قائم رہے، خلیفہ برس دربار حضرت امام صاحب کے کوڑے لگواتا۔ مگر امام صاحب ہر روز معاف فرما دیتے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ایسے ظالم کو کیوں معاف کر دیا۔ فرمایا میری وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کو قیامت میں عذاب ہو اس میں میرا کیا فائدہ ہے۔ اس لئے معاف کر دیتا ہوں۔

ابراہیم بن ادہم کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے بلخ کی سلطنت چھوڑ کر
 فقیری اختیار کی تھی، ایک دفعہ کسی ویرانے میں جا رہے تھے، راستہ میں کوئی سپاہی ملا،
 اس نے حضرت سے دریافت کیا کہ بستی کدھر ہے، حضرت نے قبرستان کی طرف
 اشارہ کیا کہ ادھر ہے، وہ ادھر گیا، اس کو قبرستان نظر آیا، اس نے سمجھا کہ اس فقیر نے
 میرے ساتھ مذاق کیا ہے، حالانکہ حضرت کا منشاء یہ تھا کہ اسل بستی تو یہی ہے کہ وہاں
 جا کر کوئی واپس نہیں آتا، اور لوگ عامۃً جس کو بستی کہتے ہیں حقیقت میں وہ بستی نہیں
 اس لئے کہ وہاں سے ہر روز چل چلاؤ لگا رہتا ہے، آج وہ چل دیا، کل وہ چل بسا، ہر روز
 یہ سلسلہ لگا رہتا ہے، جہاں سے روز جا رہے ہوں وہ کیا بستی ہے؟ بستی تو اصل قبرستان
 ہی ہے کہ وہاں جانے کے بعد کوئی واپس ہی نہیں آتا، مگر اس کو وہ بیچارہ کیا سمجھتا؟ اس
 لئے سپاہی نے اپنے ساتھ مذاق سمجھتے ہوئے حضرت کو جوتے سے مارا، حضرت
 خاموش رہے، کچھ نہیں فرمایا: جب بستی کے قریب پہنچے، لوگوں نے دیکھا تو مصافحہ کے
 لئے دوڑے، سپاہی نے سمجھا کہ یہ تو کوئی بڑے آدمی ہیں، اور یہ سب ان کے انتہائی
 عقیدت مند ہیں، انہوں نے اگر ان بستی والوں سے بتا دیا تو یہ لوگ مجھ سے سخت بدلہ
 لیں گے، اس لئے شرمندہ ہو کر معافی مانگنے لگا، حضرت نے فرمایا: معافی کی ضرورت
 نہیں، دوسرا جوتہ مارنے سے پہلے میں پہلا جوتہ معاف کر دیتا تھا کہ میری وجہ سے
 قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی جہنم میں جائے، اس میں میرا کیا
 فائدہ ہے، اس لئے تم مطمئن رہو، وہ سپاہی انتہائی متاثر اور شرمندہ ہوا۔

عالمگیرؒ کا دشمن کے ساتھ حسن سلوک

ہندوستان جیسے عظیم ملک کے عظیم بادشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی جنگ اس کے دشمن شیواجی سے ہو رہی ہے اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کی فوج نے شیواجی کے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا ہے، محاصرہ کو طویل عرصہ گزر گیا، اور اسی دوران شیواجی کا راشن جو اس کے قلعہ میں تھا، ختم ہونے کے قریب ہو گیا، محاصرہ کی وجہ سے باہر سے کوئی سامان آ نہیں سکتا، ایسی حالت میں اس کی شکست یقینی ہو گئی، وہ سخت پریشان ہوا، اور گھبرا کر اس نے اپنی والدہ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں، والدہ نے کہا: بیٹا! عالمگیرؒ سے مشورہ کر، شیواجی نے کہا: اماں! عالمگیرؒ ہی تو جان کا دشمن ہے، اسی سے تو لڑ آئی ہو رہی ہے، اس کی فوج نے ہی تو قلعہ کا محاصرہ کر رکھا ہے، والدہ نے کہا: بیٹا! عالمگیرؒ دشمن ضرور ہے، مگر ساتھ ساتھ وہ پکا مسلمان ہے، اپنے مذہب کا پابند ہے، اور مسلمانوں کے مذہب میں ہے کہ کوئی مشورہ کرے تو اس کو مشورہ صحیح دیا جائے۔ ”الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ“ (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۰) [جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔] اس کو مشورہ صحیح دینا چاہئے، اس لئے عالمگیرؒ مشورہ صحیح دیگا۔ شیواجی نے عالمگیرؒ سے صورت حال بیان کر کے مشورہ طلب کیا، عالمگیرؒ نے کہا: کہ تم مجھ سے صلح کر لو، شیواجی نے حیرت سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں آپ صلح کر لیں گے، عالمگیرؒ نے کہا: کہ ہاں! شیواجی نے کہا: کتنی مدت کے لئے صلح کر سکتے ہیں؟ عالمگیرؒ نے کہا: دس برس تک کے لئے، تم دس برس تک تیاری کرو پھر اس کے بعد جنگ کرنا، اور یہ کہہ کر فوراً فوج کو واپسی کا حکم کر دیا، فوج واپس ہو گئی، اراکین سلطنت اور وزراء کو سخت حیرت ہوئی کہ ایسے وقت جب کہ دشمن عاجز آ گیا اور فتح بالکل قریب

ہے، ایسی حالت میں صلح کر لینے کا کیا مطلب؟ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا، عالمگیرؒ نے جواب دیا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”الصُّلْحُ خَيْرٌ“ [صلح بہتر ہے] اس لئے میں نے صلح کو اختیار کیا۔ عرض کیا گیا کہ اگر صلح کرنا ہی تھی تو اتنی لمبی مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی، تھوڑی مدت مقرر کر دی جاتی، عالمگیرؒ نے جواب دیا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس برس کی مدت ہی پر صلح فرمائی تھی، یقیناً اتباع سنت ہی میں خیر و برکت ہے، اس لئے میں نے بھی دس برس کی مدت ہی پر صلح کرنا بہتر خیال کیا۔

کبھی ہمارے سلاطین بھی اس شان کے ہوا کرتے تھے، اور آج پڑھے لکھے حضرات کا جو حال ہے وہ سامنے ہے۔

بعض دنیا داروں کا واقعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔ خیر القرون اور اسلاف کا ذکر نہیں۔ میں نے قریب ہی زمانہ کے اپنے خاندانی بزرگوں کے قصے کثرت سے سنے ہیں کہ آپس میں جائدادی قصوں میں مقدمہ بازی ہے مگر کیرانہ تحصیل میں جو کاندھلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے اکثر دونوں فریق ایک ہی بہل میں چلے جاتے تھے۔ جس فریق نے اپنی بہل جڑ والی دوسرا بھی اسی میں چلا گیا۔ انہیں واقعات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات سنی ہے کہ دو عزیزوں میں طویل مقدمہ بازی تھی، ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ اسی دوران میں مدعی علیہ کا انتقال ہو گیا۔ مدعی نے مرحوم کی اہلیہ کے پاس کہلا بھیجا کہ میری لڑائی بھائی سے تھی۔ تم جیسے ان کی چھوٹی تھیں میری بھی چھوٹی ہو۔ تم سے کوئی جھگڑا نہیں۔ کاغذات ارسال ہیں۔

جو تم طے کر دو گی اور تجویز کر لو گی وہی مجھے منظور ہے۔ اسی صدی کا قصہ ہے اور دنیا داروں کا واقعہ ہے۔ کیا آج کل دین دار کہلانے والے بھی ایسا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم لوگوں کی مساعی بجائے تخریب کے تعمیر میں خرچ ہوتیں۔ (الاعتدال: ۳۰)

شاہجہاں کی بلند حوصلگی

شاہجہاں نے قندھار فتح کیا۔ کچھ عرصہ بعد شاہ عباس صفوی والی ایران نے موقع پا کر اس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۰۵۱ھ میں شاہ عباس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا نوجوان شہزادہ عباس ثانی تخت نشین ہوا۔ موقع تھا کہ اس قدرتی انقلاب سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ چنانچہ داراشکوہ نے اس کی درخواست کی۔ مگر شاہجہاں کی اس بلند ہمتی کی نظیر مشکل سے ملے گی کہ اس نے جواب دیا:

”ایک لڑکے کی سلطنت پر جس کے باپ کی حال ہی میں وفات ہوئی ہو اور جس کی حکومت نے ابھی استحکام نہ حاصل کیا ہو، حملہ کرنا سلاطین نیک سیرت کے رویہ کے مخالف ہے۔“ (حاشیہ: تاریخ ہندوستان: ۳۰۲/۷، علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴۳۴، جلد اول)

شاہان مغلیہ کی عالی حوصلگی

شاہان خاندان مغلیہ کے یہاں سخت سے سخت دشمن گرفتار کر کے لایا گیا جس پر قابو پانے کے لئے کروڑوں روپیہ اور بے شمار جانیں ضائع کی جا چکی تھیں لیکن جب وہ مغلوب ہو کر سامنے آیا تو فاتح کا مستانہ نعرہ یہ ہوتا تھا:



درغفو لذت نیست کہ در انتقام نیست

[معاف کرنے میں وہ لذت ہے جو انتقام لینے میں نہیں۔]

اگر دشمن دوبارہ بغاوت کرتا اور پھر مغلوب ہو کر ندامت کا اظہار کرتا تو نشاط فتح میں نہایت تمکنت سے کہہ دیا جاتا:

ایں درگہ مادرگہ ناامیدی نیست

[ہماری یہ درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے۔]

جیسا کہ جب شیواجی نے دوسری مرتبہ عالمگیر کے سامنے ندامت کا اظہار کیا تو عالمگیر نے یہی جواب دیا تھا۔ یہ بادشاہ کہا کرتے تھے کہ ہم زمین میں خدا کا سایہ ہیں مگر اس کے معنی ان کے عقائد کے بموجب صرف یہ تھے کہ جس طرح خداوند عالم ارحم الراحمین ہے ہمیں دنیا میں اس کی مخلوق کیلئے پیکر رحم بن کر رہنا چاہئے۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴۳۸)

اسی لئے حضرت اولیاء کرام اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی غفو و درگزر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر رحم و کرم کا معاملہ فرماتے تھے، جس سے متاثر ہو کر لوگ اسلام قبول کرتے اور دشمن دوست بن جایا کرتے تھے۔

نمونہ کے طور پر چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

چور کو خالی ہاتھ نہ جانے دیا

ایک دفعہ حضرت شیخ احمد خضرویہؒ کے گھر میں رات کو ایک چور گھس آیا، ادھر ادھر بھتیرا ٹٹولتا پھرا؛ لیکن ایک بور یہ نشین درویش کے گھر میں کیا رکھا تھا، مایوس ہو کر واپس جانے لگا، شیخ اس وقت جاگ رہے تھے، اور ایک کونے میں مصروف عبادت تھے،

انہوں نے چور کو اس طرح خالی ہاتھ اور مایوس جاتے دیکھا تو دل میں اس سے ہمدردی پیدا ہوئی، اس کو پکار کر کہا: اے بھائی! فقیر کے گھر سے اس طرح تہی دست نہ جا، میرا کہنا مان یہ ڈول لے کر اس کنویں سے پانی نکال اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جا، شاید اللہ تعالیٰ تیرے لئے کوئی صورت پیدا کر دے، چور نے آپ کے ارشاد پر عمل کیا، اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گیا، صبح ہوئی تو ایک شخص شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دو سواشر فیاں نذر کیں، آپ نے وہ اشر فیاں چور کے ہاتھ پر رکھ دیں، اور فرمایا: یہ تیری ایک رات کی نماز کا صلہ ہے، چور یہ دیکھ کر سکتے میں آ گیا اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، کہنے لگا: افسوس میں نے گزشتہ عمر برے کاموں میں صرف کردی، اور کہا: اگر میری گزشتہ زندگی بھی اس کی یاد میں بسر ہوتی تو مجھے کیا کچھ نہ ملتا۔ یہ کہہ کر اس نے سچے دل سے توبہ کی اور شیخ احمد خضرویہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا۔

حضرت معروف کرخیؒ اور ایک سائل

ایک دن حضرت معروف کرخیؒ کے پاس ایک سائل آیا، آپ کے پاس اس وقت کوئی چیز دینے کو موجود نہ تھی، آپ نے اپنی جوتیاں اٹھا کر دے دیں، سائل نے ان جوتیوں کو بازار میں فروخت کر کے کوئی پھل خرید لیا، اگلے روز جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا: الحمد للہ! شاید اس شخص کا دل پھل کھانے کو چاہتا ہوگا، چلو ہم نے اس کی قیمت ادا کر دی۔

حضرت معروف کرخیؒ اور ان کا دریدہ دہن مہمان

ایک مرتبہ ایک بوڑھا آدمی حضرت معروف کرخیؒ کے یہاں مہمان تھا، طرح

طرح کی بیماریوں نے اس کو سخت چڑچڑا اور بد مزاج بنا دیا تھا، رات بھر کراہتا رہتا، اور وہی تباہی بکتر رہتا تھا، اہل محلہ اس کی آہ وزاری اور بیہودہ گوئی سے تنگ آ گئے تھے، لیکن حضرت معروف کرخیؒ دن رات اس کی خدمت گزاری اور دل جوئی میں مصروف رہتے تھے، جس دن سے یہ بوڑھا حضرت کے یہاں آیا تھا، آپ نے کسی رات کو پل بھر کے لئے بھی آنکھ نہ جھپکائی تھی، بتقاضائے بشری ایک رات ان کو تھوڑی دیر کے لئے اونگھ آ گئی، بوڑھے نے آپ کو آواز دی اور آپ نہ بولے، تو اس نے آسمان سر پہ اٹھا لیا اور آپ کو بے شمار گالیاں دے ڈالیں، آپ نہایت صبر و تحمل سے اس کی مغالطات سنتے رہے؛ لیکن آپ کی اہلیہ برداشت نہ کر سکیں اور کہا: اس کمینے اور احسان فراموش بوڑھے کو آپ یہاں سے دفع کیوں نہیں کرتے، بروں کے ساتھ نیکی کرنا کون سا اچھا کام ہے؟ حضرت معروف کرخیؒ ہنس پڑے، اور فرمایا: کہ یہ بوڑھا اگر کبرسنی اور بیماری کی وجہ سے بے چین ہے، تو ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے تندرستی اور خوشحالی عطا کر رکھی ہے، اس کے شکرانہ میں ہمیں چاہئے کہ ضعیفوں کا بوجھ خوشدلی سے اٹھائیں، اور ان کی تلخ و ترش باتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔

ابن سابط کی توبہ

ابن سابط بغداد کا نامی گرامی چور تھا، کوئی شریف آدمی اس کا نام سن کر انتہائی نفرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہتا تھا، وہ اپنے پیشہ میں ایسا ماہر تھا کہ بیسیوں چوریاں کرنے کے باوجود قانون کی گرفت میں نہیں آیا تھا؛ لیکن آخر تائب کے، آخر ایک دن حکام نے اسے گرفتار کر ہی لیا، قانون وقت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا گیا، اور پھر اس کو ناقابل اصلاح مجرم قرار دے کر مدت العمر کے لئے قید خانے میں بھیج دیا

گیا، اہل بغداد اب اس کا ذکر ”ہتھ کٹے شیطان“ یا ایک ہاتھ کے شیطان کے نام سے کرتے تھے، دس برس کی طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے ایک دن ابن سابط کسی طرح بھاگ نکلا اور قید خانے سے باہر آتے ہی اپنے قدیم پیشہ کو از سر نو شروع کرنے کا ارادہ کر لیا، ایک ہاتھ کے نقصان اور قید و بند کی طویل پر صعوبت زندگی نے اس کے مزاج اور کردار پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالا تھا، آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہی چوری کی خواہش نے اسے بے تاب کر دیا، اور رات کا اندھیرا پھیلنے ہی وہ اپنی مہم پر چل کھڑا ہوا، ادھر ادھر پھرتے تین پہر رات گزر گئی؛ لیکن اسے کسی مکان میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکا، آخر اسے ایک وسیع حویلی نظر آئی، جس کے چاروں طرف دور دور تک سناٹا تھا، اس حویلی کے وسط میں ایک بہت بڑا پھانک تھا، ابن سابط پھانک کے پاس پہنچ کر رک گیا، اور سوچنے لگا کہ اندر جانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ اسی سوچ بچار میں اس کا ہاتھ پھانک پر جا پڑا، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا، اس نے آہستگی سے دروازہ پیچھے کی طرف ڈھکیلا، اور اندر داخل ہو گیا، یہ ایک وسیع احاطہ تھا، جس کے اندر چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے، اور وسط میں ایک بڑا کمرہ تھا، ابن سابط اس بڑے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا، اسے یقین تھا کہ یہ کسی بڑے امیر یا سوداگر کا مکان ہے، جونہی اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا وہ بھی پھانک کی طرح فوراً کھل گیا، کمرے میں داخل ہو کر اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اس کو قیمتی ساز و سامان سے بالکل خالی پایا، ایک طرف کھجور کے پتوں کی ایک پرانی چٹائی بچھی تھی، اس کے قریب چمڑے کا ایک تکیہ اور بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں۔ ایک گوشے میں پشینہ کے موٹے کپڑے کے چند تھان بکھرے پڑے تھے، ابن سابط ایسے معمولی سامان کو دیکھ کر جھلا اٹھا اور مکان کے مالک کو بے تحاشہ

گالیاں دینے لگا کہ اس احمق نے اتنے بڑے مکان میں کیسا گھٹیا کپڑا اور سامان رکھا ہوا ہے، بہر حال مکان سے خالی ہاتھ جانا اسے منظور نہ تھا، اس نے پشیمینہ کے تھانوں کی ایک گٹھری بنائی اور اس کو باندھنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن ہزار جتن کے باوجود ایک ہاتھ سے صوف کے موٹے کپڑے کو گرہ نہ لگا سکا اور ہانپتا ہوا بیٹھ گیا، عین اس وقت دروازہ کھلا اور ایک شخص ہاتھ میں چراغ لئے کمرے میں داخل ہوا، خوف اور دہشت سے ابن سابط کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، اس نے داخل ہونے والے آدمی کو دیکھا، اس کا قد دراز، کمر خمیدہ اور جسم انتہائی نحیف تھا، جس پر ایک لمبی قبا تھی، اور سر پر بھیڑ کی کھال کی کشادہ سیاہ ٹوپی تھی، اس قدر نحیف و نزار ہونے کے باوجود اس شخص کے چہرے پر عجیب طرح کا اطمینان اور نور تھا، اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس سے کوئی دوسرا شخص اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، اس نے کمرے میں داخل ہو کر چراغ ایک طرف رکھ دیا اور انتہائی شیریں آواز میں ابن سابط سے مخاطب ہو کر کہا:

میرے بھائی خدام پر رحمت کرے، یہ کام روشنی اور کسی ساتھی کی مدد کے بغیر انجام نہیں پاسکتا، دیکھو یہ چراغ روشن ہے، اور تمہاری مدد کے لئے میں حاضر ہوں، اب ہم دونوں یہ کام اطمینان کے ساتھ کر لیں گے۔

ابن سابط حیرت سے اجنبی کے منہ کی طرف تک رہا تھا، اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے، اتنے میں اجنبی نے تھانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اور پھر ان کی الگ الگ دو گٹھریاں باندھ لیں، پھر اچانک اسے خیال آیا اور اس نے ابن سابط سے مخاطب ہو کر کہا: میرے بھائی معاف کرنا مجھے خیال ہی نہیں کہ ایسا تھکا دینے والا کام کر کے تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی، میں ابھی تمہارے لئے گرم دودھ لاتا ہوں، اسے پی کر تم تازہ دم ہو جاؤ گے، یہ کہہ کر اجنبی کمرے سے باہر نکل گیا،

اور ابن سابط عالم تخر میں کھو گیا، یکا یک اسے کوئی خیال آیا اور اس نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا: میں بھی کیسا احمق ہوں، اتنا بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ کوئی میرا ہی ہم پیشہ ہے، اتفاق سے آج ہم دونوں اس مکان میں جمع ہو گئے ہیں، یہ گھر کا بھیدی معلوم ہوتا ہے، اسے معلوم تھا کہ آج یہ مکان رہنے والوں سے خالی ہے، اس لئے وہ روشنی کا سامان لے کر آیا، جب اس نے دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں، تو اس سامان سے آدھے کا حقدار بننے کے لئے میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا، وہ یہی سوچ رہا تھا، اجنبی ہاتھ میں دودھ کا پیالہ لئے پھر کمرے میں داخل ہوا، اور یہ کہہ کر پیالا ابن سابط کے ہاتھ میں پکڑا دیا کہ اسے پی لو، یہ تمہاری بھوک اور تھکان کو دور کر دے گا۔

ابن سابط کو فی الواقع سخت بھوک لگ رہی تھی، اس نے آنا فانا دودھ کا پیالہ خالی کر دیا، اور پھر کڑک کر اجنبی سے کہا:

دیکھو! میں تم سے پہلے پہنچ گیا تھا، اس لئے ہمارے پیشہ کے اصول کے مطابق تمہارا اس مال پر مطلق کوئی حق نہیں ہے، تاہم تم نے مال سمیٹنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے، اس کے پیش نظر تھوڑا بہت مال دیدوں گا، چلو اب گٹھریاں اٹھائیں اور چلیں۔

ابن سابط کے جواب میں اجنبی مسکرایا، اور پھر شفقت آمیز لہجہ میں کہا: میرے بھائی تم میرے حصہ کا خیال کر کے، اپنا دل میلا کرتے ہو، میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا، تمہارا ایک ہاتھ ہے، یہ چھوٹی گٹھری تم اٹھا لو، اور بڑی گٹھری میں اٹھالیتا ہوں، جہاں تم کہو میں وہاں پہنچا دوں گا، ابن سابط نے کہا: بس ٹھیک ہے، تمہیں مجھ سے بہتر سردار سارے ملک میں نہیں مل سکتا، میں یہ چھوٹی گٹھری اٹھالیتا ہوں اور تم بڑی گٹھری اٹھا کر میرے آگے آگے چلو، نجیف الجبشہ اجنبی نے پورا زور لگا کر بڑی

کٹھری کمر پر لادی، اس کی خمیدہ کمر اس کے بوجھ سے اور بھی خمیدہ ہو گئی، اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ابن سابط کے آگے آگے چل پڑا؛ لیکن ابن سابط کو بہت عجلت تھی، کیونکہ رات تیزی سے ختم ہو رہی تھی، وہ بار بار اجنبی کو ٹھوکر دیتا کہ تیز چلو، اجنبی کئی بار ٹھوکر کھا کر گرا؛ لیکن پھر اٹھ کھڑا ہوا، اور ہانپتا کانپتا پھر تیز قدم اٹھانے لگا، ایک جگہ چڑھائی تھی، اجنبی کو بھاری بوجھ کی وجہ سے سخت مشکل پیش آئی، وہ ایک جگہ بے اختیار گر پڑا ابن سابط نے اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی، اور پھر اس کی کمر پر زور سے ایک لات رسید کی، اجنبی جوں توں کر کے اٹھ کھڑا ہوا، اور ابن سابط سے معذرت کرنے لگا، ابن سابط نے کٹھری پھر اس کی کمر پر رکھ دی، اور دونوں چلتے چلتے شہر سے دور ایک پرانے کھنڈر میں پہنچے، یہاں ابن سابط کی پناہ گاہ تھی، وہ اپنی کٹھری باہر رکھ کر کھنڈر کی دیوار پر سے اندر کود گیا، اور اجنبی نے دونوں کٹھریاں باہر سے اندر پھینک دیں، اس وقت چاند کی روشنی میں ابن سابط نے اطمینان سے اجنبی کے چہرے پر نظر ڈالی، جو اس کے سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا، اس نے محسوس کیا کہ اجنبی کے چہرے سے نور کی شعائیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں، یکا یک وہ ملکوتی تبسم کے ساتھ یوں گویا ہوا، میرے بھائی یہ مال تمہیں مبارک ہو، اس مکان کا مالک میں ہی ہوں، اور یہ مال تجھے خوشی سے بخشا ہوں، افسوس کہ میں تمہاری خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکا، بلکہ راستہ میں اپنی کمزوری اور سستی کی وجہ سے تمہارے لئے پریشانی کا باعث بنا، خدا کے لئے مجھے معاف کر دو، اچھا اب میں تم سے رخصت چاہتا ہوں، خدا حافظ۔

اجنبی یہ کہہ کر تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا، لیکن اس کے الفاظ خنجر بن کر ابن سابط کے سینہ میں پیوست ہو گئے، سیاہ کاری کے اس پتلے کے دل و دماغ کو اجنبی کے محیر العقول حسن سلوک نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، وہ سوچ رہا تھا کہ کیا دنیا میں ایسے

انسان بھی ہوتے ہیں، میں نے اسے کیا سمجھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا، اور اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا، یہ سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا، ضمیر کی خلش نے اسے بے چین کر دیا، اور سپیدہ سحر نمودار ہوتے ہی اجنبی کی تلاش کے لئے نکل کھڑا ہوا، اب اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں تھا، بس یہی آرزو تھی کہ اس اجنبی کے قدموں پر سر رکھ دے، رات والا مکان دھونڈنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی، اس کے باہر کھڑے ہو کر ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کس تاجر کا مکان ہے؟ اس شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، اور کہا میاں تم مسافر معلوم ہوتے ہو، یہاں کسی تاجر کا کیا کام؟ یہ تو شیخ جنید بغدادیؒ کی قیام گاہ ہے۔

ابن سابط نے یہ نام سن رکھا تھا؛ لیکن شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا صورت آشنا نہ تھا، پھاٹک سے اندر داخل ہوا اور دیکھا کہ سامنے والے بڑے کمرے کا دروازہ کھلا ہے، اور چٹائی پر تکیہ سے سہارا لگائے وہی رات والا اجنبی شخص بیٹھا ہوا ہے، اور اس کے سامنے تیس چالیس آدمی مودبانہ انداز میں بیٹھے ہیں، ابن سابط ٹھٹک کر وہیں کھڑا ہو گیا، اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز آئی، لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، جب وہ سب چلے گئے، تو شیخ بھی اٹھے جوں ہی انہوں نے دروازے کے باہر قدم رکھا، ابن سابط روتا ہوا ان کے قدموں پر گر گیا، انفعال کے انسوؤں نے اس کے دل کی ساری سیاہی دھو ڈالی تھی، شیخ نے نہایت محبت و شفقت سے اس کو زمین سے اٹھایا اور گلے لگا لیا، ابن سابط کے دل کی دنیا اب بدل چکی تھی، دوسروں نے جو راہ برسوں میں نہیں طے کی تھی، ابن سابط نے دو چند لمحوں میں طے کر لی، وہ شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا، اور ان کے فیض صحبت سے ہتھ کٹے شیطان کے بجائے شیخ احمد بن سابط بن گیا، اور اہل اللہ میں شمار ہوا، جس شخص کو چالیس سال تک دنیا کی ہولناک سزائیں نہ بدل

سکیں، اس کو ایک مرد خدا کے حسن اخلاق اور قربانی نے چند ساعتوں میں خاصان خدا کی صف میں شامل کر دیا۔

چور پر شفقت

ایک رات حضرت جنید بغدادیؒ کے مکان میں ایک چور گھس آیا، اور آپ کا پیراہن مبارک چرا کر لے گیا، دوسرے دن حضرت جنیدؒ بازار سے گزر رہے تھے کہ دیکھا وہ چور آپ کے پیراہن کو فروخت کر رہا ہے، اور خریدار کہہ رہا ہے کہ کوئی شناخت کرے کہ یہ پیراہن تیرا ہی ہے تو میں خرید لوں گا، اگر بعد میں یہ چوری کا مال نکل آیا تو میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا، یہ سن کر حضرت جنید بغدادیؒ آگے بڑے اور فرمایا: کہ میں واقف ہوں، اس پر خریدار نے پیراہن لے لیا۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا اپنے قاتل کے ساتھ حسن سلوک

ایک دفعہ ایک بد باطن شخص حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ صاحب نے اس کے تیور بھانپ لئے اور مومنانہ فراست سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا، جب وہ آپ کے قریب آیا تو آپ اس کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے، اور بڑی نرمی سے فرمایا: بھائی تم جس ارادے سے آئے ہو، اس کو پورا کرو، میں تمہارے سامنے موجود ہوں، یہ سن کر اس شخص کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، اور وہ آپ کے قدموں پر گر پڑا، پھر کہنے لگا کہ مجھ کو لا لچ دیکر آپ کو قتل کرنے پر مامور کیا گیا، اسی مقصد کے لئے میں یہ چھری اپنی بغل میں چھپا کر لایا، اب میری خواہش ہے کہ اسی چھری سے آپ میرا کام تمام کر دیں،

تاکہ میں اپنی بدنیتی کی سزا کو پہنچوں، خواجہ صاحبؒ نے فرمایا: کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ جو ہم سے بدی کرتا ہے، ہم اس سے نیکی کرتے ہیں، تم نے میرے ساتھ کوئی بدی نہیں کی، یہ فرما کر اس کو گلے سے لگا لیا، اور اس کے حق میں دعائے خیر کی، اس شخص پر آپ کے بلند اخلاق کا اس قدر اثر ہوا کہ اسی وقت آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور دن رات آپ کی خدمت میں رہنے لگا، حضرت خواجہ صاحب کی صحبت نے اس کو پتھر سے ہیرا بنا دیا، اور ۲۵ راج بیت اللہ سے مشرف ہوا، اور بالآخر حجاز مقدس میں ہی سفر آخرت اختیار کیا۔

گلاب کی پنکھڑیاں

حضرت شمس الدین ترکؒ شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ کے ہم عصر تھے، وہ اپنے مرشد مخدوم علاء الدین صابر کلیریؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لے گئے، اور دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ بوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا، وہ اس کو دیکھ کر متبسم ہو گئے، اور گلاب کے پھولوں کی کچھ پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کو واپس بھیج دیا، حضرت ترکؒ پیالے میں گلاب کی پنکھڑیاں دیکھ کر مسکرانے لگے، حاضرین مجلس نے عرض کی کہ ہمیں بھی اس معاملہ کی حقیقت سمجھائیے، انہوں نے فرمایا: شیخ بوعلی قلندرؒ کے پاس دودھ سے لبریز پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ اس علاقہ میں تبلیغ و ہدایت کی ذمہ داری خواجہ علاء الدین صابرؒ نے تنہا میرے کندھوں پر ڈالی ہے، اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں، شیخ بوعلی قلندرؒ نے دودھ میں پنکھڑیاں ڈال کر پیالہ جو واپس بھیج دیا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے فرائض میں دخل نہیں دیں گے، اور یہاں اسی طرح رہیں گے، جس طرح دودھ کے لبریز پیالہ میں گلاب کی

پنکھڑیاں ہیں، شیخ بوعلی قلندر سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس معاملہ کی یہی توجیہ کی، چنانچہ دونوں بزرگوں میں آخر وقت تک بے حد خوشگوار مراسم رہے۔

مظلوم کی سفارش

ایک فہم سلطان فیروز شاہ کے وزیر خان جہان نے ایک نوجوان کو ذاتی عداوت کی بناء پر قید میں ڈال دیا تھا، اور اس کو نئی اذیتیں پہنچاتا تھا، اس نوجوان کا باپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ میرے ساتھ چل کر وزیر کے پاس سفارش کیجئے کہ وہ میرے فرزند کو رہا کر دے، اور ناحق اس کو اذیتیں نہ دے، مخدوم جہانیاں کا دل اس مظلوم کی مصیبت پر تڑپ اٹھا، فوراً وزیر کے مکان پر پہنچے، اس نے آپ سے ملنے سے ہی انکار کر دیا، حضرت واپس آ گئے؛ لیکن اس شخص کا فرزند چونکہ بہت تکلیف میں تھا وہ بار بار آپ کی خدمت میں آتا اور آپ بار بار وزیر کے پاس جاتے؛ لیکن وہ اس نوجوان کو رہا کرنے سے صاف انکار کر دیتا تھا، شیخ جمالی سیر العارفین میں لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم اس مظلوم کی سفارش لے کر انیس بار وزیر کے پاس گئے اور ناکام واپس آئے، جب بیسویں مرتبہ گئے تو وزیر نے جھلا کر کہا: اے سید! تم کو شرم نہیں آتی کہ صاف جواب پا کر بھی بار بار میرے پاس دوڑے آتے ہو۔

آپ نے فرمایا: اے عزیز! مجھے تمہارے پاس آنے جانے میں دہرا ثواب ملتا ہے، ایک تو اس بات کا کہ ایک مظلوم کو مصیبت سے بچانا چاہتا ہوں، دوسرا اس بات کا کہ تم کو نیکیوں کے گروہ میں داخل کرنے کی سعی کرتا ہوں۔

وزیر آپ کا ارشاد سن کر کانپ اٹھا اور آپ کے قدموں پر گر کر معافی مانگی،

پھر اس نے اس مظلوم کو نہ صرف رہا کر دیا، بلکہ بہت کچھ انعام و اکرام بھی دیا۔

صبر و تحمل

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خانقاہ اور قیام گاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتی تھیں؛ لیکن آپ ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیتے، ایک بار دہلی میں مقیم تھے، کہ آپ کی چادر کسی نے اڑالی، ایک عقیدت مند نے کہا کہ آپ کی چیزیں اکثر چرائی جاتی ہیں، آپ چور کے لئے بددعا کریں، فرمایا: میں نے نہ کبھی پہلے بددعا کی ہے اور نہ اب کروں گا؛ بلکہ اگر چور آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا۔

شانِ عفو

دلی میں ایک نہایت ہی فاسق و فاجر شخص حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے پڑوس میں رہتا تھا، وہ حضرت کا سخت دشمن تھا، اور ہمیشہ برا کہتا رہتا تھا، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کی زیارت اور ملاقات کے لئے آتے ان کو بھی برا کہنے سے گریز نہ کرتا، ایک مرتبہ آپ کے ایک ارادت مند نے حاکم شہر سے اس کی بدعنوانیوں اور گستاخیوں کا ذکر کر کے گرفتار کرادیا، حضرت خواجہ کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے اپنے ارادت مند سے کہا: کہ تم نے ہمارے پڑوسی کو کیوں گرفتار کرادیا، اس نے عرض کی کہ اس شخص کی گستاخیاں آپ کی شان میں حد سے بڑھ گئی تھیں، حضرت خواجہ نے فرمایا: میں کیا اور میری شان کیا، جو کچھ وہ مجھے کہتا تھا میں اس سے زیادہ گنہگار ہوں، مرید نے عرض کی کہ یہ شخص نہایت شریر اور بد باطن ہے، آپ نے فرمایا: بھائی آپ ایک صالح اور نیوکار آدمی ہو اس لئے دوسرے لوگ تمہیں بد کردار اور بد اعمال نظر آتے ہیں، میں تو

اپنے سے زیادہ برا کسی کو نہیں دیکھتا، مرید بہت شرمندہ ہوا، اور اسی وقت اس شخص کو رہا کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے بھی آپ کی ایذا رسانی سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔

بتلائے مصیبت لوگوں سے ہمدردی

ایک مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ لاہور تشریف لائے، اور ایک سال تک یہاں مقیم رہے، اس زمانہ میں لاہور میں سخت قحط پڑا ہوا تھا، حضرت خواجہ لوگوں کی پریشانی اور مصیبت کو دیکھ کر بے قرار ہو جاتے، آپ کے سامنے جب کھانا لایا جاتا تو فرماتے: یارو! یہ انصاف سے بعید ہے کہ مخلوق خدا بھوک پیاسی گلیوں میں تڑپتی پھرے اور ہم گھروں میں بیٹھ کر اطمینان سے کھائیں، چنانچہ جس قدر کھانا ہوتا آپ قحط زدوں کو بھجوا دیتے اور خود فاقہ کرتے، البتہ روح بدن کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے کبھی کبھی روٹی کے چند ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھا لیتے، غرض قحط سالی کا تمام زمانہ آپ نے اسی حال میں گزارا، اور پھر دہلی تشریف لے گئے۔

حلم و عفو

ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ! حضرت خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر گئے، وہاں خادموں نے آپ کی آمد کی خبر سن کر مزار کے قریب آپ کے لئے ایک چادر بچھا دی، اتفاقاً وہاں ایک بے ادب فقیر موجود تھا، وہ آپ کا نام سن کر آگ بگولہ ہو گیا، اور آپ کے خلاف اول فoul بکنا شروع کر دیا، اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے آپ کو دیکھ کر فقیر کا مزاج اور بھی برہم ہو گیا، اور اس نے آپ کو سخت سست کہنا شروع کر دیا،

حضرت خواجہ کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی، بلکہ آپ اس فقیر سے معذرت کرنے لگے کہ بھائی معاف کر دو، جو کچھ ہوا ہے، میری لاعلمی میں ہوا ہے، جو کچھ تم میرے حق میں کہتے ہو درست ہے، میں ایسا ہی ہوں، بلکہ اس سے بھی برا ہوں، آپ کے خادموں نے چاہا کہ اس گستاخ فقیر کو پکڑ کر سزا دیں؛ لیکن آپ نے ان کو سختی سے منع فرما دیا اور قریب جا کر اس کا پسینہ آستین سے پونچھا اور پھر اسے چار درہم عنایت فرمائے، آپ کا حلم و غفور دیکھ کر وہ سخت نادم ہوا۔

خواجہ بایزید بسطامیؒ کا انکسار

ایک دفعہ خواجہ بایزیدؒ عمید کے دن حمام سے غسل کر کے نکلے، گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے گھر کی چھت سے بے خبری میں بہت سی راکھ نیچے پھینکی، یہ سب راکھ حضرت کے سر پر پڑی، اور آپ کا لباس، چہرہ، ریش مبارک اور سر کے بال راکھ سے آلودہ ہو گئے؛ لیکن آپ کے دل میں غبار تک نہیں آیا، یہاں تک کہ نظر اٹھا کر اوپر بھی نہیں دیکھا، آپ راکھ کو چہرے پر ملتے تھے، بار بار خدا کا شکر کرتے تھے کہ بایزید تو دوزخ کے قابل ہے وہ ذرا سی راکھ سے منہ کیوں بنائے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ اور ایک گویا

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک دفعہ قبرستان سے آرہے تھے سامنے بسطام کا ایک نوجوان گاتا ہوا آ رہا تھا، جب وہ حضرت کے قریب پہنچا تو حضرت نے فرمایا: ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم“

جوان یہ سن کر غصہ سے لال پیلا ہو گیا، اور اس نے اپنا باجا حضرت کے سر پر

دے مارا، باجا ٹوٹ گیا اور حضرتؑ کے سر سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے؛ لیکن آپ نے کمال تحمل سے کام لیا، اور خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے، صبح ہوئی تو ایک خادم کے ہاتھ اس باجے کی قیمت اور کچھ حلوا اس نوجوان کے پاس بھیجا اور چلتے وقت اس کو ہدایت کی کہ میری طرف سے باجے کے ٹوٹنے پر عذر کرنا اور کہنا اس رقم سے دوسرا باجا خرید لے اور یہ حلوا کھالے تاکہ کل کا غصہ دور ہو جائے، اور دل کی تلخی جاتی رہے، اس نوجوان نے حضرتؑ بایزیدؒ کا یہ خلق عظیم دیکھا تو روتا ہوا آپ کی خدمت میں آیا، پاؤں پر گر کر معافی مانگی اور آپ کا مرید ہو گیا، اس کے ساتھ اس کے کئی اور دوست بھی شیخ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو گئے۔

ہزار کے جواب میں ایک بھی نہیں

ایک دفعہ دو شخص سر راہ لڑ رہے تھے، اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کہ اے ملعون! تو ایک کہے گا تو مجھ سے دس سنے گا، اتفاق سے مولانا رومؒ ادھر سے گذرے، آپ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا: بھائی جو کچھ کہنا چاہتے ہو مجھ کو کہہ لو مجھ کو اگر ہزار کہو گے تو ایک بھی نہ سنو گے، دونوں سخت شرمندہ ہوئے اور آپس میں صلح کر لی۔

اختلاف رائے

سطورِ بالا سے قرآن و حدیث کی روشنی میں معلوم ہو گیا کہ اتحادِ امت کتنا ضروری اور اہم ہے اور افتراقِ امت کتنا مضر اور مہلک ہے۔ باقی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی اختلاف ہے۔ صحابہ رضوان اللہ

علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔ بعد کے علماء و مشائخ میں بھی نظریاتی اختلاف ہمیشہ سے رہا ہے۔ یہ کیوں اور کیا یہ اتحاد امت کے خلاف نہیں؟ اس کیلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کی تحریر پیش کر دی جائے۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی تحریر

”سب سے پہلے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نظری مسائل میں آراء کا اختلاف نہ مضر ہے، نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہے۔ نہ مثایا جاسکتا ہے۔ اختلاف رائے نہ وحدت اسلامی کے منافی ہے نہ کسی کے لئے مضر۔ اختلاف رائے ایک فطری و طبعی امر ہے جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا نہ رہ سکتا ہے۔ کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس لئے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہدے تو دوسرے سب اس پر اس لئے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں۔“

یا اسی صورت میں مکمل اتفاق رائے ہو سکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف رائے کا اظہار نہ کریں۔

اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلاف رائے نہ ہو۔ اس لئے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں کہا جاسکتا۔ اور اگر حالات و معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلاف رائے اگر اپنی حدود کے اندر ہے تو وہ کبھی کسی قوم و جماعت کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں مشورہ کی تکریم اور تاکید فرمانے کا یہی منشاء ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور مختلف آرا سامنے آجائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ لیا جاسکے۔ اگر اختلاف رائے مذموم سمجھا جائے تو مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہو جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ میں اختلاف رائے اور اس کا درجہ

انتظامی اور تجرباتی امور میں تو اختلاف رائے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں امور انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل سامنے آئے جن کا قرآن و حدیث میں صراحتاً ذکر نہ تھا یا قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت سے یا ایک حدیث کا دوسری حدیث سے بظاہر تعارض نظر آیا اور ان کو قرآن و سنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلاف رائے ہوا۔ جس کا ہونا عقل و دیانت کی بناء پر ناگزیر تھا، اذان اور نماز جیسی عبادتیں جو دن میں پانچ مرتبہ میناروں اور مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں ان کی بھی جزوی کیفیات میں اس مقدس گروہ کے افراد کا خاصا اختلاف نظر آتا ہے اور اختلاف رائے پر باہمی بحث و مباحثہ میں بھی

کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم معاملات حلال و حرام، جائز و ناجائز میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آراء کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شاگردان حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت کسی صحابہ کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی اور کوئی ان کے مقابل دوسری جماعت دوسرے صحابی کی رائے پر عمل کرتی تھی لیکن صحابہ و تابعین کے اس پورے خیر القرون میں اس کے بعد ائمہ مجتہدین اور ان کے پیروؤں میں کہیں ایک واقعہ بھی اس کا سننے میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں یا کوئی مخالف فرقہ اور گروہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے سے روکتے ہوں یا کوئی مسجد میں آنے والا لوگوں سے یہ پوچھ رہا ہو کہ یہاں کے امام اور مقتدیوں کا اذان و اقامت کے صیغوں میں قرأت، فاتحہ، رفع یدین وغیرہ میں کیا مسلک ہے؟ ان اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدل یا سب و شتم، توہین، استہزاء، اور فقرہ بازی کا تو ان مقدس زمانوں میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

امام ابن عبد البر قرطبی نے اپنی کتاب ”جامع بیان العلم“ میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال الفاظ ذیل میں بیان کیا ہے۔

عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ مَا بَرَحَ أَهْلُ الْفَتْوَى يُفْتُونَ فَيُحِلُّ
هَذَا وَيُحَرِّمُ هَذَا فَلَا يَرَى الْمَحَرَّمَ الْمُحِلُّ هَلْكَ لِحُلِيلِهِ وَلَا
يَرَى الْمُحِلُّ أَنَّ الْمَحَرَّمَ هَلْكَ لِتَحْرِيمِهِ۔ (جامع بیان
العلم: ۸۰)

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے۔ ایک شخص

(غیر منصوص احکام میں) ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا۔ اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کر لیں کافی ہے کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا اسوہ موجود ہے۔ (جامع بیان العلم)

ایک شبہ اور جواب

یہاں اصول دین اور اسباب اختلاف سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلام میں ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو، جائز بھی ہونا جائز بھی ہو، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہوگی۔ پھر دونوں جانب کا یکساں احترام کیسے باقی رہ سکتا ہے جس کو ایک آدمی غلط سمجھتا ہے اس کو غلط کہنا عین دیانت ہے۔

جواب یہ ہے کہ کلام مطلق حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں نہیں کیونکہ قرآن و سنت کے منصوصات اور تصریحات کے اعتبار سے کچھ چیزیں واضح طور پر حرام ہیں۔ جیسے سود، شراب، جوا، رشوت وغیرہ ان میں دورائے نہیں ہو سکتیں، اور نہ سلف صالحین کا ان میں کہیں اختلاف ہو سکتا تھا۔ اور ان میں اختلاف کرنا تو دین کے بینات اور واضح نصوص کا انکار کرنا بہ اتفاق امت گمراہی اور الحاد ہے اور جو ایسا

کرے اس سے بیزاری اور برأت کا اعلان کرنا عین تقاضائے ایمان ہے، اس میں رواداری ممنوع ہے۔

یہ رواداری کی تلقین اور اختلاف رائے کے باوجود اپنے مخالف کی رائے کا احترام صرف ایسے مسائل میں ہے جو یا تو قرآن و سنت میں صراحۃً مذکور نہیں یا مذکور ہیں مگر ایسے اجمال یا ابہام کے ساتھ کہ ان کی تشریح و تفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ یا دونوں آیتوں یا دو روایتوں میں بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے۔ ان صورتوں میں مجتہد عالم کو قرآن و سنت اور تعامل صحابہ وغیرہ میں غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کا منشاء اور مفہوم کیا ہے اور اس سے کیا احکام نکلتے ہیں۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک عالم مجتہد اصول اجتہاد کے مطابق قرآن و سنت اور تعامل صحابہ وغیرہ میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ فلاں کام جائز ہے اور دوسرا عالم مجتہدان ہی اصولوں میں پورا غور و فکر کر کے اس کے ناجائز ہونے کو صحیح سمجھے۔ ایسی صورت میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب کے مستحق ہیں، کسی پر کوئی عتاب نہیں۔ جس کی رائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے اس کو دو ہزار اجر و ثواب اور جس کی صحیح نہیں اس کو ایک اجر ملے گا۔ اس سے بعض اہل علم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اجتہادی اختلافات میں دونوں متضاد قول حق و صحیح ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، تمام احکام، عبادات و معاملات سے اللہ تعالیٰ کا مقصود کوئی خاص کام نہیں بلکہ بندوں کی اطاعت شعاری کا امتحان ہے۔ جب دونوں نے اپنی اپنی غور و فکر اور قوت اجتہاد شرائط کے ساتھ خرچ کر لی تو دونوں اپنا فرض ادا کر چکے۔ دونوں صحیح جواب ہیں۔ مگر جمہور امت اور ائمہ مجتہدین کی تحقیق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک حق و صحیح ہوتا ہے تو جو لوگ اپنے اجتہاد سے اس حق کو پالیں وہ ہر حیثیت

سے کامیاب اور دہرے اجر کے مستحق ہیں اور جو مقدور بھر کوشش کے باوجود اس حد تک نہ پہنچیں تو معذور ہیں۔ ان پر کوئی ملامت نہیں بلکہ ان کے سعی و عمل کا ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔ (وحدتِ اُمت)

آج ہم لوگ غور کریں کہ غیر منصوص مسائل میں اختلاف رائے کی وجہ سے دوسرے فریق پر بے دھڑک گمراہ اور فاسق بے دین ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحریر سے واضح ہو گیا کہ نظری، غیر منصوص مسائل میں اختلاف رائے لازمی اور ضروری ہے اور دیانت داری کے ساتھ جو جس رائے کو حق سمجھتا ہے اس کو وہی اختیار کرنی چاہئے۔ استہزاء، تمسخر کرنا جائز نہیں، چہ جائیکہ کوئی فریق کسی فریق کو باطل یا گمراہ و فاسق قرار دے کہ اس کی کسی طرح شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز عمل کا کچھ نمونہ یہاں پیش کر دیا جائے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند نمونے

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیاسی مسائل میں مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فتنہ، تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا۔ آپس میں تلواریں بھی چل گئیں مگر عین اسی فتنہ کی ابتداء میں جب امام مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغیوں کے زرعے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اور عام ضابطہ یہ بتا دیا کہ:

إِذَا هُمْ أَحْسَنُوا فَأَحْسِنُ مَعَهُمْ وَإِنْ هُمْ أَسَاؤُوا فَاجْتَنِبْ

إِسَاءَ تَهُمْ۔ (مشکوٰۃ شریف: ۶۲)

یعنی جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا کام اور غلط کام کریں تو اس سے اجتناب کرو۔ اس ہدایت کے ذریعہ اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد ”تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا

تَعَاوُنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ [نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو۔] (آسان ترجمہ) کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار و افتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما

اور اسی فتنہ کے آخر میں جبکہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان میدان جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا۔ قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ تم کو حضرت علیؑ نے ستا رکھا ہے۔ تمہاری مدد کے لئے میں فوج بھیج دوں؟

قیصر روم کے خط کا جواب

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب لکھا:
 ”اے نصرانی کتے! میرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یاد رکھ کہ اگر تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑنے والا معاویہ ہوگا۔“

قیصر روم نے مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے قیصر کے

نام خط لکھا:

”اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے صلح کر لوں گا۔ پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہوگا اس کے ہر اول دستہ میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنادوں گا اور تمہاری حکومت کوگا جرمولی کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا۔“ (تاج العروس: ۲۰۸، مادہ اصطقلین)

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر اور مجھ سے افضل ہیں۔ اور میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اور اگر وہ خون عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کر نیوالا سب سے پہلے میں ہوں گا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۵۹/۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفسار

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا۔ صبر نہ ہو سکا اس کو قتل کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کیا فیصلہ فرمادیں۔ قاتل کی سزا قصاص، لیکن یہ قتل جن حالات میں پیش آیا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں۔ (مؤطا امام مالک) کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی کے مخالف کے سامنے

اپنے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں، کسی مسئلہ میں جو باہم نزاعی نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس کی طرف رجوع کرے۔ (الاعتدال)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف

ابوصالح نے بیان کیا کہ ایک روز ضرار بن زمرہ کنانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ضرار سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انھوں نے کہا کہ امیر المومنین! مجھے معاف رکھیں۔ آپ نے فرمایا: کہ نہیں آپ بیان کرو۔ ضرار نے کہا جب کچھ بتانا ہی ضروری ہے تو سنیں:

”بخدا وہ ایک بلند نظر دور اندیش اور ایک طاقت ور انسان تھے۔ ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا۔ ان کے اطراف و جوانب سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ دنیا اور اس کی رنگینیوں سے دور رہکرات کی تاریکیوں سے مانوس رہتے تھے۔ واللہ وہ بہت روتے تھے اور سوچ میں غرق رہتے تھے۔ اپنی ہتھیلیاں الٹتے پلٹتے رہتے تھے اور اپنے آپ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ موٹا جھوٹا لباس اور کھانا پسند کرتے تھے۔ بخدا! ہمیں جیسے ایک آدمی نظر آتے تھے ان کے پاس جب ہم جاتے تو وہ ہمیں قریب رکھتے اور ہماری باتوں کا جواب دیتے لیکن اتنے قرب کے باوجود ان کی ایسی ہیبت تھی کہ ہم ان سے بات نہیں کر پاتے تھے۔ وہ مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت نظر آتے۔ وہ دین داروں کی تعظیم کرتے اور فقراء و مساکین سے محبت

رکھتے۔ کوئی طاقت ور آدمی ان سے کسی غلط کام کرانے کی بات نہیں سوچ سکتا تھا اور کوئی کمزور آدمی ان کے عدل سے کبھی مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں خدا کو حاضر سمجھ کر کہتا ہوں کہ شب کی تاریکیوں میں انھیں بعض مواقع پر میں نے دیکھا کہ محراب کے اندر اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس بے چینی سے تڑپ رہے ہیں جیسے انھیں بچھونے ڈنک مار دیا ہو اور کسی غمزدہ و ستم رسیدہ شخص کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت بھی ان کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اے میرے پروردگار! اے میرے پالنہار! اس کے حضور وہ گریہ وزاری کر رہے ہیں اور دنیا سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں۔ تم میرے پاس آرہی ہو، تم مجھ پر نظریں جما رہی ہو، افسوس! افسوس! جاؤ کسی دوسرے کو دھوکہ دو۔ میں نے تمہیں تین طلاق دیدی ہے۔ تمہاری عمر مختصر، تمہاری محفل ذلیل و حقیر اور تمہارا فائدہ بہت کم ہے۔ آہ! آہ! تو شہ راہ کتنا قلیل، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔“

یہ سن کر (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے اور ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی جسے وہ اپنی آستین سے پوچھتے رہے اور حاضرین کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ابو الحسن! (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ایسے ہی تھے، اللہ ان پر رحم فرمائے۔ پھر انھوں نے پوچھا ضرار! تمہیں ان کا کتنا غم ہے؟ ضرار نے جواب دیا۔ اتنا ہے جیسے کسی کا کوئی اپنا آدمی خود اسی کی گود



میں ذبح کر دیا جائے۔ جس سے اس کے آنسو نہ ٹھہریں اور نہ اس کا غم

سکون پائے۔ یہ کہہ کر اٹھے اور واپس چلے گئے۔“

(الحلیۃ از ابو نعیم: ۸۴/۱، الاستیعاب از ابن عبد البر: ۳/۴۴)

حضرت علیؓ کی شہادت پر حضرت معاویہؓ کا رونا

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر پہونچی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید کر دئے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ان کی بیوی نے کہا اب روتے ہو حالانکہ ان سے تم نے جنگ کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے، کیسی باتیں کرتی ہے، تجھے نہیں معلوم آج علم و فضل اور فقہ لوگوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ (البدایہ: ۸/۱۳۰، فضائل صحابہ: ۷۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اپنے مخالفین کے ساتھ برتاؤ

جنگ جمل کتنی سخت لڑائی ہوئی تھی کہ تقریباً بیس ہزار آدمی اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ (تاریخ الخمیس) لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں صف سے آگے بڑھے، دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں روئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آ گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کے بدلہ نے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلے میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ (کتاب

الامامة والسياسة) اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کو فتح ہوئی۔ دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے اور معاف کرتے رہے۔ ان مغلوین کے مال کو غنیمت قرار دیا لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار فرمادیا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انکار فرماتے رہے۔ آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کون تیار ہے؟ انھوں نے عرض کیا نستغفر اللہ یعنی ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں یہ تو ہو نہیں سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: **وَأَنَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ**۔ [میں بھی اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں]

کسی نے جنگ جمل میں آپ رضی اللہ عنہ کے مخالفین کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرک سے تو وہ بھاگے ہی تھے۔ تب ہی تو وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس نے پھر پوچھا کیا وہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا منافقین اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے والے ہیں۔ اس کے بعد اس نے سوال کیا، پھر وہ کیا ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہمارے بھائی ہیں جنھوں نے ہم سے بغاوت کی، جس کی وجہ سے مجبوراً جنگ کرنی پڑی۔ (سنن بیہقی: ۱/۷۳، فضائل صحابہ: ۷۱)

کیا ہم بھی اپنے کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں۔ دشمنی اور مقابلہ

میں تلوار اٹھانا بہت بڑی چیز ہے کیا ہم معمولی سا اختلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے کا رکھتے تھے۔

اس کے بعد دیکھا کہ مقتولین میں محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے، تم بڑے عبادت گزار، شب بیدار، تمام رات نماز پڑھنے والے تھے۔ سخت سے سخت گرمی میں کثرت سے روزے رکھنے والے تھے۔ (کتاب الامامة)

حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا سلوک

اسی لڑائی کے خاتمہ پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ زخمی ہو کر گرا ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلدی سے کہا دیکھو (ام المؤمنین) کو کوئی تکلیف تو نہیں پہونچی۔ (طبری) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفدار تھے، جلدی سے بڑھے، دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہونچی؟ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود ہودج کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا: اما جاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ اللہ جل شانہ تمہاری غلطی معاف فرمائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے۔ (طبری)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کو شکست ہوئی۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہودج اونٹ کے اوپر کا کجادہ جس میں پردہ کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی

اللہ عنہا تشریف رکھتی تھیں مقتولین کے درمیان سے اٹھالیا جائے اور ان کے لئے خیمہ لگایا جائے۔ اور خود حاضر ہو کر خیریت پوچھی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۴۴، ج ۷)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا، انھوں نے بھی مرحبا کہا۔ وہاں ایک عورت صفیہ نامی موجود تھی۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تیری اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ یتیم کرے جیسا کہ تو نے میری اولاد کو یتیم کیا۔ اس نے دوبارہ یہی الفاظ کہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بات ان سنی کردی اور خاموشی سے تشریف لے آئے۔ کسی نے عرض کیا، امیر المؤمنین (خاموشی سے گذرے چلے جا رہے ہیں) آپ نے سنا نہیں یہ عورت کیا کہہ رہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں یہ حکم ہے کہ مشرک عورتوں سے بھی تعرض نہ کریں پھر مسلمان عورتوں سے کیونکر درگزر نہ کریں۔

(البدایہ والنہایہ ص: ۲۴۵، ج ۷؛ فضائل صحابہ ص ۶۷)

اسی موقع پر ایک شخص نے آ کر عرض کیا امیر المؤمنین! دو آدمی دروازہ پر کھڑے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا کہہ رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو کو حکم دیا کہ دونوں آدمیوں کو (تغزیراً) سوسو کوڑے لگائیں۔ (حوالہ بالا)

جب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روانہ ہونے لگیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے قافلے کے لئے سوار یوں کا انتظام کیا اور زاد راہ کھانا پینا و دیگر سامان فراہم کر کے دیا اور بصرہ کی چالیس عورتیں ان کے ساتھ کیں۔ جب عین روانگی کا وقت آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بنفس نفیس دروازہ پر تشریف لائے۔ اس وقت اور بھی بہت سے افراد موجود تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب کو رخصت کیا

اور سب کو دعا دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے درمیان یہ ایک واقعہ پیش آ گیا تھا جو اپنوں میں کبھی پیش آ جاتا ہے۔ (ہم ایک دوسرے کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں) بلاشبہ یہ دنیا و آخرت میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ بطور مشایعت چند میل تک چلتے رہے اور اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ آج کا دن بھر سفر میں گذاریں۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۴۵، ۲۴۶/۷، فضائل صحابہ: ۶۸)

یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ بھی مقابلین کی عزت افزائی، ہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہے۔ کسی مخالف پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس کی جان و مال آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں۔ (الاعتدال: ۲۳)

حضرت علی بن یاسر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما

حضرت علی بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جنگ جمل میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے موقف کے خلاف تھے۔ ان کے سامنے کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کچھ کہا تو آپ نے غصہ کے عالم میں اسے ڈانٹا۔ چپ ہو جا بھونکنے والے قبیح آدمی، کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ کو ایذا پہنچانا چاہتا ہے؟ وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ محترمہ رہیں گی۔ انھوں نے امن کی راہ اختیار کی۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں آپ کی محبوب زوجہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ہمارا امتحان لیا کہ ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں یا خدا کی۔ (کنز العمال: ۱۶۶، وحیات الصحابہ: ۳/۱۴)

اس سے بلند نمونہ ادب اور کیا ہو سکتا ہے؟ جو ایسے انسانوں نے پیش کئے جن کے درمیان مشیت خداوندی سے آپس میں شمشیر زنی اور نیزہ بازی ہو چکی تھی لیکن جو نور انھوں نے شمع نبوت سے پایا تھا وہ ان کے دلوں میں جگمگاتا رہا جس سے کینہ اور بغض و حسد کی ظلمتیں ان کے قریب نہ آسکیں اور ادب و اختلاف کی اتنی عظیم الشان مثالیں انھوں نے پیش فرمادیں۔ فالحمد للہ (اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب)

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا طرز عمل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ ناگوار بات کہدی۔ جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناراضگی ہوئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کا احساس ہوا اور فرمایا: اے میرے بھائی! میرے لئے مغفرت طلب کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ اس بات کا اعادہ کیا۔ پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا نہ پڑا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارا بھائی تم سے سوال کرتا ہے کہ تم اس کیلئے مغفرت طلب کرو اور تم ایسا نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ کوئی مرتبہ ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے مجھ سے اپنے لئے استغفار کرائی ہو اور میں نے استغفار نہ کی ہو۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی آپ کے بعد مجھے ان سے زیادہ محبوب نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اور قسم اس ذات کی جس

نے حق دے کر آپ کو بھیجا ہے۔ آپ کے بعد ان سے زیادہ مجھے بھی کوئی محبوب نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے میرے ساتھی کے بارے میں تکلیف مت دو۔ اس لئے کہ مجھے اللہ پاک نے ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تھا۔ تم لوگوں نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور اگر اللہ پاک نے ان کا نام صاحب نہ رکھا ہوتا تو میں ان کو اپنا خلیل بنا لیتا۔ لیکن اللہ کے لئے بھائی بندی ہے سن لو مسجد میں سے ہر درپچی بند کر دی جائے مگر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کی درپچی باقی رہنے دی جائے۔ (حیات الصحابہ: ۵۰۶)

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کا طرز عمل

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب بلایا اور کہا ہمارے آپس میں بہت سی دفعہ وہ باتیں ہوئیں جو سونوں میں ہوتی ہیں۔ اللہ میری اور تمہاری ان معاملات میں مغفرت کرے جو ہوئے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان سب باتوں کی مغفرت کرے اور تجاوز کرے اور ان سب باتوں سے بری الذمہ کرے۔ یہ سن کر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ تم نے مجھ کو خوش کیا اللہ تمہیں خوش کرے اور اسی طرح ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان سے بھی اسی جیسی بات کہی۔ (حیات الصحابہ: ۵۰۷، حصہ ۶/اردو)

حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما

شععی کہتے ہیں: کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما بیمار ہوئیں ان کے پاس

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے فاطمہ! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تمہارے پاس آنے کی اجازت طلب فرما رہے ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ کیا آپ کو پسند ہے کہ میں انہیں اندر آنے کی اجازت دوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ انہوں نے اجازت دی۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر تشریف لائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر رہے تھے اور فرمایا خدا کی قسم! میں نے گھر اور مال اور اہل اور خاندان محض اللہ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے اور تم اہل بیت کو راضی کرنے کیلئے چھوڑا ہے اور اس کے بعد پھر انہیں منایا یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔ (حوالہ بالا)

حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

طبرانی میں ہے کہ حضرت رجاء بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تھا حسن اتفاق سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا تو انہوں نے سلام کیا۔ ہم سب نے سلام کا جواب دیا لیکن حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما خاموش رہے۔ جب قوم سلام کا جواب دے کر چپ ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے باواز بلند کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے قوم کی طرف توجہ کی اور فرمایا: کیا تم سے نہ بتاؤں کہ آسمان والوں کے نزدیک زمین والوں میں کون زیادہ محبوب ہے؟ قوم نے کہا ضرور بیان فرمائیں۔ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ خدا کی قسم یہی جوان (حسین بن علی رضی اللہ عنہ) ہے۔ جنگ صفین کی راتوں کے بعد نہ میں نے اس

نوجوان سے بات کی ہے اور نہ اس نے مجھ سے۔ خدا کی قسم اگر یہ مجھ سے راضی ہو جائے تو یہ بات مجھے احد پہاڑ کے برابر سونے سے زیادہ محبوب ہے ان سے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم علی الصباح ان کے پاس نہ چلو گے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ضرور چلوں گا۔ چنانچہ ایک دوسرے سے صبح چلنے کا وعدہ ہوا۔

حضرت رجاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: کہ میں بھی ان دونوں کے ساتھ چلا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انھیں اجازت دی تو ہم داخل ہوئے۔ اور انھوں نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ کیلئے داخل ہونے کی اجازت طلب کی اور برابر کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی داخلہ کی اجازت دی اور وہ اندر آئے، جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دیکھا تو ان کے لئے جگہ خالی کی۔ یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذرا ہٹ کر بیٹھ رہے تھے لیکن انھیں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف کھینچا لیکن حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ بات دیکھی تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں بات کی اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے جگہ دی۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ان دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرگزشت سنائی۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا اسی طرح ہے اے ابن عمرو! کیا تم جانتے ہو کہ میں تمام زمین والوں میں آسمان والوں کے نزدیک زیادہ محبوب ہوں۔ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! رب کعبہ کی قسم! بے شک آپ زمین والوں میں آسمان والوں کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو پھر تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا تھا کہ تم نے مجھ سے اور میرے باپ سے یوم صفین

میں جنگ وجدال کیا۔ خدا کی قسم! میرا باپ مجھ سے بھلا تھا۔ فرمایا: ہاں یہی بات ہے؛ لیکن (میرے باپ) حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے میری شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی اور کہا تھا کہ عبد اللہ دن بھر روزے رکھتا ہے اور راتوں کو عبادت کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔ روزے بھی رکھو اور افطار سے بھی رہو اور (اپنے باپ) عمروؓ کا کہنا مان۔ پس جب یوم صفین ہوا۔ خدا کی قسم! انھوں نے مجھے قسم دے کر شریک کیا نہ تو میں نے ان کی جماعت میں اضافہ کیا اور نہ میں نے ان کے ساتھ رہ کر تلوار سونپی اور نہ میں نے کوئی نیزہ مارا، اور نہ کوئی تیر چلایا۔ یہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے؟ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک میں جانتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں گویا کہ انھوں نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی بات مان لی۔ (حیات الصحابہ: ۵۱۰، حصہ: ۶۱/۲ اردو)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس منبر پر چڑھا اور میں نے کہا کہ میرے باپ کے منبر سے اتر جائیے اور اپنے باپ کے منبر پر بیٹھئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرے باپ کیلئے کوئی منبر نہ تھا اور مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ جب منبر سے اترے مجھے اپنے مکان لے گئے اور مجھ سے پوچھا۔ اے میرے بیٹے تجھے یہ کس نے سکھایا ہے؟ میں نے کہا: مجھے یہ کسی نے نہیں سکھایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کاش تو ہمارے پاس آمد و رفت رکھے تو بڑا اچھا ہے۔ میں ایک دن ان کے پاس گیا تو حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلوت میں کچھ بات فرما رہے ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دروازہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کو اندر جانے کی اجازت نہ ملی تھی۔ یہ دیکھ کر میں واپس آ گیا، اس واقعہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے ملے اور فرمایا: اے میرے بیٹے! میں نے تجھے نہیں دیکھا کہ تم میرے پاس آئے ہو۔ میں نے کہا: میں آیا تھا اور آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلوت میں باتیں فرما رہے تھے اور میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ واپس ہوئے تھے میں بھی واپس ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عبداللہ بن عمر کی بہ نسبت اجازت دیئے جانے کے زیادہ حقدار تھے۔ دیکھو! یہ سرفرازی جس کو تم دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور اس کے بعد تم لوگوں نے اور اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھا۔ (حیات الصحابہ: ۲/۵۳۰، حصہ: ۶/۱۷۲ اردو)

حضرت علی اور حضرت عمران بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت ابو حبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حضرت عمران بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا جب کہ آپ اصحابِ جمل سے فارغ ہو چکے تھے۔ ابو حبیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمران رضی اللہ عنہ کے لئے انھوں نے مرحبا کہی اور انھیں اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا میں امیر رکھتا ہوں کہ اللہ پاک مجھ کو اور تیرے والد کو ان لوگوں میں سے کرے جن کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا ہے:

”وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ“

[اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا وہ سب دور کر دیں گے۔ کہ سب بھائی بھائی کی

طرح الفت و محبت سے رہیں گے۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے۔ [سورہ حجر کو ع ۴] اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا اے میرے بھتیجے! فلاں عورتوں کا کیا حال ہے؟ فلاں عورتوں کا کیا حال ہے؟ اور ان سے ان کے باپ کی ام ولد تک کو پوچھا۔ اس کے بعد فرمایا، میں نے ان برسوں میں تمہاری زمین پر اس لئے قبضہ کیا ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ اس پر لوٹ ڈال لیں۔ اے فلاں! ان کے ساتھ ابن قریظہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ انھیں ان برسوں کا غلہ دے اور ان کی طرف ان کی زمین کو واپس کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ دو آدمی ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ان میں سے حارث اعورؓ تھے۔ ایک نے ان میں سے کہا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ ہم ان لوگوں سے لڑیں اور وہ جنت میں ہمارے بھائی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا۔ تم کھڑے ہو اور اللہ پاک کی دور دراز زمین میں جا کر آباد ہو جاؤ۔ اس شخص کے کہنے کا مصداق میرے اور طلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ اے میرے بھتیجے! جب تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آیا کر۔ (حیات الصحابہ ص ۵۴۰، ج ۲، حصہ ۶ اردو)

حضرت علی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما

ابو زناد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مہاجرین اور انصار کو کیا ہوا کہ انھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا۔ حالانکہ آپ ان کی بہ نسبت مناقب میں زیادہ کامل ہیں اور اسلام لانے اور صلح جوئی میں ان سے پیش پیش اور سبقت لے جانے والے اعمال میں ان سے آگے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو قریشی ہے تو اللہ سے استعاذہ کر

(یعنی اس بات کے کہنے سے اللہ کی پناہ پکڑ) اس شخص نے کہا بہت اچھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مومن اللہ کی پناہ میں نہ ہوتا تو میں تجھ کو قتل کر دیتا۔ اور اگر تو زندہ رہ گیا تو میری جانب سے تیرے پاس وہ گھبراہٹ آئے گی جو چاروں طرف سے محاصرہ کر لے گی۔ تجھ پر بڑا افسوس ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چار باتوں میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ امام بننے میں مجھ سے سبقت لے گئے اور امام بنائے جانے میں اور ہجرت کے وقت غار کے واقعہ میں بھی مجھ پر سبقت لے گئے۔ اور اسلام کی اشاعت میں مجھ پر سبقت لے گئے۔ تجھ پر بڑا افسوس ہے۔ اللہ پاک نے تمام لوگوں کی مذمت کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور فرمایا:

”إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيًا
أُنْزِلَ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ
مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ
كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى ط وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ط وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ط“ (سورہ توبہ رکوع ۶)

[اگر تم لوگ ان کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی (کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔]

(حیات الصحابہ ص ۵۴۴، ج ۲)

حضرت عمر فاروق اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما

شیخ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان سو مختلف فیہ مسائل تھے اور ان میں سے چار کا ذکر بھی کیا ہے۔ (اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب بحوالہ اعلام الموقعین ص ۲۱۸، ج ۲) ان اختلافات کے باوجود ان دونوں حضرات کی باہمی محبت و یگانگت اور عزت و احترام میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک روز دو آدمی آئے ان میں سے ایک نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے نے کسی دوسرے صحابی سے قرآن حکیم پڑھا تھا۔ پہلے شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پڑھایا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ان کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا اور فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمہیں جس طرح پڑھایا ہے اسی طرح پڑھ کر مجھے سناؤ۔ وہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے جس میں داخل ہو کر کوئی نکل نہیں سکتا تھا۔ آپ کے انتقال سے وہ قلعہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ (الاحکام ص ۶۱، ج ۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک روز تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ آپ کو آتے ہوئے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا علم و تفقہ سے بھری ہوئی شخصیت۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ علم سے ایسے بھرے ہوئے کہ میں اہل قادیسیہ پر انھیں ترجیح دیتا ہوں۔

(طبقات ابن سعید ص ۱۶۱، ج ۳ و حیات الصحابہ ص ۹۱، ج ۳، کنز العمال ص ۳۷، ج ۷)

بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر محبت و

عظمت کا یہ حال تھا۔

حضرت ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بعض مسائل میں اختلاف تھا اور سخت اختلاف تھا لیکن اس کے باوجود ان کا حسن کردار یہ تھا۔

ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو ان کی سواری کی رکاب تھام لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اے فرزندِ رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ چھوڑ کر ہٹ جائیں اور ایسا نہ کریں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

”ہمیں یہی سکھایا گیا ہے کہ اپنے علماء اور بڑوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں۔“

اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہاتھ آگے کیا جسے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فوراً چوم لیا اور فرمایا:

”ہم کو اہل بیت نبی کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم اور تعلیم دی گئی ہے۔“ (حیات الصحابہ ۳، ج ۳ بحوالہ اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”علم اس طرح رخصت ہوتا ہے۔“



(اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب بحوالہ اعلام الموقعین: ۱/۱۸)

اور ایک روایت میں ہے: ”علم کا جانا اس طرح ہوتا ہے۔ آج علم کا بہت زیادہ حصہ دفن ہو گیا۔“

(اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب بحوالہ سنن البیہقی: ۶/۲۱۱، والمجھول: ۲/۷۷، ق: ۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کے ساتھ حسن سلوک

ابولؤلؤؓ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے، نصرانی غلام تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں ان کو اشارے سے قتل کی دھمکی دی تھی۔ حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد قتل ہی کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ اس نے اس وقت مجھے قتل کی دھمکی دی ہے لیکن اس کے باوجود کیا کوئی انتقام اس سے لیا بلکہ اس کے بالمقابل اس کے ساتھ احسان کا ارادہ تھا کتب احادیث اور تاریخ میں مشہور ہے اور اس کی عداوت کا یہ حال تھا کہ جب نہاوند کے قیدی پکڑ کر لائے گئے تو ایک ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا کہ ”اَکَلْ غَمْرٌ کَبِدَیْ“ عمر (رضی اللہ عنہ) نے میرا جگر کھالیا۔ (اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب بحوالہ اعلام الموقعین: ۱/۱۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کے ساتھ سلوک

ابن ملجمؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک مرتبہ کسی اپنی حاجت کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی حاجت پوری فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرا قاتل ہے۔ کسی نے عرض کیا اس کو آپ قتل کیوں نہیں کر دیتے۔ آپ نے فرمایا فَمَنْ يَقْتُلُنِي پھر مجھے قتل کون کرے گا۔ (اشاعت)

ایک روایت میں ہے کہ ابھی تو اس نے قتل نہیں کیا۔ (تو پہلے سے قصاص کیسے ہو سکتا ہے) جب اس شقی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر دیا اور پکڑا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ابھی قتل نہ کرنا قید میں رکھنا۔ ”وَاطْيُيُوا طَعَامَهُ وَالْيَنُوفِرَاشَهُ“ اور کھانے کو اچھا دینا اور بستر نرم دینا۔ اگر میں اس حملہ سے مر گیا تو

قصاص میں قتل کر دینا۔ اور اچھا ہو گیا تو میں اپنے معاملہ کا خود مختار ہوں چاہے معاف کر دوں یا بدلہ لوں۔ (خمیس الاعتدال: ۲۳۵)

دشمنوں کے ساتھ ان پاک نفوس کا جو برتاؤ تھا وہ ہمارا دوستوں سے بھی نہیں۔ پھر امید باندھے بیٹھے ہیں کہ اسلام اسلام کا نام زبان پر لیں اور ثمرات وہی حاصل ہوں جو ان کو حاصل تھے۔ ”فالی اللہ المشتکی“ (الاعتدال)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کے ساتھ سلوک

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب زہر پلایا گیا اور جب وصال ہونے لگا تو لوگوں نے دریافت کیا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ واللہ میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ کس نے پلایا ہے۔ اگر وہی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں تو اللہ جل شانہ کا انتقام بہت کافی ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی بے گناہ کو مارا جائے۔ (خمیس)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت حسین کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں ان کے گھر میں اپنے نانا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے باوجود اس ساری لڑائی کے بخوشی اس کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ شاید میری زندگی میں میری شرم و لحاظ کی وجہ سے اجازت دیدی ہو۔ میرے انتقال کے بعد

دوبارہ اجازت لے لینا۔ اگر وہ بخوشی اجازت دیدیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہ نے فرمایا: ”نعم و کرامۃ“ ہاں ہاں بڑے اکرام کے ساتھ۔ یہ ہے مسلمانوں کے اسلاف کی لڑائی اور آپس کی مخالفت۔

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ پڑھوانا

اس کے بعد کا حال بھی سنو کہ امراء بنو امیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا تھا، مزاحمت کی اور کہا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی وہاں دفن نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ امیر مدینہ کو بڑھایا اور فرمایا کہ یہی سنت ہے۔ (خمیس) الاعتدال۔

فروعی مسائل کے اختلاف میں علامہ انور شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کا ایک اہم واقعہ نقل فرمایا ہے جو درج ذیل ہے۔

ایک اہم واقعہ آپ کے گوش گزار کرتا ہوں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی۔ قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ میں تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو

دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے۔ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو۔ عمر ضائع کر دی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوتی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔ فرمایا۔ میں تمہیں صحیح کہتا ہوں۔ عمر ضائع کر دی۔ میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا یہ خلاصہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا۔ تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی۔ امام ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوالے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء جن کے مقابلہ میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ”صواب“ محتمل الخطاء (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے مسلک کو خطاء محتمل الصواب (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں۔ اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں۔ ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں پھر فرمایا۔ ارے میاں اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کونسا خطاء۔ اجتہادی مسائل میں صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں

ہوسکتا۔ دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے یا یہ کہ یہ صحیح ہے۔ لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے۔ اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا۔ آمین بالجبر حق تھی یا بالسرح حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے:

اللہ تعالیٰ نہ تو شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہؒ، نہ مالکؒ کو نہ احمد بن حنبلؒ کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلا یا ہے جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گذریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کریگا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے یہ غلط کہا تھا۔ اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا۔ تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں نہ محشر میں۔ اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی پوری قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی۔ مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سب ہی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی۔ آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی ہے۔ یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں میں اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے اور اغیاران کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا وہ پھیل رہی ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چلی آرہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ

رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں اس فرعی و فروعی بحثوں میں۔

افسوس کہ بعض غیر مقلدین نے اپنا مشغلہ ہی یہ بنا لیا کہ سادہ لوح مسلمان عوام کے پاس جا کر ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ پر حدیث کے خلاف کرنے کا الزام لگاتے ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں اور اس طرح امت میں اختلاف و انتشار پیدا کرتے ہیں اور اس کو بڑی دینی خدمت سمجھتے ہیں۔ خدائے پاک ان کو سمجھ دے کہ اس پر قوت صرف کرنے کے بجائے امت میں جو برائیاں پھیل رہی ہیں ہر چہار جانب سے جو اسلام پر حملے کئے جا رہے ہیں ان کے انسداد پر اپنی محنت و قوت صرف کریں۔

افسوس کہ آج ہم میں بہت سے حضرات انھیں فروعی مختلف فیہ مسائل میں الجھے ہوئے ہیں اور اسی پر اپنی تمام تر قوتیں صرف کر رہے ہیں اور ہر ایک اپنے مخالف فریق کو گمراہ قرار دے کر امت میں مزید اختلاف و انتشار کا باعث بن رہا ہے اور ایک دوسرے کے قریب آنے کے بجائے اور زیادہ دوری ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ہر طبقہ جس مسلک کو حق سمجھتا ہے دیانتداری کے ساتھ اس پر عمل کرے اور دوسرے طبقہ کے پیچھے پڑنے کے بجائے اشاعت دین و سنت اور دعوت اسلام پر قوت صرف کریں، شرک و بت پرستی اور کفر و الحاد جو ہر چہار جانب سے حملہ آور ہو رہا ہے اس کے دفاع پر قوت صرف کریں تو امت کا کتنا فائدہ ہو۔ اگر ایک طبقہ براہ راست حدیث پاک پر دیانتداری کے ساتھ عمل کرتا ہے اور اس میں اتنی استعداد و صلاحیت بھی ہے کہ حدیث پاک کے مفہوم کو سمجھے اور نسخ و منسوخ کو جانے تو اس کیلئے اس کی گنجائش ہے مگر ائمہ مجتہدین کے خلاف بدگمانی اور بدزبانی کر کے امت میں انتشار تو نہ پھیلائیں اس کی تو شرعاً اجازت نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر

ضائع کر دی۔ انتہی (وحدت امت، ص ۱۵)

ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طرز عمل

تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت غیر منصوص مسائل کے استخراج و استنباط کے سلسلہ میں جو ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف رائے ہوا کہ ایک امام ایک چیز کو حلال کہتا ہے، ایک حرام، ایک امام جائز کہتا ہے، ایک ناجائز۔ ایک چیز کو ایک امام فرض و واجب کہتا ہے دوسرا ناجائز۔ مگر اس کے باوجود اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے ان کے مابین جنگ و جدال کی صورت اختیار کی ہو، باہمی اختلاف مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے بلکہ ایک دوسرے کی تعریف و توصیف اور احترام و تعظیم سے ان کے حالات و تذکرے لبریز ہیں۔

حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف مشہور و معروف ہے اور سینکڑوں ہزاروں مسئلوں میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کا ارشاد

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جو فقیہ بنا چاہے اس کو چاہئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کو چمٹ جائے۔ میں خود امام محمدؒ کی کتابوں سے فقیہ بنا ہوں۔ (در مختار)

امام اعظم کا ارشاد

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں سے خود فرمایا کہ جہاں کہیں میرے قول کے خلاف کوئی دلیل مل جائے اس کو اختیار کر لو۔ (الاعتدال: ۲۰۵)

امام شافعی کا حسن ادب

حضرت امام شافعی کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا سنت ہے۔ ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی قبر پر حاضر ہوئے اور صبح کی نماز وہاں پڑھی اور دعاء قنوت نہیں پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ بسم اللہ بھی آواز سے نہیں پڑھی (حالانکہ وہ بھی ان کے نزدیک سنت ہے) کسی نے استفسار کیا تو فرمایا: اس قبر والے کے ادب نے روک دیا۔ بعض روایات میں ہے یوں فرمایا: میں ان کی بارگاہ میں ہوں کیسے ان کی مخالفت کر سکتا ہوں؟ اور یہ بھی فرمایا کبھی ہم اہل عراق کا مسلک اختیار کر لیتے ہیں۔ (اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب۔ بحوالہ حجتہ اللہ البالغہ: ۲۳۵)

اشکال اور جواب

بعض لوگ اس قصہ پر بہت شور کرتے ہیں کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی کی وجہ سے سنت پر عمل چھوڑ دیا جائے۔ حضرت امام شافعیؒ کی شان اس سے ارفع ہے کہ ایک مجتہد کی قبر کی وجہ سے سنت کو چھوڑ دیں۔ حالانکہ اس کا تعلق سمجھ سے ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ علیہ الرحمۃ کے ادب سے سنت کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کے ادب سے ان کی تحقیق کو اپنی تحقیق پر مقدم سمجھا کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں سنت نہیں ہیں بلکہ سنت قنوت کا نہ پڑھنا ہے۔ اور بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا۔ ایک شخص اپنی تحقیق سے

کسی چیز کو سنت سمجھنے کے باوجود دوسرے محقق عالم کی تحقیق پر عمل کرے تو کیا حرج ہے۔ (الاعتدال: ۲۰۸)

امام شافعیؒ کا امام ابوحنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرنا

خطیب بغدادی اور مؤفق نے علی بن میمون (جو حضرت امام شافعیؒ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں) سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے خود اپنے کانوں سے حضرت امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”میں ابوحنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، ہر روز ان کی قبر کی زیارت کو جاتا ہوں۔ جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو دعا کے بعد مراد برآنے میں دیر نہیں لگتی۔ (امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۵۵)

امام احمد ابن حنبلؒ کے یہاں مخالف مسلک کا احترام

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں نکسیر پھوٹنے اور حجامت (کچھنے) لگوانے سے وضو ضروری ہو جاتا ہے۔ ان سے ایک بار پوچھا گیا کہ امام کے بدن سے خون نکلا اور اس نے وضو نہیں کیا۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ آپؒ نے جواب دیا کہ امام مالکؒ اور سعید بن مسیبؒ کے پیچھے میں کیسے نماز نہ پڑھوں۔“ (اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب ص ۱۰۹)

امام مالکؒ کا موطا پر لازمی عمل کرانے کی مخالفت کرنا

حضرات ائمہ میں حضرت امام مالکؒ اہل مدینہ کی روایت کردہ احادیث کے

سلسلہ میں سب سے زیادہ ثقہ اور صحیح الاسناد سمجھے جاتے تھے۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلوں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و فقہاء سبعہ علیہم الرحمۃ کے اقوال کے سب سے بڑے عالم بھی تھے۔ آپ کے ذریعہ اور آپ ہی جیسے دوسرے ائمہ سے علم روایت و فتویٰ کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ آپ نے حدیث و افتاء کی بیش بہا خدمت کی اور موطا جیسی گرانقدر کتاب تالیف فرمائی۔ جس میں اہل حجاز کی قوی احادیث اور مستند اقوال صحابہ و فتاویٰ تابعین جمع کر دیئے اور اس کے بہترین فقہی ابواب قائم فرمائے۔ یہ موطا آپ کی چالیس سالہ جانفشانیوں کا ثمرہ ہے۔ ستر معاصر علماء حجاز نے بھی اس کی تائید و موافقت فرمائی۔ اس کے باوجود خلیفہ وقت منصور نے جب اس کے چند نسخے دوسرے شہروں اور ملکوں میں بھیجنے کا ارادہ کیا تا کہ لوگ اس فقہ پر عمل کریں اور پیدا شدہ اختلافات ختم ہو جائیں تو سب سے پہلے آپ نے اس خیال کی مخالفت فرمائی اور فرمایا، امیر المؤمنین آپ ایسا نہ کریں لوگوں تک بہت سی باتیں اور احادیث و روایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ کو اپنا چکے ہیں جس سے خود ہی اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ اور اب اس اقدام سے مزید اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ اس لئے انھوں نے اپنے لئے جو اختیار کر لیا ہے اس پر انھیں آپ چھوڑ دیں۔ خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا۔

”ابو عبد اللہ آپ کو اللہ اور توفیق بخشے۔“ (اسلام میں اختلاف کے اصول و

آداب۔ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ: ۳۳۵)

یہ امام کتنا جلیل القدر ہے جو بغیر رضامندی کے اس کتاب پر دعوت عمل کا اقدام بھی نہیں کرنے دیتا جس میں اس نے اپنی سنی ہوئی سب سے اچھی احادیث

اور اپنا محفوظ وقوی علم ودیعت کر دیا تھا جس پر اہل مدینہ اور بہت سے معاصر علماء کا بھی اتفاق تھا۔ (حوالہ بالا)

مکتوب امام لیث بن سعد بنام امام مالکؒ

غالباً ادب اختلاف کی سب سے اچھی اور بہترین مثال وہ مکتوب ہے جسے فقیہ وعالم مصر حضرت امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھیجا۔ کمال ادب کے ساتھ اس میں آپ نے ان سب مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں ان دونوں حضرات کا اختلاف تھا۔ یہ مکتوب کافی طویل ہے اس لئے اس کا صرف انتخاب یہاں پیش کیا جا رہا ہے جس سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس امت کے اسلاف اور حضرات علماء وفقہاء نے کن آداب اختلاف کے سائے میں پرورش پائی تھی حضرت لیث بن سعد فرماتے ہیں:

”آپ پر سلامتی ہو۔ اس خدا کی حمد و ثنا جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد دعا ہے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو اپنی عافیت میں رکھے اور دنیا و آخرت میں انجام بخیر فرمائے۔ آپ کا مکتوب ملا جس میں آپ نے صحت احوال و خیریت کا ذکر کیا ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ اسی طرح رکھے اور اپنے فضل و احسان سے مزید حمایت و نصرت فرمائے۔“

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

”میرے کچھ ایسے فتاویٰ کا آپ کو علم ہوا ہے جس کے خلاف آپ کے یہاں لوگوں کا عمل ہے اور یہ کہ فتاویٰ میں اپنے اوپر اعتماد کرنے سے مجھے ڈرنا چاہئے۔ سبھی لوگ اہل مدینہ کے تابع ہیں جہاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ہوئی اور جہاں نزول قرآن ہوا۔ آپ نے جو کچھ لکھا درست اور بجا ہے۔ انشاء اللہ میرے اوپر آپ کی تحریر کا وہی اثر ہوا جو آپ چاہتے ہیں۔ میں شاذ فتاویٰ کی ناپسندیدگی، گذشتہ علماء مدینہ کی افضلیت تسلیم کرنے اور ان کے متفقہ فتاویٰ قبول کرنے میں کسی عالم کو اپنے سے زیادہ نہیں پاتا جس پر اللہ رب العالمین کا شکر ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔“

پھر امام لیث بن سعد اپنے اور امام مالک کے درمیان عمل اہل مدینہ کی حجیت کے وجوہ اختلاف بیان کرتے ہیں اور اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

”بہت سے اسلاف جنہوں نے درسگاہ نبوت میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پائی وہ جہاد کرتے ہوئے زمین کے شرق و غرب میں پھیل گئے۔

حضرات تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں بھی بہت سی چیزوں میں اختلاف ہے۔ جیسے ربیعہ ابن ابی عبد الرحمن۔“
ان کے بعض مآخذ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا:

”محمد اللہ اس کے باوجود ربیعہ کے یہاں بڑی بھلائی، اصیل عقل، بلیغ زبان، واضح فضیلت، اسلام کا اچھا راستہ، اپنے بھائیوں کیلئے عام طور پر اور ہمارے لئے خاص طور پر سچی محبت ہے۔ اللہ انھیں رحمت و مغفرت سے نوازے اور ان کے اعمال کی جزائے خیر دے۔“

اس کے بعد اپنے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان کئی اختلافی مسائل کی مثالیں دیں۔ جیسے: الجمع لیلة المطر، القضاء بشاہد ویمین، مؤخر

الصدق لا يقبض الا عندا الفراق، تقديم الصلوة على خطبة في الاستسقاء وغيره.

آخر میں لکھتے ہیں:

”اس طرح کی بہت سی دوسری چیزوں کا میں نے ذکر نہیں کیا۔ اللہ آپ کو خیر و صلاح عطا فرمائے، زیادہ دنوں باقی رکھے، کیونکہ اسی میں لوگوں کی بھلائی ہے اور آپ کے چلے جانے سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہے۔ دوری کے باوجود آپ کے مقام و مرتبہ سے آشنا ہوں۔ آپ کے سلسلہ میں میری رائے اور یہ قدر منزلت ہے۔ اپنے اور اہل و عیال کے حالات سے یا کوئی ضرورت ہو تو مجھے باخبر فرماتے رہیں۔ مجھے مسرت ہوگی۔ اللہ مجھے اور آپ کو اپنی عافیت میں رکھے۔ فالحمد للہ! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نے ہم سب کو جو نعمت دے رکھی ہے اس کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔“

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب۔ بحوالہ اعلام الموقعین: ۸۳ تا ۸۸، والفکر الاسلامی: ۳۷۰ تا ۳۷۲)

امام اعظمؒ اور امام مالکؒ

مسا لک ائمہ کا جو ہم نے جائزہ لیا ہے اور ہر ایک کے اصول و ضوابط میں جو فرق ہے اس میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان کافی اختلاف ہے اور دونوں میں عمر کا بھی تفاوت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پندرہ برس بڑے ہیں اس کے باوجود

ایک دوسرے کے احترام میں کوئی چیز مانع نہ ہو سکی۔ اور فقہ میں اختلاف مناجح ہوتے ہوئے بھی ادب کا پہلو ہی غالب رہا۔ قاضی عیاضؒ المدارک میں فرماتے ہیں:

”حضرت امام لیث بن سعدؒ نے بیان فرمایا کہ ایک روز میں نے مدینہ طیبہ میں امام مالکؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ابوحنیفہؒ سے گفتگو کر کے میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اے مصری! وہ واقعی فقیہ ہیں۔“

امام لیث مصری نے کہا:

”اس کے بعد میں نے ابوحنیفہؒ سے ملاقات کر کے کہا اس شخص امام مالکؒ نے آپ کے بارے میں کتنی اچھی بات کہی۔ تو آپؒ نے فرمایا۔ صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں ان سے تیز خاطر آدمی میں نے نہیں دیکھا۔“

(اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب بحوالہ الانتقاء)

اسماعیل بن فدیك رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”میں نے حضرت امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ حضرت امام اعظمؒ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں اور دونوں چل رہے ہیں اور باہمی گفتگو بھی جاری ہے حتیٰ کہ جب دونوں مسجد کے دروازے پر پہنچ گئے تو میں نے دیکھا کہ امام مالکؒ نے امام اعظمؒ کا احترام کرتے ہوئے انھیں مسجد میں داخل ہوتے وقت آگے کیا اور خود پیچھے داخل ہوئے۔“ (امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۵۳)

امام مالکؒ اور امام ابن عیینہؒ

سفیان ابن عیینہؒ، حضرت امام مالکؒ کے ہم عصر اور ان کے ہمسر تھے۔
حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: حضرت امام مالکؒ اور ابن عیینہؒ دونوں
معاصر ہیں۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو علم حجاز رخصت ہو جاتا۔
اس کے باوجود روایت ہے کہ حضرت سفیان ابن عیینہؒ نے ایک بار ایک
حدیث ذکر کی تو ان سے کہا گیا کہ اس حدیث میں امام مالکؒ آپ سے اختلاف رکھتے
ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: ”مالکؒ سے مجھے ملا رہے ہیں کہاں میں اور کہاں وہ؟
دونوں کا کیا مقابلہ؟“

سفیان ابن عیینہؒ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:
”قریب ہے کہ لوگ طلب علم میں سفر کریں گے تو عالم مدینہ
سے بڑا کوئی عالم نہ پائیں گے۔ سفیان سے پوچھا گیا وہ کون عالم
ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: وہ مالک ابن انس ہیں۔ اور کہتے تھے ان
کے پاس صحیح حدیث ہی پہونچتیں، ثقہ راویوں سے وہ حدیثیں لیتے۔
میں دیکھ رہا ہوں کہ مدینہ میں ان کے بعد علمی ویرانی چھا گئی۔“
(اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب۔ بحوالہ الانتقاد: ۲، ایضاً)

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ

دونوں حضرات جلیل القدر امام ہیں اور فقہی مسائل میں دونوں کے درمیان
کافی اختلاف ہے۔ اس کے باوجود حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:



”مالک ابن انسؒ میرے استاد ہیں۔ ان سے میں نے علم حاصل کیا۔ علماء کا جب ذکر کیا جائے تو وہ ستارے ہیں۔ میری نزدیک ان سے زیادہ کوئی قابل اطمینان نہیں۔“
اور یہ بھی فرماتے ہیں:

”جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے حدیث آئے تو اسے مضبوطی سے تھام لو۔ ان کو جب حدیث میں شک ہوتا تو اسے مکمل چھوڑ دیتے۔“

حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے بارے میں حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات

شعبہ بن حجاج کا ارشاد:

حضرت شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔ مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت عزت و تکریم فرماتے تھے اور ان کے مقام و مرتبہ کے مداح تھے۔ دونوں حضرات میں محبت و مودت تھی اور مراسلت بھی۔ وہ امام ابوحنیفہ کی تائید و توثیق فرماتے اور ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کیا کرتے تھے اور ان کو جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا:

”آپ (امام ابوحنیفہؒ) کے ساتھ فقہ کوفہ بھی رخصت ہو گیا۔

انھیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازے۔“ (حوالہ بالا)

قول احمد مکی خوارزمی: احمد کی خوارزمی فرماتے ہیں:

أَيَا جَبَلِي نَعْمَانُ إِنَّ حَصَاكُمَا

لَيُحْصَى وَلَا يُحْصَى فَضَائِلُ نَعْمَانُ

[اے دونوں پہاڑ نعمان بیشک تمہاری کنکریاں شمار کی جاسکتی ہیں لیکن نعمان

بن ثابت (امام اعظمؒ) کے فضائل شمار نہیں کئے جاسکتے۔]

قول شداد بن حکیم: شداد بن حکیمؒ فرماتے تھے:

”میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔“

قول مکی ابراہیمؒ: مکی ابراہیمؒ فرماتے تھے:

”ابوحنیفہؒ اپنے اہل زمانہ میں سب سے زیادہ عالم تھے۔“

قول ابن جریجؒ: ابن جریجؒ کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر پہنچی تو انھوں

نے ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا۔ اور فرمایا:

”اس شخص کے فوت ہونے سے علم کا بڑا حصہ جاتا رہا۔“

قول عبد اللہ بن داؤد: عبد اللہ بن داؤدؒ نے فرمایا:

”جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو سفیان ہیں اور

آثار یا حدیث کے دقائق یا موشگافیوں کو معلوم کرنا ہو تو ابوحنیفہؒ ہیں۔“

عبد اللہ بن داؤدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

”اہل اسلام پر اپنی نماز میں ابوحنیفہؒ کے لئے دعا کرنا واجب

ہے کیونکہ انھوں نے لوگوں کے واسطے سنن اور آثار کو محفوظ کر دیا ہے۔“

قول احمد ابن حنبلؒ: امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

”ابوحنیفہؒ علم، تقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس مقام پر

تھے جہاں کوئی نہیں پہنچا۔“

قول عبد اللہ بن مبارک: عبد اللہ بن مبارکؒ نے فرمایا:

”بجز امام ابوحنیفہؒ کے کوئی زیادہ حقدار نہیں کہ اس کا اقتداء کیا

جائے کیونکہ وہ امام و متقی و پرہیزگار اور عالم فقیہ تھے۔ علم کو انھوں نے

ایسا کھولا کہ کوئی نہیں کھول سکا۔“

قول خلف ابن ایوب: خلف بن ایوبؒ سے منقول ہے۔ انھوں نے فرمایا:

”خدا تعالیٰ سے علم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچا اور ان سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اور ان سے تابعین اور تابعینؒ سے ابوحنیفہؒ گویا جو چاہے راضی رہے یا غصہ ہو۔“

قول سفیان ثوری: سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ:

”جیسے باز کے سامنے چڑیوں کی حالت ہوتی ہے ویسی ہی ابوحنیفہؒ کے سامنے ہماری حالت تھی اور بلاشبہ ابوحنیفہؒ علماء کے سردار ہیں۔“

قول سلیمان: سلیمانؒ سے منقول ہے:

”کہ ”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَظْهَرَ الْعِلْمُ“ [قیامت نہیں قائم ہوگی حتیٰ کہ علم ظاہر ہو جائے۔] کی تفسیر میں انھوں نے فرمایا ہے کہ یہاں علم سے امام ابوحنیفہؒ کا علم مراد ہے۔“

قول امام شعرانی مالکی: حضرت امام شعرانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے

”میزان کبریٰ“ میں لکھا ہے: کہ

”امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی کثرت علم و ورع و عبادت و دقت مدارک و استنباط پر سلف و خلف نے اجماع کیا ہے۔“

قول ابراہیم بن عکرمہ مخزومی: ابراہیم بن عکرمہ مخزومیؒ سے

مروی ہے۔ وہ فرماتے تھے: کہ

”میں نے اپنی تمام عمر میں کوئی عالم امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ پرہیزگار زاد، زیادہ عبادت گزار، زیادہ علم والا نہیں دیکھا۔“

قول شفیق بلخی: شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”امام ابوحنیفہؒ لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار، سب سے زیادہ کریم النفس، اور دین میں بڑی احتیاط کرنے والے تھے۔“

قول عبد اللہ بن مبارک: عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:

”میں نے کوفہ میں داخل ہو کر وہاں کے لوگوں سے سوال کیا: تمہارے شہر میں کون شخص سب سے زیادہ علم والا ہے؟ سب نے کہا: امام ابوحنیفہؒ۔ پھر میں نے پوچھا: سب سے زیادہ پرہیزگار کون شخص ہے؟ سب نے کہا: امام ابوحنیفہؒ۔ پھر میں نے پوچھا: سب سے زیادہ زاہد کون ہے؟ سب نے کہا: امام ابوحنیفہؒ۔ پھر میں نے پوچھا: سب سے زیادہ عابد اور علم کا شغل رکھنے والا کون ہے؟ سب نے کہا: امام ابوحنیفہؒ۔ پس اخلاق حسنہ و محمودہ میں سے میں نے کوئی صفت نہیں پوچھی مگر سب نے یہی کہا کہ بجز امام ابوحنیفہؒ کے، ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس وصف کے ساتھ پیدا ہوا ہو۔“

قول امام شافعی: امام شافعیؒ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا:

”لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں کیونکہ میں نے ان سے زیادہ کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔“

اور امام شافعیؒ سے یہ بھی مروی ہے: کہ

”جو شخص ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ تو علم میں تبحر ہوگا

اور نہ فقیہ ہوگا۔“

قول امام وکیع: امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”میں نے کسی ایسے شخص سے جو ابوحنیفہ سے زیادہ افقہ اور

اچھی نماز پڑھنے والا ہو ملاقات نہیں کی۔“

قول یحییٰ سعید القطان: ”تکلی ابن معینؒ فرماتے ہیں: کہ میں نے تکلی سعید

القطان کو فرماتے سنا:

”ہم جھوٹ نہیں بولتے ہم نے ابوحنیفہؒ سے کوئی احسن رائے

نہیں دیکھا، ہم اکثر ابوحنیفہ کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔“

قول یحییٰ بن معینؒ: ”تکلی بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ

”میرے نزدیک قرأتوں میں ہمزہ کی قرأت اور فقہ میں امام

ابوحنیفہؒ کا فقہ عمدہ ہے۔“

قول محمد بن بشرؒ: ”نافع الکبیر میں خطیب بغدادی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ

محمد بن بشرؒ کہتے ہیں: کہ

”میں ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے پاس جایا کرتا تھا۔ پس

جب ابوحنیفہؒ کے پاس آتا اور وہ مجھ سے پوچھتے: کہاں سے آیا ہے؟ تو

میں کہتا کہ سفیان کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ فرماتے: تو ایسے شخص کے

پاس سے آیا ہے کہ اگر علقمہ اور اسود موجود ہوتے تو اس کے ضرور محتاج

ہوتے۔ اور جب میں سفیان کے پاس آتا اور وہ مجھ سے پوچھتے: کہ

کہاں سے آیا ہے؟ تو میں کہتا: کہ ابوحنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ

فرماتے تو افقہ اہل ارض کے پاس سے آیا ہے۔“

قول سہل بن عبد اللہ تستریؒ: ”سہل بن عبد اللہ تستریؒ سے منقول

ہے وہ فرماتے ہیں: کہ

”اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی امت میں امام ابوحنیفہؒ جیسا کوئی شخص غزیرا علم، ثاقب الفہم قائم بالصدق اور عارف بالحق ہوتا تو ان کی امت یہودی و نصرانی نہ ہوتی۔“

قول مسعر بن کدائم: مسعر بن کدائم جن سے صحاح ستہ میں روایتیں لی گئی

ہیں اور جو سفیان ثوری و سفیان بن عیینہ کے استاد ہیں فرماتے ہیں:

”جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کو وسیلہ کر لے اور ان کے مذہب پر چلا چلے، میں امید کرتا ہوں کہ اس کو کچھ خوف نہ ہوگا۔“

اور یہ بھی فرمایا:

حَسْبِي مِنَ الْخَيْرَاتِ مَا أَعَدَّ اللَّهُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي رِضَى الرَّحْمَنِ
دَيْنُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْوَرَى
ثُمَّ اعْتَقَادِي مَذْهَبَ النُّعْمَانِ

[کافی ہیں مجھ کو وہ نیکیاں قیامت کے روز جو میں نے خدا کی رضامندی کیلئے تیار کر رکھی ہیں یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جو مخلوق میں سب سے بہتر ہیں پھر اس کے بعد میرا اعتقاد مذہب ابوحنیفہ نعمان کا ہے۔]

قول علی بن عاصم: ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ نے نقل کیا ہے کہ علی بن عاصم نے فرمایا ہے:

”اگر ابوحنیفہ کی عقل کو نصف اہل ارض کی عقل کے ساتھ

وزن کیا جائے تو البتہ ان پر غالب آجائے۔“

قول یزید بن ہارون: یزید بن ہارون فرماتے ہیں:

”میں نے ہزار شیوخ سے پڑھا اور علم حاصل کیا لیکن قسم بخدا

میں نے ابو حنیفہؒ سے زیادہ پرہیزگار اور ان سے زیادہ حفظ والا اور ان

سے زیادہ عقل والا نہیں دیکھا۔“

قول امام شافعی: خیرات الحسان میں لکھا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ

”ابو حنیفہؒ سے زیادہ عقل کوئی آدمی پیدا نہیں ہوا۔“

قول امام مالک: تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے۔ ایک دفعہ امام مالکؒ سے

امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا حال پوچھا۔ انھوں نے فرمایا:۔

”وہ ایسے شخص ہیں کہ اگر تم ان سے اس ستون کی نسبت بات

چیت کرو اور وہ چاہیں کہ اس کو سونے کا ثابت کریں تو البتہ وہ دلائل

سے ثابت کر دیں گے۔“

اشعار عبداللہ بن مبارک فی مدح ابی حنیفہ

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا

إِمَامُ الْمُسْلِمِينَ أَبُو حَنِيفَةَ

بِأَثَارٍ وَفَقْهِ فِي حَدِيثٍ

كَآيَاتِ الزُّبُورِ عَلَى صَحِيفَةٍ

فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهُ نَظِيرٌ

وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوفَةٍ

يَبِيتُ مُشَمَّرًا سَهْرًا لِّلَّيَالِي
وَصَامَ نَهَارَهُ لِلَّهِ حَنِيفَةً
فَمَنْ كَابَى حَنِيفَةً فِي عِلَاهُ
إِمَامٌ لِّلْخَلِيفَةِ وَالْخَلِيفَةُ
رَأَيْتُ الْعَائِبِينَ لَهُ سَفَاهَا
خِلَافَ الْحَقِّ مَعَ حُجَجٍ ضَعِيفَةٍ
وَكَيْفَ يَحِلُّ أَنْ يُودَى فَقِيهُهُ
لَهُ فِي الْأَرْضِ اثَارُ شَرِيفَةٍ
فَقَدْ قَالَ ابْنُ إِدْرِيسٍ مَقَالاً
صَحِيحُ النَّقْلِ فِي حُكْمِ لَطِيفَةٍ
بِأَنَّ النَّاسَ فِي فَقْهِ عِيَالٍ
عَلَى فَقْهِ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةٍ
فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمَلٍ
عَلَى مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةٍ

ترجمہ اشعار: شہروں اور شہروں میں رہنے والوں کو یقیناً مزین کر دیا،

مسلمانوں کے امام ابو حنیفہؒ نے، آثار اور فقہ فی الحدیث کے ذریعہ، جو صحیفہ پر
آیات زبور کے مثل (روشن) ہیں۔ پس نہ مشرقین میں اس کی نظیر ہے، نہ
مغربین میں اور نہ کوفہ میں، مستعدی کے ساتھ راتوں کو جاگ کر گزارتے
ہیں، اور دونوں میں خالص اللہ کے لئے روزہ رکھتے ہیں۔ پس بلندی مرتبہ
میں ابو حنیفہؒ کے مثل کون ہو سکتا ہے؟ جو مخلوق کا امام بھی ہے اور خلیفہ بھی، اس

کو عیب لگانے والوں کو میں نے بے وقوف پایا ہے، جو حق کے خلاف کمزور دلیلوں کے ساتھ (عیب لگاتے ہیں)۔ اور کیسے حلال ہو سکتا ہے کہ ایسے عظیم الشان فقیہ کو ایذا پہنچائی جائے، روئے زمین میں جس کے شریف آثار موجود ہیں۔ ابن ادریس (امام شافعیؒ) نے کتنی اچھی بات کہی ہے، جو صحیح النقل اور لطیفہ کے حکم میں ہے، کہ بے شک لوگ فقہ میں، امام ابوحنیفہؒ کے فقہ کے محتاج ہیں، پس ریت اور کنکریوں کی تعداد کے برابر ہمارے رب کی لعنت ہو، اس شخص پر جو ابوحنیفہؒ کے قول کو (بلا دلیل) رد کرے۔

یہ تمام اقوال حدائق الحنفیہ سے نقل کئے گئے ہیں۔ حدائق الحنفیہ میں ان اقوال کے حوالے موجود ہیں۔ اختصار کی وجہ سے یہاں ترک کر دیا گیا۔

تنبیہ: ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان اقوال سے وہ غیر مقلدین عبرت حاصل کریں۔ جو اردو کے دور رسائل دیکھ کر مجتہد بن بیٹھتے ہیں اور ”ہچمو دیگرے نیست“ کا نعرہ بلند کرنے لگتے ہیں اور اسلام کی اس عظیم شخصیت کو ہدف ملامت بناتے ہیں جن کی مدح و توصیف میں اکابرین محدثین اپنے فضل و کمال کے باوجود رطب اللسان ہیں، وہ ان اقوال میں غور کریں اور اپنے انجام کی فکر کریں۔ اللہ پاک صحیح فہم اور عقل سلیم عطا فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی و ضلالت سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

یہ اقوال ائمہ حدیث کے ہیں جو مسلک امام ابوحنیفہؒ کی بہت سی باتوں کے خلاف ہیں پھر بھی ان حضرات نے آپ کی تعریف و توصیف کی اور آپ کے اندر پائی جانے والی خوبیوں کا ذکر کرتے رہتے کیونکہ انھیں یہ یقین تھا کہ ان اختلافات کا سبب نہ نفسانیت ہے اور نہ تفوق و برتری کی خواہش بلکہ سبھی کا مقصود حق کی تلاش و جستجو ہے۔



اللہ تعالیٰ ان سبھی ائمہ کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

یہ ادب جمیل اور اخلاق فاضلہ نہ ہوتے تو بہت سے علماء سلف کا فقہ منتشر اور ناپید ہو جاتا۔ ایک دوسرے کا دفاع وہ اسی لئے کرتے تھے کہ اس امت کے فقہ کی حفاظت کا یہی طریقہ ہے اور اسی فقہ کے سائے میں اس کی زندگی کو صحیح ہدایت و استقامت ملتی رہے گی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

ابن عیینہ کا ارشاد: امام ابن عیینہؒ اپنی جلالت شان کے باوجود تفسیر و فتویٰ کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے:

”یہ اپنے وقت کا سب سے بہتر نوجوان ہے۔“

اور آپ کی وفات کی خبر پا کر فرمایا:

”اگر محمد بن ادریس کا انتقال ہو گیا تو اپنے زمانہ کا سب سے

بہتر شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔“

یحییٰ بن سعید قطان کا ارشاد: ”تکلی ابن سعید قطانؒ فرماتے ہیں:

”میں اپنی نماز میں بھی امام شافعیؒ کیلئے دعا کیا کرتا ہوں۔“

عبد اللہ بن حکم کا ارشاد: عبد اللہ بن حکم اور ان کے لڑکے مسلک امام

مالک کے پیروکار تھے لیکن انھوں نے اپنے لڑکے محمد کو وصیت کی کہ امام شافعیؒ

کی خدمت میں لگے رہیں۔ انھوں نے فرمایا:

”اس شیخ (امام شافعیؒ) کے ساتھ لگے رہو، ان سے بڑا عالم

اصول (یا اصول فقہ) میں نے نہیں دیکھا۔“

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل بھی کیا۔

انھوں نے خود کہا:

”اگر امام شافعیؒ نہ ہوتے تو میں بھی نہ جانتا کہ کیسے کسی کا

جواب دیا جائے۔ سب کچھ میں نے انہیں سے سیکھا اور جانا، انہوں نے ہی مجھے قیاس سکھایا۔ اللہ! ان پر رحم فرمائے۔ وہ صاحب حدیث و سنت تھے۔ فضل و خیر کے جامع تھے۔ ان کی زبان فصیح اور عقل محکم اور ہمہ گیر تھی۔“ (حوالہ بالا)

امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ

عبداللہ بن امام احمدؒ نے ایک روز عرض کیا: کہ والد محترم! شافعی کون شخص ہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

”بیٹے! شافعی پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ وہ اس دنیا کے لئے آفتاب اور انسانوں کے لئے باعث خیر و برکت تھے۔ کیا ان دونوں چیزوں کا عوض اور وارث ہو سکتا ہے؟“

اور ایک روز صالح بن امام احمدؒ نے کہا: یحییٰ بن معین نے اپنی ایک ملاقات میں مجھ سے پوچھا: کیا آپ کے والد شرماتے نہیں وہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: کیا بات ہے؟

تب انہوں نے کہا: میں نے انہیں شافعی کے ساتھ دیکھا کہ وہ سوار ہیں اور یہ ان کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔

یہ بات سن کر میں نے والد صاحب سے پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا: ان سے جب ملاقات ہو تو کہنا۔ میرے باپ کہہ رہے تھے کہ اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف سے ان کی رکاب تھام لو۔ (ایضاً)

ابو حمید ابن احمد بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے ایک مسئلہ پر مذاکرہ کر رہا تھا۔ ایک شخص نے آپ سے کہا: اے ابو عبد اللہ! اس میں حدیث صحیح نہیں۔

آپ نے فرمایا: اگرچہ اس میں حدیث صحیح نہیں مگر امام شافعیؒ اس سلسلہ میں یہی کہتے ہیں اور اس میں آپ کی حجت سب سے قوی ہے۔

احمد نے کہا: میں نے شافعی علیہ الرحمۃ سے پوچھا: کہ فلاں فلاں مسئلہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے ان کے جوابات دیئے۔

میں نے عرض کیا: اس کا ماخذ کیا ہے؟ کوئی آیت یا حدیث ہے؟
کہا: ہاں! پھر ایک حدیث دکھائی۔

(آداب الشافعی ومنابعہ ص ۸۶، ۸۷، حاشیہ آداب الشافعی ومنابعہ ص ۸۶)
امام احمدؒ کہتے تھے: جب مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس میں کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا تو کہہ دیتا کہ شافعیؒ یہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ قریش کے امام عالم ہیں۔ (الانقضاء: ۷۵)

دادو بن علی اصہبائی فرماتے ہیں: کہ میں نے اسحق بن راہویہؒ کو یہ کہتے سنا مجھ سے مکہ مکرمہ میں احمد بن حنبل ملے اور کہا: آئیے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے ایسا آدمی نہ دیکھا ہوگا۔ اس کے بعد انھوں نے امام شافعیؒ کو دکھایا۔ امام شافعیؒ کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کی یہ رائے تھی۔ اور اگر شاگرد اپنے استاذ کا گرویدہ اور اس کے فضل و کمال کا معترف و مداح ہو تو کوئی جائے تعجب نہیں؛ لیکن اس نسبت تلمذ کے باوجود خود امام شافعیؒ امام احمدؒ کی فضیلت اور علم سنت کا اعتراف کرتے تھے اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بار فرمایا:

”تم لوگ حدیث و رجال کے مجھ سے بڑے عالم ہو۔
 حدیث جب صحیح ہو تو مجھے بتاؤ خواہ وہ کوئی ہو، بصری ہو، شامی ہو۔ اگر
 صحیح ہوگی تو میں اختیار کر لوں گا۔“ (الانتقاء: ۷۵)
 امام شافعیؒ جب امام احمدؒ سے روایت بیان کرتے تو تعظیماً ان کا نام نہ لیتے
 بلکہ کہتے:

حَدَّثَنَا الثَّقَةُ مِنْ أَصْحَابِنَا وَأُنْبَأَنَا الثَّقَةُ وَأَخْبَرَنَا الثَّقَةُ۔

(مناقب الامام احمد لابن الجوزی، ص ۱۱۶)

اس سرسری جائزہ اور طائرانہ نظر ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرات اسلاف
 کن آداب عالیہ اور اخلاق فاضلہ کے حامل تھے جن پر اختلاف اجتہاد کا کوئی مضراثر
 نہیں ہوا کرتا تھا۔

یہ گرانقدر آداب ان شخصیتوں کے ہیں جنہوں نے درس گاہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 سے منسلک ہو کر تکمیل علوم کی۔ اس لئے نفسانیت ان پر کہیں غلبہ نہ پاسکی۔ ان ائمہ کرام
 کے بلند کردار، لطیف علمی مباحثے جن پر ادب رفیع اور اسلامی اخلاق کا سایہ فگن رہا۔
 ان کے بے شمار نمونوں سے طبقات و تراجم، فضائل و مناقب اور تاریخ کی کتابیں بھری
 ہوئی ہیں۔

آج جبکہ ہمارے سبھی مسائل و معاملات اختلاف و انتشار کا شکار ہیں ایسے
 نازک دور میں ہمیں سکونِ قلب کے لئے اسی شجر سایہ دار کا سہارا لینا چاہئے اور انہیں
 مبارک آداب اور اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کر لینا چاہئے جنہیں اسلاف کرام
 ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سنجیدہ کوشش کا صرف یہی ایک
 ذریعہ ہے۔ (اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب: ۱۲۴)

حضرات اکابر علمائے دیوبند

حضرات اکابر علمائے دیوبند بھی ہمیشہ سے ان آداب کے پابند تھے، اور اخلاف رائے کے باوجود ہمیشہ ایک دوسرے کا احترام و تعظیم کا پورا خیال رکھتے تھے، ہم ذیل میں بعض حضرات کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے حضرات اکابر کیا تھے؟ اور ہم کیا ہیں؟

سید احمد شہید^{رح}

تکبیر اولیٰ فوت ہونے پر تنبیہ

حضرت سید احمد شہید صاحب قدس سرہ نے شادی کی۔ نماز فجر میں کچھ دیر سے تشریف آوری ہوئی۔ مولانا عبدالحی صاحب نے سکوت کیا کہ شاید نئی شادی کی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہو۔ اتفاقاً کچھ دیر ہوگئی ہو۔ اگلے دن پھر ویسا ہی ہوا کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہوگئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد

کہا، عبادتِ الہی ہوگی یا شادی کی عشرت۔ سید صاحب چپ رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کر لیا اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریق پر تشریف لانے لگے۔

(آپ بیتی ۶، ص ۲۹۴، بحوالہ تذکرۃ الرشید ص ۲۷۲)

لفظ مردود کہنے پر تنبیہ

ایک دفعہ سید احمد شہیدؒ کی زبان سے ایک خادم کی سخت غلطی پر مردود کا لفظ نکل گیا۔ خادم حضرت کی زبان سے عادت کے خلاف یہ لفظ سن کر متحیر رہ گئے اور حضرت سے عرض کیا۔ آج حضرت کی زبان سے مردود کا لفظ نکل گیا۔ یہ لفظ کسی مسلمان کو کہنا کیسا ہے؟

آپ نے اس سوال کو سن کر دیر تک سکوت فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا: یہ بات کسی مسلمان کو نہیں کہنا چاہئے۔ یہ کلمہ میری زبان سے بے اختیاری میں بے ساختہ نکل گیا اور بڑا قصور ہوا اور تم بھائیوں نے خوب کیا جو اس قصور سے مجھ کو آگاہ کیا۔ اور پھر ان صاحب کو بلا کر سب کے سامنے معافی مانگی۔ ان کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا، ”حاجی صاحب، ہم تمہارے قصور مند ہیں۔ اس وقت غصہ میں بے اختیار ہماری زبان سے مردود کا جو لفظ نکل گیا، ہماری یہ خطا اللہ معاف کر دو اور ہم سے مصافحہ کر لو۔“

(آپ بیتی ۶، ص ۲۹۵، بحوالہ سیرت احمد سید شہید ۳، ص ۵۰۵)

شرک فی النبوت

افاضات یومیہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا اسماعیل شہید صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ میں ایک مسئلہ پر طویل گفتگو

ہوئی۔ بالآخر مولانا شہید صاحبؒ نے معافی چاہی اور عرض کیا کہ مجھ کو آپ کی بات بلا چون و چرا مان لینا چاہئے تھا۔ اس پر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ توبہ کرو۔ یہ تو نبی کا مرتبہ ہے کہ اس کی بات کو بلا چون و چرا مان لیا جائے اور یہ بھی شرک فی النبوت ہے۔ مولانا شہیدؒ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مجھے شرک فی النبوت کے متعلق ایک باب عظیم علم کا مفتوح ہوا۔ (آپ بیتی ۶، ص ۳۱۰، بحوالہ افاضات ۱/۱، ص ۹۱)

مگر افسوس آج ہر شخص اسی کا خواہشمند ہوتا ہے کہ میری بات بلا چون و چرا تسلیم کی جائے اور کوئی مخالفت نہ کرے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ

میلہ میں جانے پر تنبیہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہ ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید صاحب اس زمانے میں ان سے پڑھتے تھے، وہ بھی ان کے ساتھ گئے۔ جب یہ دونوں میلے میں پہنچے تو سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجے میں مولانا شہیدؒ سے فرمایا: آپ نے کس لئے پڑھا تھا، کیا سواد کفار بڑھانے کے لئے آپ کو معلوم ہے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا کفار کے میلہ کی رونق

بڑھائے کس قدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا خاص اثر ہوا۔ اور انھوں نے فرمایا کہ سید صاحب۔ آپ نہایت بجا فرماتے ہیں۔ واقعی یہ میری غلطی ہے اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔ حضرت حکیم الامتؒ اس کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ شاگرد کی نصیحت کو تیز لہجہ میں قبول کر لینا اور عمل کرنا کس قدر مجاہدہ عظیمہ ہے۔ (آپ بیتی: ۶/صفحہ: ۳۰۰، بحوالہ ارواح: ۹۰)

شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ

استاذ الکل حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نور اللہ مرقدہ کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں مواعظ کے ذریعہ اشاعت دین کرتے تھے۔ انھوں نے حدیث لا تُشَدُّ الرِّحَالُ کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگوں پر اثر بھی ہوا۔ اتفاق سے شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کا اس زمانہ میں قصد ہجرت ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے قصد کی ان کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جناب عازم سفر ہجرت ہوں تو اجمیر تشریف نہ لاویں۔ کیونکہ میں حدیث ”لا تُشَدُّ الرِّحَالُ“ کا وعظ کہہ رہا ہوں اور لوگ راہ پر آچلے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اس کے غتر بود ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤں گا لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑے گا اور خولجہ صاحب ہمارے مشائخ میں ہیں اس لئے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا جاؤں۔ جب میں آؤں تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحاق نے غلطی کی جو وہ اجمیر آیا۔ اس کا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگوار ہو مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا اور میں اقرار کر لوں گا کہ واقعی میری غلطی ہے اس سے وہ ضرر دفع

ہو جائے گا جس کا تم کو اندیشہ ہے۔ اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں۔ رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔
(آپ بیتی ۶، ص ۳۰۱، بحوالہ ارواح ص ۱۱۷)

حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی نور اللہ مرقدہ

دور کی گالیوں کا کیا ہے

ارواحِ ثلاثہ میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا محمد تکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولوی تکی! احمد رضا خاں مدت سے میرا ذکر رہا ہے، ذرا اس کی تصنیف ہمیں بھی سنادو۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے فرمایا، کیوں؟ میں نے عرض کیا حضرت! ان میں تو گالیاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا، اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے؟ پڑی گالیاں ہوں تم سناؤ، آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم رجوع کر لیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت حکیم الامتؒ اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اس کے طلب و اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر متغیر نہ ہوں اور مولانا تکی کا یہ کہنا کہ مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔
”ہو کقول علی لا امحوک“ (آپ بیتی ۶، ص ۳۰۱، بحوالہ ارواح ثلاثہ)

مولود شریف میں شرکت سے انکار

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے افاضاتِ یومیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ میں نے اپنے ابتدائی استاذ مولانا فتح محمد صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک بار جبکہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بمقام مکہ معظمہ حاضر تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس مولود شریف کا بلاوا آیا۔ حضرت نے مولانا سے پوچھا مولوی صاحب چلو گے۔ مولانا نے فرمایا کہ نا حضرت میں نہیں جاتا کیونکہ ہندوستان میں لوگوں کو منع کیا کرتا ہوں۔ اگر میں یہاں شریک ہو گیا تو وہاں کے لوگ کہیں گے وہاں بھلے شریک ہو گئے تھے۔ حاجی صاحب نے بجائے برا ماننے کے مولانا کے اس انکار کی بہت تحسین فرمائی اور فرمایا میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا تمہارے نہ جانے سے خوش ہوں۔ اب دیکھئے پیر سے زیادہ کون محبوب و معظم ہوگا۔ مگر دین کی حفاظت ان کے اتباع سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے دونوں کے ظاہری تعارض کے وقت اسی کو ترجیح دی۔ واقعی حفاظت دین بڑی نازک خدمت ہے۔ سارے پہلوؤں پر نظر رکھنی پڑتی ہے کہ نہ چھوٹوں کو نقصان پہنچے، نہ بڑوں کے ساتھ جو عقیدت ہونی چاہئے اس میں فرق آئے۔

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد

حاجی محمد اعلیٰ انبھوی نے حج سے واپس آ کر یہ مشہور کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ کو سماع کی اجازت دے دی ہے۔ کسی نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے یہ روایت نقل کی۔ مولانا نے سن کر فرمایا کہ وہ غلط کہتے ہیں اور اگر وہ صحیح کہتے ہیں تو حاجی صاحب

غلط کہتے ہیں۔ ایسے مسائل میں خود حاجی صاحب کے ذمہ ہے کہ وہ ہم سے پوچھ کر عمل کریں۔ البتہ اصلاحِ نفس کے مسائل میں ہمارے ذمہ ہے حضرت حاجی صاحبؒ کا اتباع۔ اس ارشاد پر عوام میں بڑا چرچا ہوا مگر اس مفسدہ کا جو، ان صاحب کی روایت سے ہوتا بالکل انسداد ہو گیا۔ تو مولانا نے حفاظتِ دین کے مقابلہ میں اپنی بدنامی کی بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ لوگوں نے حضرت حاجی صاحبؒ تک یہ شکایتیں پہنچائیں مگر وہاں بھلا کیا اثر ہوتا، گواہوں کو شکایت ہوئی مگر حضرت پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

(آپ بیتی ۶، ص ۳۰۳، بحوالہ افاضات)

مولانا نصیر الدینؒ کا اپنے شیخ سے اختلاف

مولانا نصیر الدینؒ چراغِ صاحبؒ کو اپنے شیخ حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ سماع میں اختلاف تھا۔ مزامیر کے ساتھ تو وہ بھی نہ سنتے تھے لیکن مولانا نصیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلا مزامیر سننے کو بھی خلاف سنت سمجھتے تھے۔ کسی نے کہا: کہ سلطان جی تو سماع سنتے تھے۔ مولانا نے جواب دیا: کہ ”فعلِ پیراں حجت نباشد“ [پیروں کا فعل حجت نہیں ہوتا] ان کا یہ قول کسی نے حضرت سلطان جی سے نقل کر دیا تو آپ نے فرمایا: کہ ”نصیر الدین راست می گوید“ [نصیر الدین صحیح کہتا ہے]

سبحان اللہ یہ حضرات تھے دین کے سچے خادم اور سچے عاشق“

وزیرے چنیں شہر یارے چناں

[وزیر ایسا، بادشاہ ایسا]

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

محدث سہارنپوری ومہاجر مدنی قدس سرہ

مولوی احمد حسن سنبھلی سے مکالمہ

حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہ کے متعلق تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ بایں تفقہ (حضرت کے تفقہ کے چند واقعات ذکر کئے ہیں) آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے اور فساد صلوٰۃ بجا ذات النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا۔ حضرت تو حنفیہ کے قول کو قوی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف۔ حضرت نے فرمایا تم پہلے میری تقریر سن لو۔ پھر جو کہنا ہے وہ کہنا۔ مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت کو تکدر ہوا اور لہجہ میں تیزی آ گئی۔ مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آ گئے۔ تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے۔ جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتداء بالسلام کی اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر فرمایا۔ اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہوگی ہو تو معاف فرمادیں۔ ان بندہ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہیں کی۔ (آپ جلد ۶، ص ۳۰۷، بحوالہ تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۷)

تذکرۃ الخلیل میں تو یہ قصہ اتنا ہی نقل کیا ہے لیکن حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو اس واقعہ سے بہت قلق ہوا اور مولوی احمد حسن کو تنبیہ بھی کی کہ اکابر کے سامنے یوں گستاخانہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت تھانویؒ سے مکاتبت

حضرت حکیم الامت قدس سرہ خوان خلیل میں تحریر فرماتے ہیں:

مسجد پیر محمد والی کی سمت جنوب میں جو سہ دری مسجد سے ملی ہوئی ہے اس پر سائبان ڈالا گیا تو مولانا نے اس کے متعلق از خود کچھ تحریر فرمایا جس کا یہاں سے جواب عرض کیا گیا۔ چند بار اس میں مکاتبت ہوئی جس میں کوئی اخیر فیصلہ نہیں ہوا۔ اس مکاتبت کا نام ”مسئلہ اهل الخلة في مسئلة الظلة“ ہے جو ترجیح الراجح کے حصہ دوم کے اخیر میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مکتوب سوم کے شروع میں ایک عجیب دلربا جملہ ہے۔ ”وہی ہذہ“

”گرامی نامہ موجب برکت ہوا۔ کئی روز تک یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں۔ مبادا تکرار موجب بار ہو بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کر دوں۔“

ملاحظہ فرمایا جاوے اس جملہ میں رعایت حق و رعایت خاطر دونوں کو کس طرح جمع فرمایا گیا ہے۔ اس کا اثر احقر پر یہ ہوا کہ اس پر جو عرض کیا گیا باوجودیکہ اس کا جواب نہیں آیا۔ مگر مجھ کو ایک تنبیہ میں اسے لکھنے کی ضرورت ہوئی کہ اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے الی قولی، اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کی جاوے۔ (خوان خلیل: ۷/۹)

حضرت شیخ الہند قدس سرہ

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے حسن العزیز میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ الہند مراد آباد مدرسہ کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وعظ کے لئے اصرار کیا۔ (مولانا وعظ سے بچتے تھے) عذر کیا کہ مجھے عادت نہیں مگر لوگوں نے نہیں مانا۔ آخر مولانا کھڑے ہوئے اور حدیث ”فَقِيْهٌ وَّ اَحَدٌ اَشَدُّ عَلٰی الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ“ پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا یہ ترجمہ غلط ہے۔ اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آئے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ بس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے۔ اور کہا میں پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے اور بعد میں مولانا ان کے پاس آئے اور پوچھا کیا غلطی ہوئی۔ کہا اشد کا ترجمہ اضر ہے نہ کہ اثقل۔ مولانا نے فرمایا: حدیث کیفیت وحی میں بھی یہ لفظ ہے ”وَيَا تَيْنِيْ اَحْيَانًا كَصُلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهَا عَلَيَّ“۔ وہاں اضر کا ترجمہ کیسے بنے گا۔ بس ان عالم صاحب کی یہ حالت کہ رنگ فق تھا اور سر سے پیر تک عرق میں ڈوبے ہوئے تھے۔ (آپ بقی ۶ ص ۳۰۹، بحوالہ احسن العزیز ص ۲۴۰، ج ۴)

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کا طرز عمل

حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مدت دراز سے مجھ پر عنایت

فرماؤں کی طرف سے بیجا اعتراضوں کی بوچھاڑ ہے جس میں سے اکثر کا سبب تعصب اور تحزب ہے۔ جس کے جواب کی طرف احقر نے اس لئے التفات نہیں کیا کہ میں نے ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھا۔ نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آج کل جواب دینا قاطع اعتراضات نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہو جاتا ہے تو وقت بھی ضائع ہوا اور غایت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ تیسرے مجھ کو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے رہا کئے کہ اس کام کے لئے مجھ کو وقت بھی نہیں مل سکتا تھا۔ چوتھے میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضوں کے جواب دینے میں نیت اچھی نہیں پائی۔ میں اہل خلوص کو کہتا نہیں مگر مجھ جیسے مغلوب النفس کی نیت تو زیادہ یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقدین کم ہو جائیں گے۔ شان میں فرق آجائے گا۔ جس کا حاصل ارضاء عوام ہے۔ سو طبعاً مجھ کو اس مقصود ارضاء عوام سے غیرت آتی ہے۔“

(آپ بیتی ۶، ص ۳۰۹، بحوالہ خوان خلیل ص ۳۲)

”اشرف السوانح“ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ پر معترضین کی بھرمار، بوچھاڑ کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت والا نے اپنے معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراضوں پر بھی بالخصوص جہاں مظنہ نیک نیتی کا تھا اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تو اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ (اشرف السوانح ص ۶۳، ج ۲)

اشرف السوانح میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ حضرت والا پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے تو اس سے اپنا تبریہ فرمانے کی ہرگز کوشش نہیں کرتے بلکہ اگر وہ اعتراض علمی رنگ کا ہوتا ہے اور قابل قبول ہوتا ہے تو اس کو قبول فرما کر اپنی تحقیق سابق سے بلا تامل رجوع فرما لیتے ہیں اور ترجیح الراجح میں اپنا رجوع شائع فرما دیتے ہیں۔

یہ معاملہ تو علمی رنگ کے اعتراضات کے ساتھ فرماتے ہیں۔ اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا ہے تو اس کی مطلق پرواہ نہیں فرماتے۔ چنانچہ اگر ایسا اعتراض بذریعہ جوابی خط کے موصول ہوتا ہے تو بجائے اپنا تبریہ فرمانے کے نہایت استغناء کا جواب تحریر فرما دیتے ہیں اور ایسے عنوان سے کہ معترض پر ظاہر ہو جائے کہ اس کے اعتراض کو بالکل لغو اور غیر قابل التفات سمجھا گیا۔ مثلاً ایک شخص کو جس نے واہی تباہی اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے۔ تحریر فرما دیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ عیوب ہیں مگر مجھے تو اپنے عیوب کی اشاعت کی توفیق نہیں ہوتی تم ان کو مشتہر کر دو تا کہ لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔ اور اگر خط جوابی نہیں ہوتا تو اس کو پھاڑ کر ردی میں ڈال دیتے ہیں۔

(آپ بقی، ۶، ص ۳۱۰، بحوالہ اشرف السوانح ص ۱۵۴)

مولوی محمد رشید کی حق گوئی اور حسن ادب

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ مولوی محمد رشید مرحوم جنھوں نے مجھ سے پڑھا تھا، بڑے حق گو لیکن اس کے ساتھ بڑے باادب تھے۔ ایک بار مسجد میں بیٹھا ہوا تھا وہاں ریزگاری کی ضرورت پڑی۔ ایک صاحب کے پاس موجود تھی ان کو روپیہ دے کر میں نے ریزگاری لے لی۔ مولوی صاحب بھی اس وقت موجود تھے۔ وہ آگے بڑھے اور مجھ سے پوچھا کہ معاملہ کیا بیع میں تو داخل نہیں۔ مجھے فوراً شبہ ہوا۔ میں نے کہا خیال نہیں رہا۔ یہ معاملہ تو واقعی بیع ہی میں داخل ہے جو مسجد میں جائز نہیں۔ پھر میں نے ان صاحب کو جن سے معاملہ ہوا تھا ریزگاری واپس کر کے کہا کہ اب میں اس معاملہ کو فسخ کرتا ہوں۔ پھر میں نے کہا مسجد سے باہر چلو۔ وہاں پھر اس معاملہ کو از سر نو کریں گے۔ چنانچہ مسجد سے باہر آ کر اور روپیہ دے کر میں نے پھر ان سے ریزگاری لے لی۔

مولوی محمد رشید کی اس بات سے میرا جی بڑا خوش ہوا کیونکہ ظاہر کرنا تو ضروری ہی تھا لیکن انھوں نے نہایت ادب سے ظاہر کیا۔ یہ پوچھا کہ کیا یہ بیچ میں تو داخل نہیں۔

(افاضات ۲/۹ ص ۳۵۳، آپ بیتی، ۶، ص ۳۱۱)

مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہ امیر تبلیغ کا حسن ادب

ایک شخص حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کے سامنے حضرت قدس سرہ کی تعریف کر رہا تھا۔ مولانا محمد یوسف بھی موجود تھے۔ مولانا محمد یوسف نے ایک کاغذ پر مٹی رکھی اور اس کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی طرف کھسکا کر چپکے سے اٹھ کر چلے گئے۔ گویا حسن ادب کے ساتھ اس پر تنبیہ کی کہ اپنی تعریف سننا حدیث پاک کے خلاف ہے اس لئے کہ حدیث پاک میں منہ پر تعریف کرنے والے کیلئے حکم ہے کہ تعریف کرنے والے کے چہرہ پر مٹی ڈال دی جائے۔

مولانا خلیل احمد اور مولانا محمد تکی صاحب کا اختلاف رائے

قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

”میرے والد صاحب قدس سرہ اور میرے حضرت قدس سرہ کے درمیان میں متعدد مسائل میں اختلاف تھا مگر چونکہ مجادلۃ اور مخالفت نہیں تھی، اس لئے عوام تو عوام، خواص کو بھی اس کی ہوا نہیں لگتی تھی۔ ان میں سے ایک مسئلہ مثال کے طور پر لکھتا ہوں۔ قربانی کے جانور میں دو تین شرکاء اگر ایک حصہ مشترک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

کرنا چاہیں بشرطیکہ ان کے حصے اپنے بھی اس جانور میں ہوں۔ یہ صورت میرے والد صاحب کے نزدیک جائز تھی اور میرے حضرت کے نزدیک ناجائز۔ میرے والد صاحب اوپر رہتے تھے اور حضرت قدس سرہ کا قیام نیچے رہتا تھا۔ قربانی کے زمانہ میں متعدد لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ مسئلہ حضرت کے پاس پوچھنے آتے تو میرے حضرت یوں فرما دیا کرتے تھے کہ میرے نزدیک تو ناجائز ہے۔ مولانا تکی کے نزدیک جائز ہے۔ تو اوپر جا کر ان سے مسئلہ پوچھ لے۔ وہ تجھے اجازت دیدیں گے تو اس پر عمل کر لینا۔ اس کے بعد میرے نزدیک یہ صورت جائز ہے اور ہمارے مدرسہ کے مفتی سابق مفتی سعید صاحب اور سابق ناظم مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ کے مسلک کے مطابق ناجائز بتاتے تھے اور ہر ایک کا فتویٰ ایک دوسرے کو معلوم تھا۔ میں نے ان دونوں حضرات سے گفتگو بھی کی۔ انھوں نے میری نہیں مانی۔ میں نے ان کی نہیں مانی مگر نہ کبھی اشتہار بازی ہوئی نہ جنگ وجدال ہوا۔“ (آپ بقی ۴، ص ۹۴)

حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت شیخؒ کا اختلاف رائے

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ اپنا واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں۔
 ”خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرتؒ کے اخیر رمضان المبارک میں شعبان کے چاند کی گڑبڑ سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے۔ تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد

اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ حضرت کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں شہادت پر مدار تھا۔ بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی۔ اس لئے روزہ ہے اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ شرعی حجت سے صحیح تھی اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے۔ دن بھر بحث رہی۔ شام کو چاند نظر نہ آیا۔ حضرت نے طے فرمادیا کہ میں روزہ رکھوں گا میں نے عرض کیا میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ میرے اتباع کی ضرورت نہیں۔ سمجھ میں آ گیا ہو تو روزہ رکھو ورنہ نہیں۔ بالآخر حضرت کا روزہ تھا میرا افطار۔ حضرت کے خدام میں اور بھی متعدد ایسے تھے جنہوں نے افطار کیا اور متعدد نے روزہ رکھا۔ حضرت نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا؟ گو مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرت کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابل اعتنا سمجھا مگر حضرت نے ذرا بھی اشارۃً کنایۃً کچھ بھی نہیں فرمایا۔ بلکہ کچھ تصویب ہی فرمائی۔“ (الاعتدال ص ۲۰۹)

حضرت مدنی اور مولانا ظفر احمد صاحبؒ کا واقعہ

حضرت شیخ المشائخ مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

”لیگ کانگریس کے دور میں بھی یعنی تقسیم ہند سے پہلے میرے حضرت مدنی شیخ الاسلام قدس سرہ تو کانگریس کی حمایت میں جتنے زوروں پر تھے سبھی کو آج معلوم ہے۔ اور اس کے مقابل حضرت

تھانوی قدس سرہ اس کی مخالفت میں اور حضرت کے اتباع میں مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی شیخ الاسلام پاکستان، لیگ کی حمایت میں حضرت مدنی سے کم نہیں تھے۔ منبروں پر، جلسوں میں، اشتہارات میں ایک دوسرے کی تردید دونوں طرف سے جتنی شدت سے ہوتی تھی وہ ابھی تک سب کو معلوم ہے۔ اور مقدر سے دونوں اکابر میرے مہمان ہوا کرتے تھے۔ لیکن مولانا ظفر احمد صاحب کی جب تشریف آوری ہوتی تھی تو دو تین دن قیام ہوتا تھا اور حضرت مدنی کے حالات میں گزر چکا ہے کہ حضرت کی تشریف آوری منٹوں اور گھنٹوں کی ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اسی دور میں مولانا ظفر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ تشریف فرما تھے، دو تین دن سے آئے ہوئے تھے۔ مدرسہ میں قیام تھا۔ میرے مہمان تھے۔ میں دارالطلبہ گیا ہوا تھا۔ ایک لڑکے نے مجھے جا کر اطلاع دی کہ حضرت مدنی قدس سرہ آئے ہیں۔ کچے گھر میں ہیں۔ میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور اب تک بھی جب اس منظر کا مجھے خیال آجاتا ہے اور اپنی اس وقت کی پریشانی یاد آتی ہے تو دھڑ دھڑی سی آجاتی ہے۔ میں دارالطلبہ سے بہت تیزی کے ساتھ مدرسہ قدیم آیا۔ اور مولانا ظفر احمد صاحب قدس سرہ سے درخواست کی کہ حضرت مدنی تشریف لے آئے۔ مکان پر ہیں۔ حضرت کا قیام گھنٹہ آدھ گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ آپ ابھی تکلیف نہ فرماویں۔ کھانے کے بعد حضرت کی تشریف بری کے بعد میں آپ کو بلالوں گا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اللہ ان کو بہت ہی بلند درجے عطا فرمائے۔ یہ فرمایا کہ کیوں؟ میری

حاضری سے کیا نقصان ہوگا۔ میں ابھی آؤں گا۔ میں نے بڑی خوشامد و منت کی اللہ کے واسطے ہرگز کرم نہ فرماویں مگر جتنا میں نے خوشامد کی اتنا انھوں نے اصرار کیا کہ نہیں، ابھی آؤں گا۔ حضرت میرے بڑے ہیں وہ کچھ ارشاد فرمائیں گے تو میں بالکل جواب نہیں دوں گا۔ ان سے مایوس ہو کر میں کچے گھر میں حاضر ہوا۔ اور حضرت مدنی قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کئی دن سے آئے ہوئے ہیں اور میرے مہمان ہیں۔ میں ان سے کہہ آیا ہوں کہ ابھی نہ آویں۔ حضرت کی تشریف بری کے بعد آپ کو بلاؤنگا۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: کیوں میں ان سے کیا چھین لوں گا؟ یا وہ مجھ سے کیا چھین لیں گے؟ میری گفتگو حضرت سے ہو ہی رہی تھی کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کچے گھر میں پہنچ گئے۔ حضرت مدنی قدس سرہ ان کو دیکھ کر بہت ہی مسرت سے اٹھے۔ کھڑے ہو کر مصافحہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: کہ اچھا یہ ابوالدیک صاحب بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ اس کی شرح یہ ہے کہ جب عزیز مولوی عمر احمد ابن مولانا ظفر احمد صاحب پیدا ہوئے تو ان کی تاریخ ولادت مرغ محمد تجویز کی گئی تھی۔ اس وقت سے حضرت مدنی قدس سرہ نے تفریحاً مولانا ظفر احمد صاحب کی کنیت ابوالدیک تجویز کر رکھی تھی۔ اور اکثر ملاقات پر اسی لفظ سے مخاطبت ہوتی تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے دست بوسی کی اور میں پھر بھی ڈرتا ہی رہا اور یَا رَبِّ! سَلِّمْ، سَلِّمْ، پڑھتا رہا۔ جلدی سے دسترخوان بچھایا، دونوں اکابر نے آمنے سامنے بیٹھ کر کھانا نوش فرمایا۔ طرفین سے خیریت، اہل و عیال کے حالات

وغیرہ امور ہوتے رہے۔ تقریباً پون گھنٹے بعد حضرت مدنی قدس سرہ تشریف لے گئے اور میری جان میں جان آئی اور کوئی سیاسی لفظ اس مجلس میں نہیں آیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مٹھائی کھلاؤ۔ میں نے کہا ضرور مگر آپ سے زیادہ حضرت شیخ الاسلام ہیں۔ مجھے یہ فکر تھا کہ اگر ایک ڈانٹ پڑ گئی تو کیا ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ مولانا اگر ڈانٹیں گے تو کچھ نہیں بولوں گا۔ مجھے مولانا کی بڑائی یا علو شان سے کچھ انکار نہیں۔ میں مولانا کو ہر طرح اپنا بڑا سمجھتا ہوں لیکن کیا کریں ہم دیانتہ کا نگرلیں کو مسلمانوں کے حق میں نہایت مضرت سمجھتے ہیں۔ اس لئے اخبارات، اشتہارات اور منبروں کی تقریر میں تردید پر مجبور ہیں۔“ (آپ بقی ۴ ص ۹۶)

حکیم الامت اور شیخ الاسلام میں اختلاف رائے

حضرت اقدس حکیم الامت اشرف العلماء مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا اختلاف رائے اور دونوں حضرات کا طرز عمل بھی قابل دید ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ لیگ کے سخت حامی تھے اور کانگریس کو امت کیلئے مضرت سمجھتے تھے۔ اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کانگریس کی شرکت کو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے تھے اور اس کی پوری حمایت فرماتے تھے۔ اس شدت اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کا کس درجہ احترام تھا۔

فقہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا:

کہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے جو حضرات بیعت کی درخواست کرتے، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ حضرت حکیم الامت سے بیعت ہونے کا مشورہ دیتے اور فرماتے ہماری جماعت کے بڑے حضرت تھانویؒ ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی بیعت کا واقعہ

حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادیؒ حضرت مدنی سے ہی بیعت ہونا چاہتے تھے مگر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ ان کو لے کر خود تھانہ بھون تشریف لائے اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا کہ کام تقسیم کر لیا جائے۔ اگر مجھ سے بیعت ہوں تو اصلاحی تعلق آپ سے ہو اور یا بیعت آپ فرمائیں اصلاحی تعلق مجھ سے ہو۔ آخر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے اور اصلاحی تعلق حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے رہا۔

مکتوب حضرت مدنیؒ بنام مولانا عبد الماجد صاحبؒ

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبد الماجد دریابادی صاحبؒ کے نام تحریر فرماتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ یہنا کارہ تو حضرت مولانا (تھانوی) دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم و احترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ طفل دبستاں کو افلاطون سے ہو سکتی ہے۔ البتہ تحریک حاضرہ کے متعلق جو چیزیں وہاں سے شائع کرائی جاتی ہیں اور جو کچھ وہاں کے متوسلین

گاتے ہیں وہ نہایت دلخراش ہیں۔ میں مولانا کو اپنا مقتدا اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں۔“ ۱۵/شوال ۱۳۵۲ھ
(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۴۳، ج ۱۔ تکرار الاعتدال ص ۲۳)

بیشک وہ مجدد تھے

ایک صاحب کے سوال پر ارشاد فرمایا:
”بیشک وہ (حضرت تھانویؒ) مجدد تھے انھوں نے ایسے وقت
میں دین کی خدمت کی جبکہ دین کو بہت احتیاج تھی۔“
(حیرت انگیز واقعات ص ۱۶۶، بحوالہ تکرار الاعتدال ص ۲۳)

مکتوب حضرت مدنیؒ

ایک صاحب کے خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:
”مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ معاذ اللہ مشرکانہ
عقائد ہرگز نہیں رکھتے تھے۔ بہت بڑے موحّد، خدا پرست، تصوف
میں ان کا قدم بہت راسخ تھا۔ پیری مریدی بھی حضرت قطب عالم
حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ العزیز کے حکم پر اور
ان کی اجازت سے کرتے تھے۔ علم ظاہر میں بھی ان کا قدم راسخ تھا۔
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نہ صرف صحیح مسلمان ہونے
کا معتقد ہوں بلکہ ان کو بہت بڑا عالم، باعمل اور صوفی کامل جانتا ہوں۔
ہاں ان کی رائے دربارہ تحریر آزادی ہند غلط سمجھتا ہوں۔ اس بارے

میں میرا یقین کامل ہے کہ میرے اور حضرت تھانویؒ کے استاد حضرت
شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی رائے نہایت صحیح اور واجب الاتباع تھی۔
یہ غلطی حضرت تھانویؒ کی اجتہادی غلطی جانتا ہوں جس کی وجہ سے
حضرت تھانویؒ مرحوم کی شان میں نہ گستاخی کرتا ہوں اور نہ کسی کی
گستاخی کو روا رکھتا ہوں۔“ ۴۴ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۴۵، ۳۴۶ بحوالہ تکرار الاعتدال)

مولوی احمد حسن سنبھلیؒ کے بارے میں حضرت مدنیؒ کا ارشاد

مولوی احمد حسن سنبھلیؒ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور بڑے
عالم تھے۔ خانقاہ امدادیہ تھانویہ بھون میں تصنیف و تالیف کی خدمت پر حضرت تھانویؒ
نے ان کو اچھی تنخواہ پر لگا رکھا تھا۔ سیاسیات میں حضرت تھانویؒ سے ان کو اختلاف ہوا
اور انھوں نے اس کی بری صورت اختیار کی۔ حضرت تھانویؒ کے اکرام و احترام کا کوئی
خیال نہ رکھا اور بہت ہی نامناسب رویہ اختیار کیا۔ جس کی وجہ سے خانقاہ تھانویہ بھون
سے ان کو سبکدوش کیا گیا، اس کے بعد بھی ان کے حالات میں تبدیلی نہیں آئی، خطوط
میں بہت سخت اور نازیبا کلمات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے تھے، جس پر حضرت
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ”موذی مرید“ لکھا۔ جس میں ان کی تمام گالیوں کو جمع
فرمادیا۔ امر وہ ضلع مراد آباد کے ایک مدرسہ میں ان کو صدر مدرس تجویز کیا مگر وہ اس
عہدہ کو کامیابی کے ساتھ باقی رکھنے میں ناکام رہے۔ مدرسہ کے ذمہ داران نے
حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کو یہ حالت لکھی۔ اس پر حضرت مدنی قدس سرہ نے
مدرسہ کے ذمہ داروں کو تحریر فرمایا:

مولوی احمد حسن سنبھلی کا صدر مدرس کے کام کو بخوبی انجام نہ دے سکنا قابل تعجب امر ہے جس کا تسلیم کرنا بھی بمشکل ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک مولوی صاحب موصوف نے اپنے پیرومرشد (حضرت تھانویؒ) کے متعلق جو اعلانات شائع کئے ہیں اس میں نہایت فاش غلطی کھائی ہے اور اس کے برے نتائج کا خوف ہے مگر اس کو ان سے ذکر کرنے کا موقع مجھ کو ہاتھ نہ لگا کہ میں پکڑا گیا۔ اگرچہ اس میں ان کی نیت بخیر ہو مگر میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ غیر مناسب ہوا اور وہ مولوی صاحب کے لئے شاید مضر ہو۔ ”وَاللّٰهُ يَحْمِينَا وَاَيَّاهُ وَسَائِرَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ حَوَادِثِ الدَّهْرِ وَسُوْءِ الْعَوَاقِبِ آمِينَ۔“ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۹۰، ج ۲ بحوالہ تکملہ الاعتدال)

واضح ہو کہ مولوی احمد حسن کا سیاسی مسلک وہی تھا جو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے مولوی احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ عمل کی مذمت کی۔ کوئی دنیا دار پابندِ نفس ہوتا تو خوش ہوتا اور اپنے مخالف کے مرید کی کمر اور ٹھونکتا کہ تم نے بہت اچھا کیا، مگر اہل اخلاص حق اور حقیقت کو ہاتھ سے کہاں جانے دیتے ہیں۔ (تکملہ الاعتدال: ۲۲)

مکتوب حضرت مدنی بنام مولانا خدابخش ملتانیؒ

مولانا خدابخش ملتانیؒ کے نام تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا

سیاسی اختلاف ہے اور بہت زیادہ اختلاف ہے مگر جزیات اور فروع اور اسلامک لاجن کو سیاست سے تعلق نہیں ہے ان میں ان کی رائے ذاتی قابل اعتماد ہوگی۔ مولانا موصوف کا اسلامی تفقہ اور علوم و فنون

میں تمام عمر مصروف رہنا ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنا، ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف و تالیف کر کے عالم اسلامی اور خلائق کو فیضیاب بنانا آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہو چکا ہے۔ اس بارے میں مودودی صاحب کا قول ان کے سامنے ایسا ہی شمار کیا جائے گا جیسے کہ ایک کامیاب پیرسٹر کے سامنے چوتھی یا پانچویں کلاس کے طالب علموں کا قول ہوگا۔“
(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۴۳۰، ج ۱، بحوالہ تکملہ الاعتدال)

مکتوب حضرت مدنی بنام زاہد حسینؒ

زاہد حسین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:
”حضرت مولانا تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مواعظ خرید لیجئے اور ان کو دیکھا کیجئے۔“
(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۴۳۴، ج ۱، بحوالہ تکملہ الاعتدال)

بنام سید علی آفندیؒ

سید علی آفندیؒ کو تحریر فرماتے ہیں:
”مولانا تھانوی کے مواعظ مفید ہیں، ضرور ان کا مطالعہ رکھیں۔ علیٰ ہذا القیاس ”تربیت السالک“ بھی مفید ہے۔“
(مکاتیب شیخ الاسلام ص ۱۱۳، ج ۲، بحوالہ تکملہ الاعتدال)

بنام مولانا عبدالحق مدنیؒ

مولانا عبدالحق مدنیؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

وَأَمَّا عَدَمُ مِيلِكُمْ إِلَيَّ مَوْلَانَا أَشْرَفُ عَلَيَّ صَاحِبِ
فَارَاكُمْ مُخْطِئِينَ فِيهِ“ (حوالہ بالا)

[لیکن آپ کا مولانا تھانوی کی جانب میلان نہ ہونا سو میں اس بارے میں
آپ کو غلطی پر سمجھتا ہوں۔]

بنام مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

مولانا عبدالماجد صاحبؒ دریابادی کو تحریر فرماتے ہیں:

”والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ تھانہ بھون تشریف ارزانی
کے متعلق مجھ و سیاہ و نالائق سے اجازت چاہنا عجیب بات ہے۔ میں تو
خود ہی ناکارہ ہوں، اس سے بڑھ کر کیا چیز خوشی کی ہو سکتی ہے کہ مقصد
اصلی اور محبوب حقیقی تک رسائی ہو جو کہ حضرت مولانا (تھانوی) دامت
برکاتہم کی بارگاہ میں ارچی ہے۔“ از دیوبند جمادی الثانیہ ۱۳۵۰ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۴۰، بحوالہ تکرار الاعتدال)

ایضاً

ایک دوسرے والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اپنے مشاغل قلبیہ سے غافل نہ رہیں۔ ذکر میں کوشاں

رہیں۔ مولانا (تھانوی) دامت برکاتہم کی خدمت میں جس قدر بیٹھنا نصیب ہو غنیمت جانیں اس وقت جہاں تک ممکن ہو ذکر کا خیال رہے اور قلب حاضر ہو۔ ”صُحْبَةُ الشَّيْخِ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً.“ [شیخ کی صحبت ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے] قول اکابر ہے۔ حضرت مولانا کی خدمت میں سلام مسنون اور استدعاء دعوات صالحہ و صرف ہمت عرض کر دیں۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۴۴، ج ۱۔ بحوالہ تکرار الاعتدال)

بنام مولانا سید محمد میاں صاحب قدس سرہ

ان اختلافات کے سلسلہ میں مولانا سید محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ سے استفسار کیا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

محترم المقام..... زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تصوف کا ضروری اور مضبوط اصول جو کہ نفس پر شاق بھی بہت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے۔ اسی کے ماتحت حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”معرفت خدا تعالیٰ برآں کس حرام است کہ خود را از کافر

فرنگ بہتر داند فلیف از اکابر دین“

[خدا تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر

جانے، چہ جائیکہ اکابر دین سے۔]

اپنے نفس کے کید و مکر سے کسی وقت بھی مطمئن نہ ہونا چاہئے۔ ع

فَإِنَّكَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصْمِ وَالْحِكْمَةَ

[پس بے شک تو دشمن کے کید اور حکمت کو پہچانتا ہے۔]

”وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي إِنْ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ“

اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا رب رحم فرمادے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا داؤ نہیں چلتا) بے شک میرا رب بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (آسان ترجمہ)

پس جو حضرات پہلے سے معتقد علیہم ہیں یا جن کے اقوال و افعال مسائل خاصہ کے سوا پسندیدہ ہیں ان کے ساتھ بد اعتقادی وغیرہ نہ ہونا چاہئے۔ حسن ظن رکھنا چاہئے۔ ہمارے لئے مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین درس عبرت ہیں ممکن ہے ان حضرات کی رائے صحیح ہو، اگرچہ غلبہ ظن یہی ہے کہ ہماری آراء، اور اعمال بالکل حق بجانب ہوں۔ لہذا نہ زبان درازی چاہئے نہ بد اعتقادی بلکہ ان کے اور اپنے لئے دعا کرنی چاہئے۔

اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا
وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ۔

ذکر سے غافل نہ ہو جئے، وقت کو غنیمت جانئے، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔
آج کچھ کر لیجئے کل کو کرنا ناممکن ہوگا۔ جفا کش بنئے، آرام و راحت کو آخرت کے لئے
چھوڑیئے۔ ۷

ناز پروردہ راہ نبرد راہ بہ دوست
عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد
[ناز پروردہ دوست کے راستہ کو قطع نہیں کر سکتا، عاشقی محنت کرنے والے
رندوں کا کام ہے۔]

من نکر دم شما حذر بکنید
[میں نے نہیں کیا تم پر ہیز کرو۔]

والسلام!

نگ اسلاف حسین احمد

(سیاست شیخ الاسلام ص ۲۷۰، ۲۷۱، سیرت شیخ الاسلام ص ۲۰۹)

کتنی عظیم انسانیت اور کس اعلیٰ کردار کے حامل تھے۔ یہ حضرات کہ اتنے
شدید اختلافات کے باوجود نہ زبان درازی کی اجازت دیتے ہیں نہ بد اعتقادی کی
بلکہ حسن ظن کی تاکید فرماتے ہیں۔ اے کاش ان حضرات اسلاف کے کردار و اخلاق کا
کچھ حصہ ہم کو بھی نصیب ہو جاتا۔“

سیاسی کشمکش زوروں پر تھی۔ گنگوہ میں اسی سلسلہ میں ایک عظیم جلسہ تھا۔ اثناء جلسہ
میں ایک شخص نے حضرت تھانوی قدس سرہ پر اعتراضات و الزامات کی بوچھاڑ کر ڈالی۔
حضرت اقدس مولانا مدنی قدس سرہ نے جوش غضب میں جو جوابی تقریر فرمائی تو حضرت
تھانوی قدس سرہ کے فضائل و مناقب ہی پر ختم کر ڈالی۔ (سیرت شیخ الاسلام: ۱۹۹)

حضرت تھانویؒ کا برائی سے ذکر کرنے پر ڈانٹنا

ایک شخص ایک جلسہ میں لے جانے کیلئے دیوبند حضرت مدنی قدس سرہ کی

خدمت میں حاضر ہوا۔ انشاء گفتگو اس نے تھانہ بھون کا ذکر کیا اور حضرت تھانوی قدس سرہ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا۔ حضرت مدنی قدس سرہ کو سخت غصہ آ گیا۔ کبھی اتنا غصہ نہیں آیا۔ اور سخت لہجہ میں فرمایا مجھ سے تعلق رکھتے ہو میرے بزرگوں کو برا کہتے ہو اور خادم سے فرمایا اس کا بستر اٹھا کر لے جاؤ۔ میرے یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ جو سخت سے سخت تکالیف اور گالیاں سن کر بھی کبھی کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتے تھے اور اپنے سیاسی مخالف مگر دینی عظیم رہنما کی شان میں کوئی جملہ برداشت نہیں کر سکے۔ اور غصہ کی شدت میں اپنے یہاں ٹھہرانے کے بھی روادار نہ ہوئے۔ ایسی مثال شاید حضرت مدنی قدس سرہ کے یہاں شاذ و نادر ہی پیش آئی ہو کہ اپنے یہاں سے نکلوا دیا اور ٹھہرانے کے تک کے روادار نہ ہوئے۔

حضرت مدنی کی تھانہ بھون تشریف آوری

ایک دفعہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ تھانہ بھون تشریف لائے۔ کسی نے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کو اطلاع کی کہ مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی آئے ہیں۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا۔ 'اے کس کو کہہ رہے ہو کیا ہمارے مولانا حسین احمد صاحب (دیوبند والے) ہیں؟ کہا جی ہاں۔ فرمایا کدھر ہیں؟ اور اٹھ کر دروازہ تک تشریف لائے۔ سلام، مصافحہ معانقہ فرمایا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے دست بوسی فرمائی۔ حضرت تھانوی ہاتھ پکڑ کر لائے اور اپنی مسند پر اپنے برابر بٹھایا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے مسند پر بیٹھنے سے انکار کیا۔ حضرت تھانوی نے فرمایا:۔ میرا حکم یہی ہے یہیں بیٹھو۔ اسکے بعد گفتگو ہوئی۔ حضرت تھانوی نے فرمایا۔ آپ نے زیادتی کی کہ اطلاع نہیں فرمائی۔ اگر اپنی آمد کی پہلے سے اطلاع فرما دیتے تو کسی

سواری کا انتظام کر دیتا اور دو چار آدمی استقبال کے لئے بھیج دیتا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا۔ حضرت اپنے گھر آنے کے لئے کیا اطلاع کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا۔ آپ کے اس جواب سے بہت مسرت ہوئی کہ اس گھر کو اپنا گھر فرمایا۔ اچھا بتائیے آپ کیا کھائیں گے؟ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا روٹی اور شلجم کا اچار۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنے دونوں گھر آدمی کو بھیجا کہ جس گھر میں شلجم کا اچار اور روٹی ہوں لائیں۔ چنانچہ روٹی اور شلجم کا اچار اور لسی لائی گئی۔ حضرت مدنی نے فرمایا میرے ساتھ میرے دوست بھی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو وہ بھی ساتھ کھالیں۔ اس پر حضرت تھانوی نے محاسبہ فرمایا کہ جب آپ نے اس گھر کو اپنا گھر فرمایا ہے تو پھر اجازت کا کیا مطلب؟ حضرت مدنی نے جواب دیا۔ مہمان کے سامنے جو کھانا آتا ہے وہ اباحت ہوتا ہے ملک نہیں۔ مہمان کو کھانے کا تو حق ہوتا ہے تصرف کا حق نہیں ہوتا۔ اسلئے اجازت طلب کی۔ حضرت تھانوی نے فرمایا: ہاں اجازت ہے۔ کھانے سے فراغت پر حضرت تھانوی نے پگڑی منگائی اور حضرت مدنی کی خدمت میں پیش فرمائی۔ حضرت مدنی نے پگڑی کو آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا اور فرمایا: حضرت کو معلوم ہے کہ میں بدلیسی کپڑا استعمال نہیں کرتا۔ حضرت تھانوی نے فرمایا مجھ سے سہو ہو گیا۔ قصداً میں نے ایسا نہیں کیا اور آدمی بھیجا کہ گھر سے کھدر کی پگڑی لائیں۔ کھدر کی پگڑی آگئی اس کو پیش فرمایا۔ اور چاندی کے دو روپے نذرانہ دیے۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے ان کو پگڑی میں باندھ لیا اور پگڑی حضرت تھانوی کے سامنے رکھ کر سر جھکا دیا کہ حضرت خود اپنے ہاتھ سے باندھ دیں۔ حضرت تھانوی نے اپنے دست مبارک سے حضرت مدنی کے سر مبارک پر پگڑی باندھی۔ اس طرح کہ وہ روپے اوپر کی طرف آگئے۔ حضرت مدنی نے ان کو اوپر کی طرف پگڑی میں اڑس لیا۔

اس کے بعد رخصت کرتے ہوئے حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا: میں آپ کو اپنے استاذ شیخ العالم (حضرت تھانویؒ) حضرت شیخ الہندؒ کو شیخ العالم فرمایا کرتے تھے) کے قائم مقام سمجھتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت مدنیؒ نور اللہ مرقدہؒ تھانہ بھون تشریف لائے کہ خانقاہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ دروازہ کھلوا دیا۔ دربان نے دروازہ نہیں کھولا کہ قانون کے خلاف ہے۔ حضرت مدنیؒ بستر اٹھا کر حضرت تھانویؒ کے مکان پر تشریف لائے۔ وہاں بھی دروازہ بند ہو چکا تھا۔ دروازہ کے باہر ہی بستر بچھا کر سو رہے۔ صبح کو دروازہ کھلا حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ آپ اس وقت کہاں؟ حضرت مدنیؒ نے فرمایا۔ آپ کا قانون کسی غریب مسافر کو خانقاہ میں ٹھہرنے کی کہاں اجازت دیتا ہے۔ حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ کو ساتھ لے کر خانقاہ تشریف لائے اور دربان سے فرمایا کہ دیکھو مولانا اس قانون سے مستثنیٰ ہیں۔ مولانا جس وقت بھی تشریف لایا کریں دروازہ کھول دیا کریں۔

حضرت مدنیؒ کی گرفتاری سے صدمہ

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی گرفتاری ہوئی تو حضرت تھانویؒ کو بہت صدمہ ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ ”مجھے خیال نہیں تھا کہ مجھے مولانا مدنیؒ سے اتنی محبت ہے۔“ کسی خادم نے عرض کیا کہ مولانا مدنیؒ تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے۔ تو حضرت نے فرمایا: آپ مجھے اس جملہ سے تسلی دینا چاہتے ہیں۔ کیا سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مقابلہ میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے مگر آج تک کون ایسا شخص ہوگا جس کو اس حادثہ کا رنج نہ ہوا ہو۔ (حیرت انگیز واقعات ص ۳۰)

منشی نور الحسن صاحب اور ملا سلیمان کا واقعہ

منشی نور الحسن صاحب ساکن دورالہ حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہیں نیک صالح شخص ہیں۔ وہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت تھانویؒ مسلم لیگ کے حامی تھے۔ حضرت نے اس کی حمایت میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا تھا۔ اس لئے میرا رجحان بھی لیگ کی طرف تھا اور میرٹھ حلقہ کی مسلم لیگ کا ممبر بھی تھا۔ ایک دفعہ میٹنگ میں میں نے کہا کہ بھائی ہمارے حضرت تھانویؒ لیگ کی حمایت فرماتے ہیں اور حضرت مولانا مدنی بھی بزرگ ہیں وہ کانگریس کی حمایت فرماتے ہیں۔ ہم کیا کریں؟ میٹنگ میں ایک شخص نے جواب دیا کہ وہ حضرت مولانا مدنیؒ کہاں کے بزرگ آئے۔ وہ کیسے بزرگ مجھے ان کے جواب سے سخت صدمہ ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ اگر مسلم لیگ کے اندر بزرگوں کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے تو ایسی مسلم لیگ سے میرا تو استغفیٰ۔ میں آئندہ شریک نہیں ہوں گا۔ اور اسی صدمہ میں میں تھانہ بھون حاضر ہوا۔ شب میں بھائی سلیمان صاحب سے جو حضرت تھانویؒ کے خادم خاص تھے ملاقات ہوئی۔ ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا، اس پر اس نے کہا: مدنی صاحب آپ کی نظر میں بزرگ ہیں؟ بزرگ تو شیطان بھی ہوتا ہے۔ میں نے کہا یہ جواب صبح کو حضرت سے کہوں گا۔ اس نے کہا۔ ہاں کہہ دینا۔ مجھے اور سخت صدمہ ہوا کہ جب حضرت کے خادم کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا حال ہوگا۔ پوری رات بے چینی میں گزری۔ صبح کو مجلس میں حاضر ہوا۔ میری ہمت نہیں تھی کہ عرض کروں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک خط جو حضرت کے پاس کسی نے لکھا تھا حضرت نے سنایا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

”حضرت! میں دیوبند بھی گیا ہوں، وہاں رحمت ہی رحمت

دیکھی اور یہاں زحمت۔ گویا وہاں عفو بے انتہا اور یہاں بات بات پر پکڑ اور نکتہ چینی اس کی کیا وجہ ہے؟“

حضرت نے جواب لکھا اور پھر جواب بھی سنایا، جس کا مضمون یہ تھا:
 ”کیا تمہارے نزدیک دریا اور ڈوکرہ میں کوئی فرق نہیں۔
 میں چھوٹا سا ڈوکرہ ہوں اور حضرت مولانا مدنی دریا ہیں۔ ڈوکرہ ذرا سی
 ناپاکی کا متحمل نہیں ہوتا اور دریا میں اگر پیشاب بھی کر دیا جائے تب بھی
 وہ ناپاک نہیں ہوتا۔“

یہ جواب سن کر مجھے ہمت ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ حضرت تو اپنے آپ کو
 ڈوکرہ اور حضرت مدنی کو دریا فرما رہے ہیں اور یہ ملا سلیمان ان کو ایسا ایسا کہتا ہے اور
 اپنا واقعہ بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا: کیا یہ بات آپ ان کے سامنے کہہ دیں گے؟ میں
 نے عرض کیا: ضرور کہہ دوں گا۔ میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ میں حضرت سے کہوں
 گا۔ سلیمان کو بلوایا گیا۔ حضرت نے ان سے فرمایا: کہ تم ان کو جانتے ہو؟ انھوں نے
 جواب دیا: جی ہاں! یہ میرے دوست کے بھائی ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اگر یہ تمہاری
 طرف سے کوئی بات بیان کریں وہ غلط تو نہ ہوگی؟ آپ کو ان پر اعتماد ہے؟ اس نے کہا:
 مجھ کو ان پر پورا اعتماد ہے۔ حضرت نے فرمایا: تمہاری ان سے کوئی لڑائی تو نہیں؟ اس
 نے کہا: نہیں۔ پھر حضرت نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: اپنا واقعہ بیان کرو۔ میں
 نے پورا واقعہ بیان کیا جو میرٹھ مسلم لیگ کی میٹنگ میں پیش آیا تھا کہ یہ واقعہ میں نے ملا
 سلیمان صاحب سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ مدنی صاحب کو تم بزرگ سمجھتے ہو۔
 بزرگ تو شیطان بھی تھا۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے سلیمان سے کہا: کیا یہ ٹھیک
 کہتے ہیں۔ انھوں نے اقرار کر لیا کہ جی ہاں! ٹھیک کہتے ہیں۔ حضرت نور اللہ مرقدہ

نے ایک دوسرے خادم کو آواز دی اور فرمایا سلیمان کا کان پکڑ کر خانقاہ سے نکال دو اور فرمایا: ”آج سے میرا تعلق ختم۔ نہ مجھ سے بات چیت کی اجازت ہے نہ خط و کتابت کی نہ مجلس میں حاضری کی۔“

سلیمان صاحب خانقاہ سے چلے گئے مگر انتہائی پریشان تھے۔ حافظ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی (جو حضرت نور اللہ مرقدہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے) کے واسطے سے حضرت سے خط و کتابت کی اور معافی کی درخواست کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا جن کی شان میں گستاخی کی ہے ان سے معافی مانگیں اور ان سے (حضرت مولانا حسین احمد صاحب) سے لکھوا کر لائیں کہ میں نے معاف کیا۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ کیا فیصلہ کروں۔ سلیمان صاحب حضرت مدنی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی اور معافی چاہی۔ حضرت قدس سرہ نے معاف کیا اور لکھ دیا۔ میں نے سلیمان کو معاف کیا آپ بھی معاف فرمائیں۔ اور یہ تحریر لا کر حضرت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کیا معلوم پورا واقعہ بیان بھی کیا یا نہیں۔ پورا واقعہ جا کر بیان کریں اور حضرت مولانا اپنے قلم سے لکھیں کہ سلیمان نے یہ واقعہ بیان کیا اور میں نے معاف کیا۔ چنانچہ یہ دوبارہ حضرت مدنی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ حضرت یہ واقعہ لکھ کر پھر معافی تحریر فرمادیں۔ حضرت مدنی نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ سلیمان نے یہ واقعہ بیان کیا اور میں نے اس کو معاف کیا اور سفارش کرتا ہوں کہ آپ بھی معاف فرمادیں۔ اس کے بعد حضرت قدس سرہ نے معاف فرمایا اور مجلس میں حاضری کی اجازت دی مگر گفتگو کی اجازت نہیں دی۔ گفتگو کی اجازت اور بعد میں ہوئی۔

حضرت تھانوی قدس سرہ سے کسی شخص نے کہا، حضرت مدنی قدس سرہ کے

بارے میں کہ سیاست میں حصہ لیتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا۔ بس یہی دیکھا۔ یہ نہیں دیکھا کہ رات کو بارہ بجے تک بخاری شریف بھی پڑھاتے ہیں۔

حضرت مدنیؒ کا دارالعلوم میں تقرر

سیاسی شدید اختلاف کے باوجود علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور آپ کے رفقاء کے استغنیٰ کے بعد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا تقرر بعہدہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے ہی عمل میں آیا اور حسب ذیل تجویز مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تحریر کی گئی۔

حضرت مولانا مولوی حسین احمد کا تقرر بعہدہ صدر مدرس بمشاہدہ ۱۵۰ ماہوار تاریخ کارکردگی سے مجلس شوریٰ کو منظور ہے۔ حضرت ممدوح کی اعلیٰ شخصیت اور علمی تجربہ کے لحاظ سے مشاہدہ مذکورہ بالکل ناقابل ہے۔ مگر حضرت ممدوح کی اخلاص نیت و خدمت دارالعلوم کے جذبات سے ہم کو توقع ہے کہ حضرت ممدوح اس کو منظور فرما کر مجلس شوریٰ کو شکر گزاری کا موقع دیں گے اور دارالعلوم کی حالت پر اپنی توجہات اور اخلاق بزرگانہ سے نظر التفات فرما کر حسبہ اللہ پورے طور پر سنبھالنے کی کوشش فرمائیں گے جیسا کہ حضرت ممدوح کے استاد بزرگ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ عمل تھا۔ فقط اشرف علی

۲۰ رجب المرجب ۱۳۲۶ھ

کمترین جمیل احمد، محمد سعود احمد، محمد حسن مراد آبادی، محمد اشفاق، احقر محمد اسحاق عفی عنہ، محمد عبدالرحمن، مظہر حسن بقلم خود۔ (تکملہ الاعتدال ص ۱۰)

حضرت تھانویؒ کا ارشاد

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:
 ”مولوی حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے
 ہیں۔ باوجود سیاسی مسائل میں اختلاف رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلافِ
 حدود ان سے نہیں سنا گیا۔“
 (الکلام الحسن حصہ اول: ۱۷، ملفوظ ۳۲، بحوالہ تکملہ الاعتدال)

ایضاً

”الحیلۃ الناجزہ“ کے سلسلہ میں حضرت مدنی قدس سرہ نے جو سعی
 فرمائی اس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

”آخر میں بغرض طلب دعا عرض کرتا ہوں کہ مولانا حسین
 احمد صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند دامت فیوضہم نے علماء مالکیہ
 سے فتاویٰ حاصل کرنے میں بہت مدد فرمائی ہے بلکہ مسئلہ مفقود کے
 علاوہ دیگر مواقع میں تحقیق احکام کے اصل محرک بھی وہی ہیں۔ نیز
 مدینہ طیبہ میں مولانا سید احمد صاحب مہتمم مدرسۃ العلوم الشرعیہ نے علماء
 مالکی سے حصول فتاویٰ میں سعی بلیغ فرمائی۔ اور ہمیشہ نہایت اہتمام سے
 روانہ فرماتے رہے۔“ اشرف علی اوائل ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

(دیباچہ الحیلۃ الناجزہ ص ۴۱، بحوالہ تکملہ الاعتدال)

کیا ہم بھی اپنے مخالف سے کسی دینی کام میں بھی تعاون حاصل کرتے ہیں

اور اس کے تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

حضرت مدنیؒ کے دو خصوصی کمال

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری جو مولانا تھانویؒ کے مخصوص خلفاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے حضرت مدنیؒ کے متعلق میرے سامنے فرمایا کہ ”ہمارے اکابر دیوبند کے بفضلہ تعالیٰ کچھ کچھ خصوصیات ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ مدنی کے دو خداداد خصوصی کمال ہیں جو ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ایک تو مجاہدہ جو کسی دوسرے میں اتنا نہیں، دوسرے تو اضع۔ چنانچہ سب کچھ ہونے کے باوجود (اپنے) کو کچھ نہیں سمجھتے۔“ (حیرت انگیز واقعات ص ۲۱۲) بحوالہ تکریم الاعتدال۔

مقام شہنشاہیت

مولانا عبد الجبار صاحب خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے مولانا عبد المجید صاحب کچھراویؒ کو خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہ سے کہا:

”شیخ الاسلام سے اس درجہ اختلاف نہ رکھیں کیونکہ میں نے مفتی محمد حسن صاحب امرتسری سے سنا ہے جو حضرت تھانویؒ کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حال میں میں نے ایک دو جواب مسائل سلوک میں پڑھے ہیں جن کی وجہ سے سابقہ اختلاف سے رجوع کر چکا ہوں کیونکہ باطنی دنیا میں حضرت مدنیؒ کا مرتبہ اور مقام شہنشاہیت کا ہے۔“

یہ سنکر مولانا عبد المجید صاحب نے فرمایا کہ بھائی یہ تو میں نے کئی بار حضرت

تھانویؒ سے سنا ہے کہ:

”مجھ کو اپنی موت پر بھی فکر تھا کہ بعد میں باطنی دنیا کی خدمت کرنے والا کون ہے؟ مگر حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلی ہوئی کہ یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔“ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم، ص ۱۷۲، حیرت انگیز واقعات ص ۳۱۳، بحوالہ تکملہ الاعتدال)

مکتوب حضرت تھانویؒ بنام مولانا عبد الماجد دریابادیؒ

مولانا عبد الماجد دریابادی کو تحریر فرمایا:

”کوئی مضمون دینی بدون ملاحظہ مولانا حسین احمد صاحب کے شائع نہ کیا جائے۔“ (حکیم الامت ص ۱۰۳۔ تکملہ الاعتدال)

ایضاً

ایک مرتبہ مولانا دریابادی صاحب کو ہی تحریر فرمایا:

”میں نے مدت ہوئی فیصلہ کر لیا ہے کہ جن احباب سے دوستی ہے، ان سے عقائد و احکام میں گفتگو نہ کیا کروں گا، یا تو خیریت کی اطلاع و استطلاع کا تعلق رکھوں گا یا دعاء کا یا معالجہ نفسیات کی تحقیق کا، اور ایسے احباب کی فہرست میں جناب کا اور مولانا عبد الماجد دریابادی صاحبؒ کا اور جناب سید سلیمان صاحب کا نام ذہن میں تجویز کیا ہے۔ ان دو صاحبوں کو بھی اس کی اطلاع دے چکا ہوں۔ ایسی تحقیقات کے لئے مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا انور شاہ صاحب

کی طرف توجہ دلاتا ہوں اسی میں مصلحت ہے۔“
(حکیم الامت ص ۱۳۳، بحوالہ تکرار الاعتدال)

ایضاً

ایک مرتبہ تحریر فرمایا:

”معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب کانگریس کی شرکت کو فرض فرماتے ہیں۔ اس لئے خاص عقیدت رکھنے والوں پر لازم ہے کہ مولانا سے ایسے طریقہ سے کہ مولانا اصلی خیال ظاہر فرمادیں ضرور تحقیق کر لیں کہ مجھ جیسے تارک فرض سے ان صاحبوں کا ملنا ان کے قلب لطیف پر گراں تو نہ ہوگا کیونکہ گرانی کی صورت میں باطنی فیوض منقطع ہو جاتے ہیں جو ضرر عظیم ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آیا وہ روایت گو ظاہراً متواتر ہے صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہو اور ملنا گراں ہو تو چند روز کے لئے مجھ سے ملنا بند کر دینے سے کچھ ضرر نہیں۔“

(حکیم الامت ص ۱۶۱، تکرار الاعتدال ص ۴۸)

مولانا عبد الماجد دریابادی کا تبصرہ

اس پر مولانا دریابادی تحریر فرماتے ہیں:-

”ظاہر ہے کہ اس وقت حکیم الامت کو مولانا مدنی سے شدید سیاسی اختلاف تھا۔ اس شدید اختلاف کے وقت وہ یہ نہیں کرتے کہ مولانا کے ایک متوسل کا میلان اپنی طرف دیکھ کر اسے اور اپنانے کی کوشش کریں بلکہ جب وہ اس طرف بڑھتا ہے تو اور الٹا اسے روکتے ہیں اور

باصرار بار بار کہتے ہیں کہ ادھر قدم اٹھانے سے شیخ کے قلب پر غبار آجانے کا اندیشہ ہے۔“ (حکیم الامت ص ۷۴، تکملہ الاعتدال ص ۴۹)

حضرت مدنی کی شان میں نظم

۱۹۳۲ء میں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ مدرسۃ الاصلاح سرانے میر (ضلع اعظم گڑھ) تشریف لے گئے۔ جناب اقبال احمد خاں صاحب سہیل نے بطور خوش آمدید ایک نظم کہی جس کو ایک خوش الحان طالب علم نے پڑھ کر سنایا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

اے سایہات بال ہما خوش آمدی خوش آمدی
اھلاً وسہلاً مرحباً خوش آمدی خوش آمدی
آخری شعر یہ ہے:

از مقدمت دل شاد شد، ویرانہ ام آباد شد
اے بر تو چمن صد فدا خوش آمدی خوش آمدی
یہ پوری نظم دریابادی صاحب نے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں لکھ کر بھیجی۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے نظم ملاحظہ فرما کر تحریر فرمایا:
”واقعی نفیس ہے اور لطف یہ ہے کہ سلیس ہے، گویا سہل ممتنع ہے میں نے نقل کر لی ہے۔“ (حکیم الامت ص ۲۳۳، تکملہ الاعتدال)

مکتوب حضرت تھانوی بنام مولانا دریابادی

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”اور مولانا (مدنی) کی توضیح مجھ میں ہو ہی نہیں سکتی۔“

(حکیم الامت ص ۲۱۹، مکملہ الاعتدال)

غور فرمائیں کہ حضرات شیخین قدس سرہما کا سیاسی شدید اختلاف کے باوجود باہم کیا طرز عمل تھا اور ایک نظر اپنے حالات پر بھی ڈالیں کہ کسی سے ذرا سا اختلاف ہو جائے تو ہمارا طرز عمل کیا ہوتا ہے۔

خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت مدنیؒ کی امامت

میرے استاذ محترم حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے بیان فرمایا: کہ حاجی صاحب تاؤلی والوں نے بیان کیا کہ میں تھانہ بھون حاضر تھا۔ حضرت مدنی تشریف لائے رات کو قیام فرمایا۔ فجر میں حضرت تھانویؒ نے نماز پڑھانے کیلئے فرمایا۔ حضرت مدنیؒ نے جواب دیا کہ میرے نماز پڑھانے سے ہو سکتا ہے کچھ لوگوں کو گرانی ہو۔ حضرت نے فرمایا جن کی نماز نہ ہو وہ اپنی نماز کہیں دوسری مسجد میں جا کر پڑھ لیں مگر نماز آپ ہی پڑھائیں گے۔ حضرت مدنیؒ نے نماز پڑھائی، جمعہ کا روز تھا۔ پہلی رکعت میں ”الم تنزیل سجدہ“ دوسری میں ”سورۃ الدھر“ پڑھی۔ آیت سجدہ پر سجدہ کیا۔ بعض لوگ رکوع میں چلے گئے اور جب سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر کہی تو وہ رکوع سے اٹھے۔ نماز کے بعد چہ می گوئیاں ہوئیں۔ بعض نے کہا نماز نہیں ہوئی۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا شاید اس نماز کی برکت سے ہماری زندگی بھر کی نمازیں قبول ہو جائیں۔

حضرت مدنیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ

دونوں حضرات میں سیاسی اختلاف تھا اور ۱۳۴۶ھ میں حضرت علامہ انور شاہ

کشمیری کے دارالعلوم دیوبند سے علیحدہ ہونے پر ہی حضرت مدنیؒ کو ان ہی کی جگہ مسند مشیخت و صدارت پر مقرر کیا گیا جس سے ذہنی تکدر ایک طبعی چیز ہے مگر اس کے باوجود دونوں حضرات کا کیا طرز عمل تھا ملاحظہ ہو۔

حضرت مدنی قدس سرہ کا دارالعلوم میں تقرر کے بعد آسام کا سفر ہوا۔ وہاں خاص قسم کی چائے ہوتی ہے اس کو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کیلئے خریدا۔ اور اس کو وہیں سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے پتہ پر ارسال کرنا چاہتے تھے مگر ذہول ہو گیا۔ سفر سے دیوبند واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب قدس سرہ بوا سیر کی شدت کے باعث ڈابھیل کے بجائے دیوبند دولت کدہ پر ہی تشریف فرما تھے۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ سے فراغت پر ڈولی میں حضرت شاہ صاحبؒ اپنے گھر واپس ہوتے ہوئے حضرت مدنیؒ کے در دولت کے پاس سے گزرے۔ اشتیاق ملاقات کے باعث ڈولی رکھوالی۔ حضرت مدنیؒ دیکھتے ہی اندر مکان میں تشریف لے گئے اور چائے کا بنڈل جس کو حضرت شاہ صاحبؒ کیلئے آسام سے خریدا تھا لا کر پیش کر دیا اور دونوں اصحاب کمال الفت و محبت کے ساتھ جس پوری وسعت قلبی سے ملے اور بلند نظری سے پیش آئے وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ (سیرت شیخ الاسلام ص ۲۰۰)

حضرت مدنی اور مولانا عبد اللہ صاحب فاروقی قدس سرہ

دونوں حضرات حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے شاگرد ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ مولانا عبد اللہ فاروقیؒ سن رسیدہ بزرگ تھے لاہور میں قیام تھا۔ اس وقت حضرت مدنیؒ کا مدینہ منورہ میں قیام تھا۔ مولانا عبد اللہ صاحبؒ حج کیلئے تشریف لائے اور حضرت مدنیؒ کے مکان پر قیام فرمایا۔ آگے خود مولانا عبد اللہ صاحب فاروقیؒ کی زبانی سنئے۔

ایک روز مسجد میں جاتے ہوئے میں نے مولانا مدنی صاحب کا جوتہ اٹھالیا۔ مسجد سے واپس ہوئے میں دیکھتا ہوں مولانا حسین احمد صاحب میرا جوتہ سر پر رکھے ہوئے جا رہے ہیں۔ میں پیچھے پیچھے بھاگا اور مولانا نے تیز قدم چلنا شروع کر دیا۔ میں نے کوشش کی کہ جوتہ لے لوں مگر لینے نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ جوتا سر پر لٹھ نہ رکھئے۔ فرمایا عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤں گا۔ بجز عہد کوئی چارہ کار نہ پا کر میں نے عہد کر لیا تب جوتا سر سے اتار کر نیچے رکھا۔ (سیرت شیخ الاسلام ص ۲۴۲)

حضرت مدنی کی تواضع و عبدیت

مگر یہ سب تواضع و عبدیت کے ثمرات ہیں جو ان حضرات کا حال بن چکی تھا۔ حضرت مدنی قدس سرہ ایک صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

مکتوب گرامی حضرت مدنی

”واللہ باللہ! ثم تالله، میں اس قدر نالائق و ناہنجار، گنہگار، دنیا پرست، سب دنیا اور بدکردار ہوں کہ اگر محض اپنے فضل و کرم سے اس غفار الذنوب اور ستار العیوب نے کام نہ لیا تو اشد الناس عذاباً اور اخر الخاسرین میں ہوں گا۔ ”فلہ الحمد علی حلمہ و علی عفوہ بعد قدرتہ۔“ (سیرت شیخ الاسلام ص ۲۴۹)

ایضاً

”ایک بڑے انشاء پرداز عالم تھے۔ حضرت مدنی قدس سرہ

سے بیعت کی درخواست کی۔ جواب میں تحریر فرمایا مجھ کو نہایت تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار صاحب علم و شعور ایسی غلطی میں پڑے۔ میرے محترم اصلاح نفس کے لئے کسی سگ دنیا، نفس پرست ناکارہ و نالائق کے پاس جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ پیاسا دریا کا قصد بے شک کرتا ہے مگر آتش کا قصد نہیں کرتا۔ درود یوار سنگ و کہسار کی طرف نظر نہیں اٹھاتا۔“

ایضاً

آگے تحریر فرماتے ہیں:

”میں حلفیہ کہتا ہوں اور میں سچا ہوں کہ میں اپنی روسیاء ہی اور سیہ کاری سے خود شرمندہ اور نادم ہوں اور بسا اوقات روتا ہوں میری واقعی حالت اشخاص انسانہ سے بدتر ہونا درکنار ارذل حیوانات سے بھی بدتر ہے۔“ (سیرت شیخ الاسلام ص ۲۴۷، بحوالہ مکتوبات ص ۱۰۸)

سیتارام شکل کا بیان

یہ وہ اخلاق تھے جن کو دیکھ کر جیل کا ساتھی سیتارام شکل پکا راٹھتا ہے:-
 ”میں اس بارگ میں آپ کے ساتھ نہ رہوں گا۔ آپ انسانیت، آدمیت اور شرافت کے ایسے مقام پر ہیں کہ اگر میں تھوڑے دنوں آپ کے ساتھ رہا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔“

مولانا مدنی نے فرمایا: تم تو بہت دنوں سے مسلمان ہو، تم کیا مسلمان ہو گے۔ شکل صاحب کو بیرگ سے علیحدگی کا آڈر آیا تو جواب دیا:

”میں مولانا کو چھوڑ کر بہشت میں بھی جانا پسند نہ کروں گا۔“

(سیرت شیخ الاسلام ص ۲۰۴)

سلہٹ میں قاتلانہ حملہ

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ حسب معمول ۱۹۴۶ء میں سلہٹ تشریف لے گئے، رمضان المبارک کے دینی اور روحانی معمولات میں مشغول تھے کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس کا چشم دید حال مولانا عبدالحمید اعظمی رکن مرکزی جمعیتہ العلماء ہند کی زبانی ملاحظہ ہو:

”حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس آخری سفر سلہٹ میں وہ منحوس دن بھی پیش آیا جب کہ پورے ملک کی طرح یہاں بھی ایک مسلم جماعت کے حکم پر ڈائریکٹ ایکشن ڈے منایا گیا، جس میں اپنے ایک ”خاص مطالبہ“ کے ساتھ قوم پرور مسلمانوں پر وحشیانہ حملہ کرنا بھی شامل تھا۔ چنانچہ سلہٹ میں نئی سڑک کی مسجد میں نماز جمعہ سے فراغت پاتے ہی اس فتنہ کا آغاز ہوا، پوری مسجد نمازیوں کے خون سے لت پت ہو گئی۔ خدا کی براہ راست نگرانی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو محفوظ رکھا، ورنہ اسباب و علل کی دنیا میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آثار نہیں تھے۔ میں نے ہنگامہ فرو ہونے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تنہائی میں عرض کیا: ”آج تو کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی مگر خدا نے خیر کی اور حضرت پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی، یقیناً اس قوم نے ظلم کی انتہا کر دی ہے، اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر صبر کیا

تو خدا خود اپنی گرفت میں لے کر اس قوم کو تباہ کر دے گا۔ خدا را ان کو اللہ کی گرفت سے بچائیے۔ ارشاد ہوا: کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ”ان ظالموں کے حق میں بددعا فرما کر ان سے بدلہ لیں تاکہ خدا براہ راست اپنی گرفت میں نہ لے لے۔“ عجیب لہجہ میں فرمایا: ”بھائی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ نہیں لیا تو میں ان کا غلام ہو کر کیا بدلہ لوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ اس قوم کو ہدایت دیں، اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر: ۸۳)

بریلی کا دلخراش واقعہ

ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء کا پر آشوب دور تھا۔ مسلم لیگ کی تحریک کانگریس کے مقابلہ میں اپنے شباب پر تھی، آپ کانگریس کی حمایت میں برلی تشریف لائے۔ موتی پارک میں جلسہ کا انتظام کیا گیا۔ مغرب کے بعد حضرت تشریف لے گئے تو جلسہ گاہ پر ہو چکی تھی۔ معززین شہر ساتھ تھے، خادم بھی ہمراہ تھا۔ جلسہ گاہ کے باہر لیگ کے ہم خیال لوگوں کا ایک زبردست ہجوم تھا، جو مخالفانہ نعرے لگا رہے تھے، اور وہ یہ چاہتے تھے کہ جلسہ نہ ہو مگر اس مرد مجاہد نے کسی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جلسہ کی کاروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ حضرت نے آیت کریمہ ”وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون“ تلاوت فرمائی، جو موقع اور محل کے مطابق تھی، اس کا ترجمہ فرما کر تقریر شروع فرمادی۔ مخالفین انتہائی بد اخلاقیوں پر اتر آئے۔ تارکول کے کالی ڈرم اور ٹین کے کنستری پوری قوت سے بجانے لگے۔ سڑک پر پڑے کیلے کے ڈنٹھل وغیرہ حاضرین جلسہ پر پھینکنے لگے۔

جب ان حرکات کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو ان ناعاقبت اندیشوں نے سنگباری شروع کر دی۔ پولیس کی پوری فورس موجود تھی؛ لیکن چونکہ ضلعی افرس لیگی ذہنیت کا تھا۔ اس لئے پولیس کا عدم اور وجود دونوں برابر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حاضرین جلسہ مضروب ہونے لگے اور مجمع منتشر ہونے لگا۔ حضرت کے جاں نثاروں نے چاہا کہ حضرت کے اوپر کوئی سایہ کر لیں تاکہ آپ کا جسم مبارک محفوظ رہے، مگر آپ نے ان لوگوں کو روک دیا اور فرمایا: کہ حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ آپ اسی سنگاری میں سینہ سپر ہو کر مجاہدانہ انداز میں تقریر فرماتے رہے۔ آخر کار مخالفین نے روشنی قمقموں کو پتھر کا نشانہ بنا کر ساری فضا کو تاریک کر دیا۔ مجبوراً جلسہ برخاست کرنا پڑا۔ حضرت الحمد للہ خیر و عافیت کے ساتھ قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور واپسی سے قبل اپنی جانب سے ایک ہینڈ بل شائع فرمایا جو دعاؤں، نصیحتوں سے پر تھا، جس کا مضمون اس شعر پر ختم تھا۔

مراد ما نصیحت بود گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

(راوی: حکیم عبدالرشید صاحب، بریلی)

حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی قدس سرہما

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: کہ

”حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے استاذ

اور ہر لحاظ سے میرے بڑے تھے۔ مگر سیاسی تحریک میں شرکت سے

متعلق میں نے مولانا سے اختلاف کیا مگر نہایت ادب کے ساتھ۔ اور مولانا کو بھی میرے اس اختلاف سے ذرہ برابر ناگواری نہیں ہوئی۔ چنانچہ ایک بار مقرب معتقد نے میرٹھ میں مجمع کے سامنے مجھ پر کچھ نکتہ چینی کی۔ جب مولانا کو اس کی خبر پہنچی تو اظہار ناراضگی فرمایا۔ اور فرمایا وہیں جا کر اسی مجمع میں اپنے قول کو رد کرو اور اس مسئلہ میں کیا مجھ پر جی نازل ہوئی ہے۔ یہ محض میری رائے ہے ممکن ہے اس کی رائے صحیح ہو۔“

فقہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے یہ بھی سنایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے حضرت تھانویؒ کا ذکر آیا کہ وہ تحریک خلافت کی مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے دانتوں میں انگلی دبا لی اور فرمایا ان کا ذکر مت کرو۔ وہ عالم ہیں، وحی ہمارے پاس بھی نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے ان کی رائے صحیح ہو۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے سامنے حضرت تھانویؒ کا ذکر آیا فرمایا وہ عالمانہ شان رکھتے ہیں خاموش رہو۔ یعنی تم اس لائق نہیں کہ ان کے بارے میں کچھ ذکر کرو۔

حضرت گنگوہی اور حضرت تھانویؒ قدس سرہما

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

”اور مولانا سے تجاوز کر کے میں نے تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا علم بھی مولانا کو میں نے کرا دیا۔ لیکن شفقت میں کبھی ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا بلکہ جب میں والد صاحب مرحوم کی بینک کی رقم کے منافع کا

حصہ ترکہ میں نہیں لایا اور اپنی رائے حرمت کی اطلاع بھی کر دی تھی اور مولانا کے نزدیک اس میں تنگی نہ تھی تو مولوی محمد کی صاحب نے عرض کیا کہ پھر آپ اسے (یعنی مجھ سے) لے لینے کو کیوں نہیں فرما دیتے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ سبحان اللہ! ایک شخص اپنی ہمت سے تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے کیا میں اس کو تقویٰ سے روکوں۔ تو دیکھئے مولانا اس اختلاف سے ناراض تو کیا ہوتے اس کا نام تقویٰ قرار دے کر اٹے خوش تھے۔“

غرض اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف نیک نیتی کے ساتھ اور محض دین کیلئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (آپ بیتی نمبر ۶، ص ۳۰۴، بحوالہ افاضات ۲/۹ ص ۳۰۶)

حضرت تھانویؒ، حضرت رائے پوریؒ اور حضرت دہلویؒ کا طرز عمل

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ تینوں حضرات اکابر سہارنپور قیام فرماتے تھے۔ تھانہ بھون اور دیوبند کا تذکرہ آگیا۔ سیاسی کشمکش خوب چل رہی تھی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

”آہ! فیض کی نہ یہاں کمی نہ وہاں کمی، معترض یہاں سے بھی

محروم وہاں سے بھی محروم۔“

ایک روز مجلس میں حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا:

تھانہ بھون حاضری کے لئے جی تو چاہتا ہے مگر ہم لوگ

گاؤندی آدمی ہیں بزرگوں کے آداب سے ناواقف ہیں۔ ڈر لگتا ہے

کہ ہم سے حضرت کو تکلیف نہ پہنچے اس لئے حاضری کی ہمت نہیں

ہوتی۔“

کسی نے یہ جملہ تھانہ بھون جا کر نقل کر دیا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا:
”افسوس میں نے سفر ترک کر دیا ورنہ میں خود حاضر ہوتا۔“

یہ جملہ حضرت تھانوی قدس سرہ کا ان صاحب نے سہارنپور سے حضرت
رائے پوری قدس سرہ اور حضرت دہلوی قدس سرہ سے جا کر نقل کر دیا۔ ان حضرات کا
قیام ابھی سہارن پور ہی تھا۔ یہ جملہ سن کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ
نے فرمایا:

”بس جی! اب تو ضرور چلیں گے۔ تکلیف پہنچے، پہنچا کرے،
تکلیف پہونچانے جا نہیں رہے۔ اور چھوٹوں سے تو بڑوں کو تکلیف
پہنچتی ہی ہے ہم تو حضرت کے بچے ہیں۔ بچے تو کپڑوں پر پیشاب
بھی کر دیتے ہیں۔ بڑے سب برداشت کرتے ہیں۔ ہمارا ارادہ
تکلیف پہونچانے کا نہیں۔“

حضرت رائے پوری قدس سرہ بھی تیار ہو گئے اور دونوں حضرات تھانہ بھون
تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے سے کسی نے تشریف آوری کی اطلاع کر دی۔ حضرت
تھانوی قدس سرہ کے یہاں مجلس کا وقت تھا۔ حضرت قدس سرہ کے یہاں نظام فاروقی
تھا۔ ارشاد فرمایا مجمع میں سے کوئی نہ اٹھے میں اٹھوں گا۔ سب کے اٹھنے سے خلفشار ہوتا
ہے۔ میرا اٹھنا سب کا اٹھنا شمار ہوگا۔ چنانچہ سب مجمع بیٹھا رہا اور حضرت تھانوی قدس سرہ
اٹھ کر دروازہ تک تشریف لائے۔ سلام، مصافحہ، معانقہ فرمایا اور اپنی مسند پر لا کر
بٹھایا۔ گفتگو شروع ہوئی حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا:

”میں رائے پور گیا ہوں، وہاں آپ کا دیکھنا یا دیکھنا نہیں پڑتا ایک

ہی دفعہ حاضری ہوئی، پھر تو ہمت ہی نہیں ہوئی۔“

حضرت رائے پوری قدس سرہ نے دریافت فرمایا: کیا بات پیش آگئی تھی جو دوبارہ تشریف نہیں لے گئے۔ فرمایا:

”کہ مولانا گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو اپنا بزرگ سمجھتے ہوئے حاضر ہوا تھا مگر وہاں معاملہ میری حیثیت سے اونچا کیا گیا جس کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ رات میں ایک وقت آنکھ کھلی۔ دیکھا کوئی صاحب لائٹھی لئے چارپائی کے قریب کھڑے ہیں۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ہیں۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھا پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا: یہاں کے لوگ بے سلیقہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی چارپائی کے قریب کو کوئی جائے اور پیر کی آہٹ سے آنکھ کھل جائے، اس لئے کھڑا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت بس میرا آنا تو ختم ہوا، میں اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ مگر آپ کو وہاں دیکھنا یا نہیں پڑتا۔“

حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا: حضرت کو خیال ہو ایک شخص کمری اور گھٹنوا پہنے مہمانوں کے ہاتھ دھلاتا، دسترخوان بچھاتا، چارپائی بچھاتا، آتا جاتا تھا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے کچھ تامل کر کے فرمایا: یاد تو پڑتا ہے۔ اس حلیہ کا ایک جوان پنجابی تھا۔ حضرت رائے پوری قدس سرہ نے فرمایا: یہ خادم وہی ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا: سچ ہے۔ ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

[جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہو گیا۔]

اس کے بعد یہ حضرات رخصت ہونے لگے۔ رخصت کرتے وقت حضرت تھانوی قدس سرہ بھی کھڑے ہونے لگے۔ کھڑے ہوتے ہوئے حضرت رائے پوری نے بغل میں ہاتھ دیکر سہارا دیا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا: آگے بھی خیال رکھنا۔ بھول نہ جانا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن تک چلنا چاہتے تھے۔ حضرت رائے پوری قدس سرہ نے عرض کیا حضرت اللہ کے لئے یہ تکلیف نہ کریں۔ ہم کو یہیں سے رخصت فرمادیں۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا: بہت اچھا ساتھ نہیں گئے، ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ عزیز الحسن صاحب تشریف لائے ان سے فرمایا چلو خواجہ صاحب ایک بزرگ سے ملاقات کرا کر لاؤں اور ان کو لے کر اسٹیشن پر تشریف لائے اور فرمایا: آپ حضرات کی وجہ سے نہیں آیا بلکہ ان کی وجہ سے آیا ہوں۔

حضرت رائے پوریؒ کا زہر دینے والے طبیب کے ساتھ سلوک

حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی نور اللہ مرقدہ تذکرۃ الخلیل میں اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نادان طبیب نے غلطی سے آپ کو زہر دے دیا۔ فوراً آپ کو قے ہو گئی اور مرض ترقی کر گیا۔ ڈاکٹری تشخیص سے پتہ چلا کہ چند منٹ قے نہ ہوتی تو جانبری محال تھی۔ حضرت سے جس کو ذرا بھی تعلق تھا وہ حکیم صاحب پر آنکھیں نکالتا اور ان کی صورت سے بیزار ہو گیا۔ مگر آپ کو حکیم صاحب کی ندامت اور اپنے خدام کی ان سے یہ وحشت ایک مستقل تکلیف بن گئی کہ وہ بھی کتمان اور ضبط میں رہی جس کا اثر یہ تھا کہ حکیم صاحب تشریف لاتے تو آپ ان کو سب سے الگ اپنے پاس چار پائی پر بٹھاتے اور کسی کی بھی دوا کا استعمال ہو مگر حکیم صاحب سے مشورہ کیا کرتے جس سے انکو یقین ہو جاتا کہ حضرت میرے معاملہ کے

معتقد اور میری صداقت اور مزاج شناسی کے معترف ہیں اور مخلص خدام سے ایک مرتبہ نرم لہجہ میں اس طرح فرمایا کہ حکیم صاحب تو میرے محسن ہیں غلطی تو ہر بشر کے ساتھ لگی ہوئی ہے، مگر جو کچھ کیا وہ محبت و شفقت ہی کی نیت سے کیا۔ ان کو کوئی ترچھی نظر سے دیکھتا ہے تو میرے دل پر ایک برچھی لگتی ہے۔ فاعل مختار بجز مولائے کریم کے کوئی نہیں، جو ہوا وہ اس کی مشیت سے ہوا، پھر کسی کو کیا حق ہے کہ آلہ و اوزار کو سرنش کرے۔ (آپ بیتی: ۶/۲۴۰)

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ

شیخ الحدیث قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کا طرز عمل تو وہ قابل صدر شک ہے جس کے دیکھنے والے ابھی ہزاروں موجود ہیں کہ مختلف الحیال علماء اور جماعتوں سے وہ تعلقات رکھتے تھے اور سب کا آنا جانا رہتا تھا کہ حضرت شیخ قدس سرہ کا مکان گویا مشترکہ پلیٹ فارم تھا۔ جس پر مختلف سمتوں میں جانے والی گاڑیاں اترتی تھیں اور اکابر دیوبند، رائے پور، تھانہ بھون، دہلی، لکھنؤ میرٹھ، مراد آباد، کانگریسی ہوں یا لیگی، احرار ہوں یا مسلم مجالس مشاورت حضرت شیخ قدس سرہ گویا سب کے محبوب تھے۔ اور حضرت شیخ قدس سرہ بھی سب کا پورا احترام فرماتے اور سب کے ساتھ محبت و عظمت کا تعلق رکھتے اور سب کو شیخ کے دوسرے حضرات کے ساتھ تعلق کا بھی پورا علم تھا مگر اس کے باوجود شیخ قدس سرہ کو سب حضرات اپنا سمجھتے اور خود شیخ قدس سرہ بھی سب سے ایسا ہی قلبی تعلق رکھتے جس کی تفصیل خود حضرت شیخ قدس سرہ کی زبانی آپ بیتی میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ احترام و اکرام، تعظیم و تکریم کا تعلق برقرار

رکھنے کے سلسلہ میں الاعتدال فی مراتب الرجال، رسالہ تصنیف فرمایا جو دراصل اپنے ایک شاگرد کے سات سوالوں کا جواب ہے جس میں ہزار ہا احادیث اور بہت سی آیات کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے جو اس موضوع پر منفرد کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم نے اپنے اس رسالہ میں اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور یہاں دو سوالوں کے جواب کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔

حضرت تھانوی و حضرت مدنی قدس سرہما کا اختلاف

پہلا سوال ہے کہ حضرت تھانوی اور حضرت مدنی قدس سرہما میں مخلص اور اہل اللہ ہونے کے باوجود اتنا شدید اختلاف کیوں ہے؟ کیا مخلصوں اور دینداروں میں بھی ایسا اختلاف ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے؟

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستعجب اور دشوار چیز نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ شوال میں حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے اور رجب میں تمت ہوتی ہے۔ ان دس ماہ میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گذرتا جس میں کم از کم بیس مرتبہ یہ کہنا نہ پڑتا ہو کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور فلاں کا یہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہ مذاہب ہیں، حضرات تابعین رحمہم اللہ میں یہ اختلاف ہے۔ اگر آپس کا اختلاف ہی اخلاص کے منافی ہوگا تو ہمیں تو بڑی مشکل پیش آجائے گی کہ ان سب حضرات رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ تعالیٰ کو مخلصین کی جماعت سے خدا نخواستہ نکالنا پڑ جائے گا۔ رہا شدید اختلاف ہونا تو میں تو کچھ شدید بھی نہیں سمجھتا۔ اتنا ہی تو ہے کہ ایک وقتی مسئلہ میں ایک حضرت کی رائے یہ ہے کہ لیگ

میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید ہے کانگریس میں مضر ہے۔ دوسرے حضرت کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب جو شخص خود اہل الرائے ہے حالات کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے، تو اعد شرعیہ سے واقف ہے اس کو چاہئے کہ جس کو دیانتہ حق پر سمجھتا ہے اس کو اختیار کرے۔ جو خود اتنی سمجھ نہیں رکھتا اس کو چاہئے کہ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہو دو چار دن قیام کرے یا اگر حالات سے پہلے سے واقف ہے تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں۔ جو نسے حضرت سے زیادہ عقیدت ہو ان کا اتباع کرے۔ ”باہیم اقتدیتم اہتدیتم“ اس میں لڑائی کی کیا بات ہے؟ اور جھگڑا کیا ہے اور میں پوچھتا ہوں کہ آخر ان اکابر کا اختلاف آپ کی نظر میں شدید اختلاف کیوں ہے؟ کیا یہ اختلاف جنگ جمل سے بھی بڑھ گیا ہے جس میں دونوں طرف سے تلواریں چل رہی تھیں۔ تم ہی بتاؤ ان میں سے کونسے فریق کو مخلصین کی جماعت سے نکال دو گے۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی آئے تو رضی اللہ عنہ کہنا ہے، خلیفہ برحق کہنا ہے، مرجع الاولیاء کہنا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام مبارک آئے تو رضی اللہ عنہا کہنا ہے، ام المؤمنین کہنا ہے اور حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی بیوی کہنا ہے۔ اور اختلاف کا حال معلوم ہی ہے کہ جنگ جمل کا نام قیامت تک اس اختلاف کی یاد کو باقی رکھنے والا ہے۔ سنو چونکہ میں تم پر کافی حق سمجھتا ہوں اس لئے زور دار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا۔ اگر خدا نخواستہ ایسا کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ مجھے تو بعض لوگوں پر جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غیبت اور بے ادبی کرتے ہیں بہت ہی تعجب ہوتا ہے اور ان اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اپنے دینی علمی

کارناموں کے ساتھ جن کے ثمرات وہ شب و روز لوٹتے ہیں دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بے چارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چونکہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آرہا ہے اس لئے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تم ہی لیتے جاؤ۔ کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر بن رہا ہے اور مجرم بن رہا ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی تو غیبت کی جاتی ہے اور ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور فساق و کفار کی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے۔ ”إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ.“ (مشکوٰۃ شریف)

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ ناراض ہوتے ہیں اور عرش تھرانے لگتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کی تعریف نہ کی جائے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ کس شخص کی تعریف کس حد تک اور کن قواعد کے تحت میں جائز ہے اور کس حد تک ناجائز ہے۔ میری غرض یہ ہے کہ اللہ والوں کو برا نہ کہا جائے، کسی کی خلاف شرع تعریف نہ کی جائے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کسی ایک جانب غلطی ہے تو کیا اس کا مقتضایہ ہے کہ ان کے سارے دینی کمالات سے آنکھیں پھوڑ لی جائیں۔ شریعت مطہرہ نے ہم لوگوں کو ایک ایک جز اور ایک ایک چیز کی تعلیم دی ہے۔ ہم لوگ باوجود ادعائے مذہبیت کے اس کی پرواہ نہیں کرتے اور دوسری قومیں ان زریں اصولوں پر عمل کر رہی ہیں اور بڑھ رہی ہیں۔ اور ہم لوگ اپنی مایہ لٹا رہے ہیں اور نقصان اٹھا رہے ہیں۔

ہمارا طرز

ہمارا طرز یہ ہے کہ ایک بات اپنے ذہن میں صحیح سمجھ لی، کیسی ہی معمولی سی بات ہو، کتنی ہی جزوی چیز ہو پھر کسی کا مضمون کسی کی تقریر اس کے موافق دیکھ لی یا سن لی تو اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے جاتے ہیں اس کو سراہا جاتا ہے، اس کی جاو بے جا حمایت کی جاتی ہے۔ اس میں جو خلاف شرع واقعی باتیں ہوں ان کو معمولی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ جو بات حق ہے اس کو حق کہا جائے جو غلط ہے اس کو غلط کہا جائے۔ یا کم از کم سکوت کیا جائے۔ لیکن ہمارا عمل یہ ہے کہ اس شخص کی حمایت میں ان شرعی امور ہی کو سرے سے لغو بتا دیا جاتا ہے جن کی وہ خلاف ورزی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے اہم ترین رکن جس کو سیکڑوں احادیث میں کفر و اسلام کا امتیاز بتایا گیا ہے یعنی نماز اس کے متعلق بھی ایسے الفاظ ہماری زبان و قلم سے نکل جاتے ہیں جن کی نقل سے بھی کوفت ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ہمارا ممدوح نماز نہیں پڑھتا نماز کے ساتھ استخفاف کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کسی کی کوئی معمولی سی بات اپنی رائے کے خلاف سن لی یا دیکھ لی تو اس کا ہر فعل عیب ہے جو واقعی خوبیاں اس میں ہیں وہ بھی سراسر مذمت کے قابل سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ شرع اور عقل و فہم کے نزدیک ہر چیز کا ایک رتبہ ہے جس سے نہ گھٹانا چاہئے نہ بڑھانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے:

”أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ.“ و كذا في الجامع برواية مسلم و ابی داؤد

عن عائشة رَقَمَ لَهُ بِالصَّحَةِ.

[لوگوں کو ان کے مرتبہ میں رکھا کرو۔] یعنی نہ مرتبہ سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ لیکن ہم لوگوں کا عام برتاؤ آج کل یہ ہے کہ ہر چیز میں افراط و تفریط ہے۔ اعتدال کا ذکر ہی

نہیں۔

اہل حق میں اختلاف اور اس کی وجہ

علاوہ ازیں اگر میں مان بھی لوں کہ ان حضرات میں شدید اختلاف ہے تو یہ بھی سمجھ لینے کی بات ہے کہ اہل حق میں شدید اختلاف کا ہونا نہ منقصد ہے نہ شریعت کے خلاف بلکہ جب کسی امر میں اہل حق کے نزدیک اختلاف ہوگا تو جس درجہ کا وہ امر اور وہ اختلاف ہوگا اسی درجہ کی اس میں شدت بھی ہوگی۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک امر کو کوئی شخص فرض سمجھتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے۔ یا ایک شخص واجب سمجھتا ہے دوسرا مکروہ تحریمی، تو اس میں آپس میں مخالفت منازعت تردد ضروری ہے۔ یہی چیز ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں قتال تک پر مجبور کیا۔ ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ جن کی تحقیق اس کے خلاف تھی وہ فرماتے ہیں: کَذَبَ [جھوٹ بولا] گو علماء اس ارشاد کی صحابی کی شان میں ہونے کی وجہ سے توجیہ فرماتے ہیں لیکن ظاہری الفاظ یہی ہیں۔ اس لئے اگر امر حق کی تحقیق میں کوئی لفظ سخت نکل جائے تو اس کی توجیہ ہم کو بھی تو کرنا چاہئے۔ حدیث کی کتابوں میں سیکڑوں نظیریں اس کی ملیں گی اور یہ حضرات اپنے اس زور و شور میں اس لئے معذور ہیں کہ ان کے پیش نظر ”الَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ لِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ كَذَا فِي جَمْعِ الْفَوَائِدِ“ روایۃ الترمذی عن ابی سعید مرفوعاً“ جیسے ارشادات بکثرت موجود ہیں۔

[خبردار! کسی شخص کو امر حق کہنے سے لوگوں کی ہیبت نہ روکے۔]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، اس حدیث کو نقل فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ بہت سے امور ہم نے دیکھے اور ہیبت ہمارے لئے مانع ہو گئی۔

نیز مشہور حدیث ہے: ”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“۔

[جو شخص کوئی ناجائز چیز دیکھے اس کو ہاتھ سے بند کر دے، ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے بند کر دے، زبان سے بھی نہ کر سکے تو (کم از کم) دل سے تو اس پر نکیر کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔]

اس قسم کی اور بہت سی نصوص ہیں جن میں سے بعض میں اپنے رسالہ تبلیغ میں ذکر کر چکا ہوں۔ یہ ارشادات ان حضرات کو مجبور کرتے ہیں کہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اور جس درجہ کا حق سمجھتے ہیں اس کو اصرار سے بیان فرمائیں اور شائع کریں اور اس کے خلاف پر نکیر کریں اور شدت سے کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نکیر کرنے والا اس کا اہل ہو کہ نکیر کر سکے۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا اس میں نہ تشویش کی کوئی وجہ ہے نہ کوفت کی۔

اہل حق کے اتفاق کی صورت

البتہ یہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصاً اپنے اکابر ایک نظریہ پر متفق ہو جائیں اگرچہ اس میں تنگی ضرور ہو جائے گی کہ اختلاف کی وسعت جاتی رہے گی لیکن اور بہت سی مضرتوں سے خلاصی بھی ہو جائے گی مگر اس کی صورت نہ یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے اکابر کو سب و شتم کرے، نہ یہ ہے کہ ان کے غیر واقعی

عیوب پھیلانے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم بجائے نفع کے صرف نقصان ہے جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر بھی غور کریں۔

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلَا لَعَّانٍ وَلَا فَحَّاشٍ وَلَا بَذِيٍّ
[مومن نہ تو طعن باز ہوتا ہے نہ لعنت باز نہ فحش گو ہوتا ہے نہ بدگو۔]

دوسری حدیث میں ہے:

سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ۔

[مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کر ڈالنا کفر کی بات ہے۔]

ایک حدیث میں ہے:

يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّ مَنْ يَتَّبِعُ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعُ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ۔

[وہ لوگ جو زبان سے اسلام کے مدعی ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا ہے تم لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچایا کرو اور ان کو عار نہ دلایا کرو اور ان کے عیوب کے درپے نہ ہوا کرو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے درپے رہتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کے عیوب کے درپے ہو جاتے ہیں اور اللہ جل جلالہ جس کے عیب کے درپے ہو جائیں اس کو پردہ کے اندر بھی رسوا فرما دیتے ہیں۔]

بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھدار اور پکے لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں۔ متحمل مزاج بھی ہو جائیں طویل طویل گفتگو کریں، مفصل اور پکے صحیح حالات سنائیں اور ان کی سنیں انشاء اللہ کسی

وقت میں اختلاف رفع ہو جائے گا اور جو یہ نہ کر سکتے ہوں وہ ان کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر پر میری طرح افسوس کریں لیکن گالیاں دینا یہ عام مومنوں کو بھی جائز نہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو ابھی نقل کیا گیا ہے۔ ”سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ“ [مومن کو گالیاں دینا فسق ہے۔] اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، سعد، عبداللہ بن مغفل، عمرو بن النعمان اور جابر (رضی اللہ عنہم) جامع الصغیر اتنے جلیل القدر اور اکابر صحابہ نے نقل کیا ہے چہ جائیکہ اولیاء اللہ کو گالیاں دینا، برا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑنا ہے کسی کا کیا نقصان ہے۔

حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ دونوں میں سے حق پر کون ہے؟

سائل کا دوسرا سوال یہ تھا کہ ان دونوں حضرات (حضرت تھانوی و حضرت مدنی قدس سرہما) میں کون حق پر ہے؟ اور ان مسائل میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس کے جواب میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

”میرے خیال میں تمہارا یہ سوال اس قدر مہمل ہے کہ جواب کے قابل بھی نہ تھا۔ اللہ کے بندے اتنا تو سوچا ہوتا کہ ان حضرات کا علم و فضل، زہد و تقویٰ دیانت و تبحر، اللہ کا خوف، اللہ سے تعلق، دینی اشتغال، دینی تصلب، کوئی چیز ایسی ہے جس کے پاسنگ میں بھی میں اپنے کو رکھ دوں۔ ایسی صورت میں میرے منہ یا میرے قلم میں یہ طاقت ہے کہ ان اکابر میں محاکمہ کروں۔

سنو! دو آدمیوں کے درمیان محاکمہ جب ہی ہو سکتا ہے جب محاکمہ کرنے والا ان میں محاکمہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔ اور

پھر دونوں کی پوری سنے اور سننے کے بعد ان کے کلام کا وزن دیکھے۔ ہر ایک کے اشکالات کا دوسرے سے جواب مانگے اور پھر جواب الجواب اور اس ساری تحقیقات کے بعد پھر دیکھے کہ کس کی بات وزنی ہے پھر کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔ اب تم خود اندازہ کر لو کہ اول تو میری حیثیت ہرگز ایسی نہیں کہ ان حضرات سے مساویانہ گفتگو کر سکوں اور اگر بفرض محال ان کے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر ایسا ہو بھی جائے تو پھر کیا میری یہ بھی حیثیت ہے کہ میں اس میں توازن قائم کروں۔ میری حیثیت یہ ہے کہ میری پختہ رائے کے بعد بھی اگر یہ حضرات کسی بات کو فرمادیں کہ یہ غلط ہے تو مجھے اس کو قبول کرنا چاہئے چہ جائے کہ اس پر نقد و تبصرہ۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ دو اخبار پڑھ لئے یا ایک مہمل مضمون کسی اخبار میں لکھ دیا اور ان لوگوں پر تنقید شروع کر دیتے ہیں جو علوم کے سمندر پئے ہوئے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو کسی پر تنقید کرنے اور رد کرنے کے واسطے اس کی بات کی حقیقت اس کے دلائل کی قوت معلوم ہونا ضروری ہے۔ یہ انتہائی حماقت ہے کہ بغیر بات سمجھے ان اپ شناپ ہانکنا شروع کر دے۔ ہم لوگوں کی مثال اس بندر کی سی ہے کہ ایک ادراک کی گرہ کہیں سے اٹھالی اور اپنے آپ کو پنساری سمجھنے لگا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں ”اِعْجَابُ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ“ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ [ہر ذی رائے کا اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھنا] جس کا آج کل ظہور علی الوجہ

الائم ہو رہا ہے۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ ”ہم جو من دیگرے نیست“ کہ جو میری سمجھ میں آگیا ہے وہی حق ہے چاہے کوئی بڑا کچھ کہے یا چھوٹا عالم کہے یا مدبر۔“

حضرت تھانوی قدس سرہ

غور تو کرو کہ حضرت اقدس حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل عالم فاضل ہوئے اس کے بعد سے آج ۱۳۵۷ھ تک درس و تدریس قال اللہ قال الرسول (ﷺ) استفادہ، افادہ باطنی میں انہماک، یہ نصف صدی سے زیادہ زمانہ فقہ اصول، قرآن و حدیث کے غور و خوض اور انہام و تفہیم میں گذر گیا۔ جس مبارک ہستی کا اتنا وسیع وقت علوم کے تدبر میں گذرا ہوں نکات قرآنیہ اور دقائق فقیہہ میں اتنی مدت گذری ہو اس کی نظر ایسی چیز ہے جس کو بے دھڑک ہر آدمی لغو اور غلط کہہ دے۔

حضرت مدنی قدس سرہ

اسی طرح امیر الہند حضرت مدنی ۱۳۱۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور آج تک کا سارا زمانہ درس و تدریس، استفادہ اور افادہ باطنی میں گذرا سا لہا سال حضرت شیخ الہند جیسے محقق و تبصر کے زیر سایہ علوم ظاہریہ و باطنیہ میں مہارت حاصل کی اور پھر عمر کا اکثر حصہ سیاسی مناظر اور قید و بند، ہندو بیرون ہند کے تجربات میں گذرا۔ کیا یہ ہستیاں ایسی ہیں کہ ہر کہ و مہ ان کی دقیق نظروں کا مقابلہ کرنے لگے اور بے دھڑک ان پر رائے زنی شروع کر دے اور پھر بالخصوص مجھ جیسا کوتاہ نظر جو ابھی طفل مکتب ہو اور کے آمدی کے پیرشدی کا مصداق ہو میں تو ان حضرات اکابر کے نام اشتہارات اور

اخبارات میں کھلے خطوط دیکھتا ہوں جو حیرت ہو جاتا ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو گئی۔ عالم میں کیسا انقلاب رونما ہو گیا ہے، اکابر کا احترام بالکل جاتا رہا۔ پھر اگر اہل علم اپنے علم کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی بات کہیں تب بھی ایک درجہ میں گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اہل علم جن کا منتہائے علم ایک اخبار کا مضمون لکھ دینا ہے یا ایک شستہ تقریر کر دینا ہے ایسے بے جا الفاظ سے رد کرتے ہیں جو اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی استعمال کرنا ناموزوں ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر میرے استعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔

ایک نصیحت

میری ایک نصیحت بہت غور سے سنو!

”ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی کرو جس کے پورے مالہ و ماعلیہ پر عبور ہو۔ دو شخصوں کے درمیان محاکمہ جب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ان دونوں کے پورے دلائل پر عبور ہو۔ البتہ کسی شرعی منصوص کے خلاف کوئی چیز ہو تو اس میں کسی کی بھی رعایت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں بلکہ فقہاء سلف کے منصوص اقوال کے خلاف بھی مقلد کے لئے کوئی گنجائش نہیں لیکن جہاں مسئلہ استنباط سے تعلق رکھتا ہو نصوص شرعیہ ہر ایک کے ساتھ ہوں وہاں جلدی سے دخل در معقولات کر کے فوراً محاکمہ کر دینا حماقت ہے۔ میں تم کو بڑے زور سے روکتا ہوں کہ اہل حق پر انکار کرنے میں کبھی بھی جلدی نہ کرنا۔ بہت غور و فکر اور تدبر کے بعد لب کشائی کرنا جہاں تک ممکن ہو اس سے گریز کرنا۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے انھوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپسی لڑائی میں کس قدر بہترین فیصلہ کیا۔ ”تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ أَيْدِيَنَا مِنْهَا فَلَا نُلَوِّثُ أَلْسِنَتَنَا بِهَا.“ [ان خونوں سے اللہ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو پھر ہم اپنی زبانوں کو کیوں ان سے آلودہ کریں۔] اگر یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان اعلیٰ وارفیع ہے دوسروں کو ان پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہاں لب کشائی سے بچنے والے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں جو جلیل القدر تابعی ہیں۔ (الاعتدال)

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا اپنے اکابر، ہمعصر، تلامذہ کے ساتھ طرز عمل اور اختلاف رائے کے باوجود الفت و محبت، تعظیم و تکریم دیکھنی ہو تو آپ بقی ملاحظہ فرمائیں اور اصولی بحث الاعتدال میں دیکھیں یہاں بھی نمونہ کے طور پر بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک مخالف مدرس کے ساتھ سلوک

مدرسہ مظاہر علوم میں ایک صاحب مدرس تھے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے سخت اختلاف رکھتے۔ آنے والے مہمانوں کے سامنے برائی کرتے۔ رمضان میں مہمانوں کا بڑا ہجوم ہوتا کہ دنیا بھر کے کونے کونے سے طالبین رمضان گزارنے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیضیاب ہوتے اس دور میں اتنا رجوع دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا مگر وہ صاحب کہا کرتے عرس ہو رہا ہے۔ کہیں مردہ پیروں کا عرس ہوتا ہے یہاں زندہ پیر کا عرس ہو رہا ہے۔ اور بھی طرح طرح کے کلمات مہمانوں کے سامنے کہتے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو بھی اس کا علم ہوتا۔ مگر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کبھی کوئی جملہ ارشاد نہ فرماتے بلکہ جب حجاز سے تشریف لاتے پہلے ان کے مکان پر جا کر ان سے ملاقات فرماتے اور معافہ فرماتے جب سفر حج وغیرہ میں تشریف لے جاتے تب بھی ان کے مکان پر جا کر ملاقات و معافہ فرما کر تشریف لے جاتے۔

حافظ عبدالعزیز راپوریؒ کا حضرت شیخ کوڈاٹنا

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہؒ نے دیوبند میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہؒ کی ہمیشہ کے نکاح میں شرکت فرمائی۔ حافظ عبدالعزیز صاحب راپوریؒ خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے نکاح پڑھایا۔ نکاح کے بعد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہؒ نے چھوڑے لٹائے اور مٹھی بھر کر یہ کہہ کر لوگوں کی طرف پھینکے کہ اپنی آنکھ اور چشموں کو بچاؤ۔ اس پر حافظ صاحب موصوف بہت خفا ہوئے اور تمام مجمع کے سامنے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہؒ کو بہت ڈانٹا کہ علما کے

یہاں بھی ایسا ہوگا تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ حضرت شیخ قدس سرہ خاموشی کے ساتھ سب سنتے رہے۔ جب حافظ صاحب خوب ڈانٹ چکے تو فرمایا۔ میں نے اپنے اکابر کے یہاں دونوں طریق دیکھے ہیں۔ لٹانا بھی اور تقسیم کرنا بھی۔ مجھے کسی ایک طریق پر اصرار نہیں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ خفا ہوں گے تو میں لٹانے کو اختیار نہ کرتا۔ حافظ صاحب نے فرمایا: آپ نے اتنا موقع ہی کہاں دیا کہ میں منع کرتا۔ نکاح ہوتے ہی آپ نے پھینکنے شروع کر دیے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ بعد میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے دریافت فرمایا کہ کیا اس طرح چھوڑے لٹانا ثابت ہے۔ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے جواب دیا جی ہاں! ثابت ہے۔ بیہوشی میں روایت موجود ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا ایک معمول

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

میرا عموماً چھ مہینے آٹھ مہینے میں ایک شب کے لئے کاندھلہ جانا ہوا کرتا تھا۔ کاندھلہ کے رؤساء میں جملہ قصباتی شرفاء کی طرح ہمیشہ پارٹی بازی زوروں پر رہتی، بالخصوص الیکشن کی مصیبت سے ہر موقع پر جا کر سن لیا کرتے تھے۔ کہ آج کل فلاں فلاں میں چل رہی ہے، ہم بھی تفریحاً آپس کی لڑائیاں سن آیا کرتے مگر میرا اور چچا جان نور اللہ مرقدہ کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ اپنی ایک شبانہ حاضری میں جملہ اعزہ کے گھروں پر جا کر ان سے ایک ایک دود و منٹ کے لئے ضرور ملتے تھے۔ اکثر اعزہ اس پر خفا بھی ہوتے تھے۔ زبان سے تو وہ یہ کہتے کہ ذرا سا وقت ہوتا ہے وہ بھی سب پھرنے میں خرچ ہو جاتا ہے اور اندر خانہ ان کو غصہ اس بات پر ہوتا کہ جب (فلاں سے) ہماری

لڑائی ہے تو پھر یہ کیوں ملتے ہیں مگر میرے اور بچا جان کے طرز معاشرت کو دیکھ کر اس عتاب کو علی الاعلان کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ تقریباً آٹھ ماہ بعد میرا کاندھلہ جانا ہوا اور اپنی عادت کے موافق سب گھروں کا چکر لگایا۔ میرے محترم عزیز برادر معظم ماسٹر محمود احسن کاندھلوی اس وقت کاندھلہ میں تھے میرے ساتھ وہ بھی بادل خواستہ میری خاطر میں مٹر گشت میں چل دیئے۔ جب میں اپنے ان عزیز کے پاس گیا جن کے آموں کا قصہ اوپر آیا۔ میں نے جا کر سلام کیا انھوں نے منہ پھیر لیا۔ میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ مرحوم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ بھائی محمود کا اس وقت غصہ کے مارے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے ایک مونڈھا کھینچا اور ان عزیز کے قریب دو منٹ بیٹھ کر چلا آیا۔ انھوں نے میری طرف منہ نہیں کیا جب وہاں سے واپس آ رہا تھا راستہ میں بھائی محمود نے کہا بے غیرت بے حیا پھر بھی ان کے یہاں آوے گا۔ میں نے کہا ضرور آؤں گا۔ یہ ان کا فعل تھا جو انھوں نے کیا وہ میرا فعل ہوگا جو میں کروں گا۔ ہمیں حدیث پاک میں ”صِلْ مَنْ قَطَعَكَ“ کا حکم دیا گیا ہے۔

اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ان مرحوم کے ساتھ قصے تو کئی پیش آئے مگر مالک کا ایک عجیب احسان یہ بھی رہا کہ جس جس سے ابتداء لڑائی رہی اسی اسی سے انتہاء وہ تعلقات بڑھے کہ باید و شاید یہ مرحوم عمر میں مجھ سے بڑے تھے آخر میں انکا یہ اصرار رہا کہ تجھ سے ہی بیعت ہوں گا اور تیرے ہی پاس پڑ کر مروں گا۔ اتنا بڑھا کہ حد و حساب نہیں۔ بار بار خطوط لکھتے، آدمی بھیجتے، میں نے کئی دفعہ انکو لکھا کہ میرے دو بزرگ حضرت مدنی حضرت رائے پوری حیات ہیں سیاسی حیثیت سے حضرت مدنی سے آپ کے خصوصی تعلقات بھی ہیں۔ ان دونوں میں سے جو نسے کو آپ پسند کریں میں بیعت کے لئے خود لے کر

چلوں۔ بیعت کراؤں۔ مگر موصوف نے ایک مان کر نہ دی اور اسی پر اصرار کرتے رہے کہ بیعت تو تجھ سے ہی ہونا ہے۔ اس سیاہ کار کے ساتھ جس جس کا تعلق ابتدا نفرت کا ہوا عشق و محبت پر جا کر ختم ہوا۔ (آپ بیتی ۳، ص: ۲۳۴)

اپنے اقوال و افعال کی نگرانی

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

”اس نابکار کا بھی اپنی ابتدائی مدرسہ ۱۳۳۵ھ سے اولاً مولانا عبدالرحمن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر علوم اور ان کے بعد میرے محترم دوست قاری سعید مرحوم کے ساتھ یہ معمول اور میری تاکید رہی کہ اس سیاہ کار کے اقوال و افعال کی نگرانی تمہارے ذمہ ہے۔ ان دونوں دوستوں کو اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر دے کہ یہ ہمیشہ میری بہت ہی نگرانی فرماتے رہے۔ اس زمانہ میں چونکہ اس نابکار پر غصہ اور جوش کا دور دورہ تھا اور یہی دونوں حضرات بلکہ بعض دیگر اکابر بھی مجھے اس پر ابھارتے رہتے تھے کہ ان خواص پر چاہے رؤسا ہوں چاہے اکابر مدرسہ میرے حضرت قدس سرہ حضرت ناظم صاحب کے اعزہ اقارب ہوں ان پر نکیر تو ہی کر سکتا ہے۔ ہم لوگوں کے بس کا نہیں۔ یہ کم ظرف ان فقروں سے اور بھی پھول جاتا اور بہت سختی ان خواص کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ اگرچہ میرا معمول ہمیشہ یہ بھی رہا کہ جس پر سختی کرتا کسی دوسرے وقت اس کی تلافی کر دیتا حتیٰ کہ اس وقت میں بعض طلبہ کے یہ فقرے بھی میرے کان میں پڑتے رہتے تھے کہ شیخ نے بہت دنوں سے کچھ مرمت نہیں کی۔ یہاں چائے پینے کے واسطے پیسے

نہیں رہے اس کے باوجود جن طلبہ کے متعلق یہ دونوں حضرات اپنے اپنے وقت میں یہ کہہ دیتے کہ فلاں کو سزا جرم سے زیادہ ملی میں اس کی تلافی کا بہت اہتمام کیا کرتا تھا اور بے تکلف معافی مانگ لیتا تھا۔ ان دونوں حضرات کے بعد بھی موجودہ احباب سے بھی درخواست کرتا رہتا ہوں۔ مگر یہ حضرات ان دونوں جیسی نگرانی اس سیہ کار کی نہیں کرتے۔“

تصانیف کے بارے میں معمول

اپنی تصنیفات کے سلسلہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنا معمول تحریر فرماتے ہیں: ”اس ناکارہ کا معمول اپنی جملہ تصانیف عربی اور اردو میں بھی ہمیشہ یہی رہا کہ ان دونوں اکابر کی زندگی میں تو بڑے اہتمام سے دونوں کو ہر چیز دکھلاتا تھا اور دونوں حضرات بڑی فراخ دلی سے میرے مسودوں کے صفحے کے صفحے قلمزد کر دیتے تھے۔ میں قرآن و حدیث سے دلائل بھی پیش کرتا ہوں مگر ان کا آخری جواب یہ ہوتا تھا کہ مضمون تو صحیح ہے مگر عوام کے قابل نہیں۔ فقہاء کے قول ”هَذَا مِمَّا يُعْلَمُ وَلَا يُفْتَى“ کی آڑ لے کر قلمزد کر دیتے تھے۔ اب تو نہ وہ جوش و خروش رہے اور نہ لکھنے پڑھنے کا سلسلہ رہا۔ پھر بھی جو کچھ تھوڑا بہت ہوتا ہے وہ موجودہ احباب کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں اور ہمیشہ بہت اہتمام سے رمضان میں اور حرمین شریفین میں اس کی دعا کرتا رہتا ہوں جس کی سید الکونین ﷺ نے عملی تعلیم فرمائی ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ابوداؤد شریف میں نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کسی پر ناراض

ہوتے تو ناراضگی میں کچھ الفاظ فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے جو حضور ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ میری امت میں سے جس شخص کو میں نے غصہ میں گالی دی ہو یا لعنت کی ہو، میں بھی بشر ہوں۔ جب لوگوں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی کسی وقت غصہ آ جاتا ہے۔ یا اللہ! تو میری سخت کلامی کو ان لوگوں کیلئے رحمت بنا دیجئے۔ ابوداؤد میں اس حدیث کے ساتھ ایک قصہ بھی لکھا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر غصہ میں کوئی لفظ یا کچھ زیادتی کسی پر ہو جائے اولاً اس کو معاف کرانے کی کوشش کی جائے اور ثانیاً اس کیلئے دعائیں کثرت سے کی جائے کہ قیامت کے دن جب اس کو اس زیادتی کے اجر و ثواب اور دعاؤں کا حال معلوم ہو تو وہ بجائے مطالبہ کرنے کے خود یہ تمنا کرنے لگے کہ اس سے زیادہ پڑتی تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ (آپ بقی ۶- ص ۲۹۹)

حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مراد ہم تینوں حضرات کا انتہا درجہ شفقت و محبت کا تعلق دیکھنا ہو تو آپ بقی دیکھیں۔ اس میں تفصیل موجود ہے۔ یہاں تو حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے ایک مکتوب کا ایک حصہ نقل کرنا ہے۔ حضرت مولانا بابا یزید صاحب افریقی نور اللہ مرقدہ مجاز حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کو ہدیہ بھیجا۔ اس کے جواب میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا:

”آپ کا ان نقود کو اپنی طرف سے اور اپنی بڑی ہمشیرہ عائشہ بی بی کی طرف سے پیش کرنا سراسر عقل اور انصاف کے خلاف ہے۔“

آپ کو معلوم ہے کہ میری تنخواہ مبلغ للہما ۴۸۰ روپیہ ماہوار ہے۔ اتنی بڑی تنخواہ کسی دینی مدرس کی ہندوستان بھر میں کہیں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ میں دینیات بالخصوص علم حدیث اتنی بڑی تنخواہ لے کر پڑھا رہا ہوں۔ تنخواہ لے کر مولانا احمد علی صاحب مرحوم محدث سہارن پوری، مولانا گنگوہی مرحوم، شاہ عبد الغنی صاحب، شاہ محمد اسحاق صاحب مرحوم، شاہ عبد العزیز صاحب مرحوم، شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم اور دیگر اسلاف کرام قدس اللہ اسرار ہم نے نہیں پڑھایا۔ اس زمانہ میں بھی حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری، مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارن پوری دینی خدمات کرتے ہیں اور کوئی معاوضہ نہیں لیتے میں اتنا بڑا دنیا دار پیٹ کا کتا ہوں کہ دینی خدمات دنیا کے بدلہ میں کرتا ہوں۔ اصل مذہب حنفیہ میں معاوضہ علی الطاعات پر اجارہ درست نہیں۔ متاخرین نے اس کی اجازت ضروریات کی بناء پر دی ہے اور اسی بناء پر میں نے آپ کو لکھا تھا کہ حضرت رائے پوری یا شیخ الحدیث سے تعلق قائم کرنا نہایت صحیح اور مناسب ہے۔ پھر ایسے دنیا دار کے لئے ہدیہ بھیجنا غلط نہیں تو کیا ہے؟ آپ کے متعلقین ہیں ان کی ضروریات میں آمدنی خرچ کرنا آپ پر فرض اور واجب ہے۔ اس لئے سوچنا اور سمجھنا اور عمل کرنا چاہئے مگر آپ میرے پاس اپنی آمدنی کا اتنا بڑا حصہ ارسال فرماتے ہیں یہ غلط نہیں تو کیا ہے۔ مہمانوں کی جو کچھ بھی میں معمولی خدمات انجام دیتا ہوں وہ میرا ایک فرض ہے جس میں میرا کسی پر احسان نہیں۔ ان لوگوں کا احسان ہے جو کہ میری سوکھی

روکھی روٹی قبول فرماتے اور اپنا رزق میرے دسترخوان پر کھاتے ہیں۔
بہر حال آئندہ آپ کو یہ غلطی نہ کرنی چاہئے۔ احتیاط رکھئے اور پھر
دوسروں سے دلوانا اور بھی بڑی غلطی ہوگی۔“

”دوسرے والا نامہ میں آپ نے حضرت رائے پوری سلمہ
اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، آپ نے اس کو خفگی پر محمول کیا ہے
حالانکہ یہ خلاف واقع ہے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں حضرت رائے پوری
اور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے نہ کسی قسم کی رقابت رکھتا ہوں اور نہ
میں اپنے آپ کو ان سے افضل سمجھتا ہوں۔ مجھ کو یقین ہے کہ اور واقعہ ہے
کہ وہ مجھ سے بہت ہی زیادہ بڑھے ہوئے متقی اور پرہیزگار اللہ والے
ہیں۔ دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت ذکر، فکر، مراقبات وغیرہ میں مشغول
ہیں اور اسلاف کرام کے قدم بقدم ہیں۔ تسلیک اور معرفت و طریقت کی
رہنمائی کے یہ دونوں حضرات مستحق اور قابل ہیں۔ میری طرف لوگوں کا
رجوع کرنا محض حسن ظن ہے جس کی واقعیت کوئی نہیں۔ ہاں آئندہ کو
اللہ تعالیٰ ان احباب کے حسن ظن اور اسلاف کے جوتیوں کے طفیل مجھ کو
اپنے فضل و کرم سے نواز دے تو اس کا کرم ہے اسی کا امیدوار ہوں۔

يَظُنُّ النَّاسُ بِيْ خَيْرًا وَّ اِنِّيْ

لَشَرُّ النَّاسِ اِنْ لَّمْ يُعْفُ عَنِّيْ

[لوگ میرے ساتھ اچھا گمان کرتے ہیں حالانکہ میں لوگوں میں سب سے
بدتر ہوں اگر مجھ کو معاف نہ کیا گیا۔]

آپ لوگوں کا ایسے ناکارہ کو رہنما بنانا سخت غلطی تھی اور ہے۔ آپ کو

چاہئے کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی کو اپنا رہنما بناتے اور اب بھی ان سے ہی تعلق رکھنا مناسب اور مفید ہے۔ میں غلط نہیں لکھ رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ غلط کاری کو ترک کریں۔ اگر آپ انھیں سے بیعت ہوتے اور ان کی بارگاہ میں حاضری کا شرف ہمیشہ رکھتے تو قوی امید تھی کہ بہت زیادہ مستفید ہوتے۔ میں ہرگز یہ گفتگو غصہ میں نہیں لکھ رہا ہوں۔“ فقط ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”آپ کو معلوم ہے کہ میں علم حدیث کی تعلیم میں تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار کماتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر دنیا داری اور طمعائی کیا ہو سکتی ہے۔ مستحق خدمت وہ اکابر ہیں جو کہ خدمت دین شب و روز کرتے ہیں اور کوئی تنخواہ اور معاوضہ نہیں لیتے۔ حضرت مولانا رائے پوری، حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری مد اللہ ظلہما اور ان کے اتباع و امثال۔“

مولانا موصوف رائے پور حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد ان کو خیال ہوا کہ حضرت مدنیؒ کو رائے پور کے قیام سے تکدر ہوا ہوگا۔ اس لئے حضرت مدنیؒ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں معذرت کے لئے خط لکھا اس کے جواب میں حضرت مدنیؒ نے تحریر فرمایا:

”آپ کا یہ فرمانا کہ حضرت کے دربار میں ایک گناہ کیا تھا کہ حضرت کو چھوڑ کر رائے پور گیا تھا اگرچہ وہاں بھی دل حضرت ہی میں تھا کہ اسکے کفارے میں ان کو نہ خط لکھتا ہوں نہ کوئی تمنا کرتا ہوں امید کہ گناہ معاف فرمائیں گے۔“ نہایت افسوسناک ہے۔ حضرت رائے پوری نہایت بزرگ اور ہمارے مقتدا ہیں، تارک الدنیا عارف باللہ ذاکر شاعل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار کمالات دیئے ہیں۔ میں تو ان کے سامنے بالکل ہتھی ہوں۔ میں دنیا کا بندہ دن و رات غفلتوں میں عمر ضائع کرنے والا، ان سے رقابت رکھوں کس قدر حماقت اور غلط کاری ہے۔ خود مجھ کو چاہئے کہ ان کی خدمت میں رہ کر اپنی اصلاح کیلئے کوشاں ہوں۔ مجھ کو ہرگز نہ ایسا خیال ہوا اور نہ ہونا چاہئے۔ آپ نے غلط رائے قائم فرمائی۔ وہ تو عظیم الشان ہستی اور میرے مقتداء ہیں ہی اگر آپ کسی ایسے بزرگ سے جن سے میرا کوئی تعارف اور تعلق نہیں ہے ان سے بھی اگر آپ اپنی اصلاحی جدوجہد کریں اور استفادہ کے لئے حاضر ہو کر بیعت کریں تو میں شکر گزار اور خوش ہوں گا۔ آپ کو مولانا سے خط و کتابت جاری اور ان کی توجہات اور ادعیہ صالحہ سے استفادہ کرنا ضرور چاہئے۔“ والسلام

نگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

واردِ حال قصبہ ٹانڈہ محلہ الہداد پور ضلع فیض آباد

۱۰ رمضان المبارک

حضرت مدنی اور مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہما

فقہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ نے سنایا کہ قصبہ کھتولی میں حضرت مولانا مدنی قدس سرہ کا بیان تجویز تھا۔ قصبہ کھتولی ہی میں اسی تاریخ میں تبلیغی اجتماع تجویز ہو گیا، جس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کا بیان تجویز ہوا۔ دونوں اکابر نے منظوری دیدی اور دوسرے فریق کے جلسہ یا اجتماع کا دونوں میں سے کسی کو علم نہیں۔ عین وقت پر دونوں اکابر تشریف لے گئے۔

مولانا محمد الیاس صاحب تشریف لے گئے۔ پہنچ کر علم ہوا کہ اسی بستی میں حضرت مدنی قدس سرہ کا بیان دوسری جگہ ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ اجتماع میں تشریف لے گئے اور جا کر اعلان فرمایا کہ چونکہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا بیان فلاں جگہ تجویز ہے اسلئے اجتماع درخواست۔ سب حضرات حضرت مدنی کے بیان میں شریک ہوں اور مجمع کے ساتھ خود بھی شرکت کے لئے چل دئے۔

ادھر حضرت مدنی قدس سرہ کو وہاں پہنچ کر اجتماع کا علم ہوا۔ حضرت مدنی قدس سرہ بھی جلسہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چونکہ آج اس بستی میں ہی دوسری جگہ اجتماع ہو رہا ہے جس میں مولانا محمد الیاس صاحب کا بیان ہے۔ اس لئے جلسہ درخواست۔ سب اجتماع میں شرکت فرماویں۔ اور خود بھی ایک مجمع کے ساتھ اجتماع میں شرکت کے لئے چل دیئے۔ یہ حضرات وہاں پہنچے دیکھا اجتماع ملتوی ہو چکا ہے۔ ادھر وہ حضرات وہاں پہنچے دیکھا جلسہ ملتوی ہو چکا۔ نہ اجتماع ہی ہو سکا نہ اجلاس۔ اجتماع بھی ملتوی، اجلاس بھی ملتوی۔ مگر باہم اتفاق و اتحاد اور ایثار کی بہترین مثال قائم کر گئے۔

حضرت مدنی اور قاری محمد طیب صاحب قدس سرہما

شیخ الاسلام قدس سرہ اور حکیم الاسلام قدس سرہ میں بہت سی چیزوں میں اختلاف رائے تھا۔ حکیم الاسلام قدس سرہ لیگ کے حامی تھے اور شیخ الاسلام قدس سرہ کانگریس کے حامی۔ اس کے علاوہ مدرسہ کے نظام سے متعلق بھی بہت سی چیزوں میں اختلاف رائے تھا مگر اس کے باوجود ایک دوسرے کا احترام، تعظیم و تکریم، کمالات کا اعتراف بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ مکتوبات شیخ الاسلام کے مقدمہ میں حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان ہی گئے چنے نفوس قدسیہ میں سے حضرت اقدس مولانا حافظ الحاج السید حسین احمد مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ذات ستودہ صفات بھی ہے اور جو اپنے مخصوص فضائل و کمالات کے لحاظ سے بلاشبہ ایک فرد منفرد ہستی ہے۔ آپ نہ صرف عالم دین ہی ہیں بلکہ عارف باللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی ہیں۔ آپ کا علم عارفانہ، عمل مجاہدانہ اور اخلاق درویشانہ ہے۔ متضاد احوال و مقامات کو ایک دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ ایک ہی وقت میں آپ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکز علم و دین کی مسند تدریس کے صدر نشین بھی ہیں، جن کے ارد گرد سیکڑوں طلبہ زانوائے ادب تہہ کئے نظر آتے ہیں اُسی آن آپ جمعیۃ العلماء اور سیاسی اسٹیج کے مسند نشین بھی ہیں جن کے دائیں بائیں ہزاروں مجاہد صفت انسانوں کا جھگھٹ لگا ہوا ہے اور پھر اسی وقت میں آپ اپنے ریاضت کدہ میں خانقاہ نشین بھی ہیں جن کے چہار طرف سیکڑوں ذاکر و شاغل اور راہ باطن کے جو یا افراد کا ہجوم ہے اور آپ کی جامع ذات ہے کہ ایک طرف آپ اپنے عالمانہ وقار و نکتہ سنجی سے دوسری طرف مجاہدانہ جوش و اقدام پسندی سے اور تیسری جانب عابدانہ انکسار و تواضع آفرینی سے ہر دائرہ کے طالبوں کی پیاس بجھا رہے ہیں اور ہر میدان میں آپ کی ہمت مردانہ اس طرح یکسانی کے ساتھ کام کر رہی ہے کہ کسی ایک میدان کی تنگ و تاز

دوسرے میدان سے بے التفات نہیں ہونے دیتی۔“
غرض شریعت، طریقت اور سیاست جیسے متضاد رخ و مقامات کی سیر اور ان
میں بیک وقت انتھک عروج آپ کی ہمت مردانہ کا ایک عملی شاہکار ہے۔

ارشاد حضرت تھانویؒ

ع: یوں بہم کس نے کئے ساغر و سنداں دونوں
”آپ کی اس مجاہدانہ روش اور دین کے عملی شعبوں میں
انتھک دوڑ کے بارے میں میں نے حکیم الامت حضرت اقدس مولانا
تھانوی قدس سرہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی جماعت میں مولانا
مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد
صاحب کے جوشِ عمل کا معتقد ہوں۔“

ایضاً

ایک موقع پر حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی مجلس خیر و برکت میں تحریکاتِ وقت
کا ذکر چھڑا۔ ایک صاحب نے حضرت مدنی کے کسی مجاہدانہ عمل کا حوالہ دیتے ہوئے
عرض کیا کہ حضر آپ کا اس پر عمل نہیں۔ فرمایا: ”بھائی میں ان جیسی (مولانا مدنی جیسی)
ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں۔“

ایضاً

”مجھ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ مولانا حسین احمد صاحب کو

ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں۔ البتہ مجھے ان سے محبت کے ساتھ اختلاف ہے۔ اگر وہ حجت رفع ہو جائے تو میں ان کے تحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔“

جوشِ عمل اور ہمتِ مردانہ

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کے ہر بنیادی شعبہ میں آپ کو عمل، جوشِ عمل اور ہمتِ مردانہ کی توفیق عطا ہوئی ہے اور اس پیرانہ سالی میں یہ عمل یہ جوش و خروش اور امنگ کے ساتھ یہ انتھک دوڑ دھوپ واقعہ یہ ہے کہ جوانوں کی جوانیوں کو شرمائے ہوئے ہیں۔ آپ کے یہاں راحت و آرام کا لفظ گویا لغت میں آیا ہی نہیں اور آیا ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں یا کم از کم ان کی زندگی کی نسبت سے یہ لفظ مہمل اور بے معنی ہے۔ اس دورِ عجز و کسل میں جو آج مسلمانوں پر چھایا ہوا ہے آپ کی اس ہمت و جوشِ عمل کو سوائے کرامت کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟ اور اگر اس کا نام استقامت ہے تو وہ بلاشبہ فوق الکرامت ہے جو اس دورِ قحط الرجال میں ایک غنیمت بار دہ ہے۔

اٹھارہ برسِ حرمِ نبوی میں

حضرت ممدوح کی مدح سرائی میں میری تحریر کا موضوع نہیں ہے۔ اور میں ان کے فضائل و مدارح کا احاطہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔ تذکرہ آگیا ہے تو قلم اس سے نہیں رکتا کہ ان کی ہزار ہا مدارح و فضائل میں سے یہ کوئی کم منقبت اور تھوڑی فضیلت نہیں ہے کہ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد ہی جب کہ آپ ”شباب نشاء بعبادة الله“ کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ آپ نے ۱۸ برس تو حرمِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں

بیٹھ کر اور خود صاحب کتاب و سنت کے پاس اور ان کے زیر نظر رہ کر درس کتاب و سنت دیا جس سے مشرق و مغرب کے ہزار ہا عوام و خواص اور علماء و فضلاء مستفید ہوئے اور حجاز و شام، مصر و عراق، ترک و تاتار وغیرہ تک آپ کے کمالات کا شہرہ پہنچ گیا۔

تحریک جنگ آزادی میں قربانیاں

آپ کی تحریک جنگ آزادی کے سلسلہ میں مساعی کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

”ہندوستان کی تحریک جنگ آزادی میں آپ کے علم اور جوشِ عمل نے اہل علم کے سیاسی حلقوں کی لاج رکھ لی۔ استخلاصِ ملک و ملت کے لئے آپ نے جو قربانیاں دی ہیں وہ جریدہ عالم سے کبھی محو نہیں ہو سکتیں۔ عموماً سیاسی میدانوں کے شناورا سٹیج پر پہنچ کر غیر محتاط اور ذہنی طور پر آزادو بے باک ہو جاتے ہیں لیکن حضرت مدوح کا یہ کمالِ استقامت تھا کہ سیاسی اسٹیج پر بھی آپ کا تقشفِ مذہبی اس حد تک قائم رہا جس حد تک ایک مدرس کا اپنے حلقہٴ درس میں قائم رہ سکتا ہے۔ گویا آپ کا اسٹیج درس کتاب و سنت ہی کا محل و مقام ہوتا تھا جس سے وہی آثارِ خیر و برکت ہو پیدا ہوتے تھے جو کتاب و سنت کے خصوصی آثار ہو سکتے ہیں۔ ساتھ ہی اس عامۃ الورد و مقام پر جو حقیقتاً منزلت اقدام ہے آپ کی اخلاقی قوتیں اس حد تک بیدار و ہموار ہیں کہ یہ سیاسی اقدامات بجائے خود ایک اخلاقی درس کی شان سے نمایاں ہوتے ہیں۔ ہر خدمت بے لوث، ہر عمل بے لاگ اور ہر اقدام خلوص و ایثار سے پُر، نہ کسی عہدہ کا سوال، نہ

جاہ کی طلب، نہ مال کی طرف ادنیٰ التفات، نہ اقتدار کی ذرہ برابر خواہش، ہندوستان کے آزاد کرانے اور انگریزوں کے نکالنے میں سر اور دھڑ کی بازی لگا دی۔ لیکن کیا کسی وقتی صلہ کیلئے؟ کسی عہدہ کیلئے؟ یا قومی اسٹیج پر عہدہ داروں کی کسی سرگروہی کیلئے؟ معاذ اللہ۔ بلکہ ہر خدمت میں مخلصانہ جذبات، بے غرضانہ داعی، بے لوث ارادے، سادگی ضمیر اور محض اپنے بزرگوں کے نصب العین کی تکمیل اور اپنے سلف کے نقش قدم کے اقتضاء و اقتداء کے ساتھ اسے باقی رکھنے کے لئے اور بس۔

آپ اس وقت بھی جوشِ عمل کے ساتھ قائدِ میدان تھے جب کہ نعرہ ہائے تہنیت کے ساتھ پھولوں کے ہار پیش کئے جا رہے تھے اور اس وقت بھی اسی اندازِ فنائیت کے ساتھ مصروفِ عمل رہے جبکہ افراد و جماعت نے مخالف بن کر بے حرمتی اور بدگوئی کی ٹھان لی تھی کیونکہ یہ خدمت نہ خواہشِ صلہ پر مبنی تھی نہ نعرہ ہائے تحسین و آفریں پر بلکہ صرف ”إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ“ پر۔“

حضرت مدنیؒ کے بعض اوصاف

حضرت مدنی قدس سرہ کے اخلاص و صداقت اور بلندیِ مقام جیسی صفات کا اعتراف کس والہانہ انداز میں فرماتے ہیں:

”آپ کی رایوں اور افکار سے افراد و جماعات کو نیک نیتی کے ساتھ اختلافات بھی رہے اور آئندہ بھی رہ سکتے ہیں لیکن اس وقت موافق و مخالف کی دورائیں کبھی نہیں ہونیں کہ آپ اپنی رایوں میں

مخلص جذبات میں صادق، نیات میں بلند مقام، عمل میں صاحب عزم اور اخلاق میں صاحب حال ہیں، اختلاف رائے سے نیچے اتر کر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے مجاہدانہ مزاج سے جس میں سیاسی رنگ اور انتہا پسندانہ جذبات و عزائم بطور جوہر مزاج کچھے ہوئے ہیں کسی اعتدال پسند اہل معاملہ کے دل میں کچھ خلش بھی ہو اور بعض اہل معاملہ کے نفوس کچھ گھائل بھی ہوں چنانچہ ان مکاتیب کے بعض عنوانات اس کی غمازی بھی کر رہے ہیں لیکن میں اس قسم کی معاملاتی خلش اور گھاؤ کو اپنی جگہ صحیح اور بر محل سمجھتے ہوئے بھی یہ ضرور عرض کروں گا کہ جو اکابر دین تلوینی طور پر من اللہ کسی خاص خدمت کے لئے مقرر اور مامور کئے گئے ہوں ان کی طبائع اور خصوصیات مزاج کے لحاظ سے ان پر اسی وصف کا غلبہ ہوتا ہے جو اس خدمت خاص اور وقت خاص کا مقتضی ہو اور وہی وصف غالب ان کے کاموں کا قدرتی معیار بن جاتا ہے گویا ان کی طبیعتیں غیر اختیاری بلکہ غیر شعوری طور پر ادھر ہی چلتی ہیں جدھر یہ وصف اور وقت انھیں لے چلتا ہے۔ اس لئے بظاہر تو معاملات میں ان کی طبیعت اور مزاج کا فرمانظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت منشأ خداوندی ان حضرات کی طبیعتوں کے راستہ سے اپنا کام کرتی ہے۔“ (مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام حصہ دوم)

مکتوب حضرت مدنی علیہ الرحمۃ

بنام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہما

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ حکیم الاسلام مولانا محمد قاری طیب صاحب قدس سرہ
کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں ہمیشہ کا خادم ہوں مگر نالائق، آپ حضرات کا بالخصوص حضرت نانوتوی
قدس سرہ العزیز کے خاندان کا خیر خواہ ہوں مگر اکھڑ در یوزہ گر ہوں مگر ناکارہ، غلام
ہوں مگر بے وقوف۔ میری عین خواہش ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف اس
طریقہ پر مضبوطی سے قائم رہیں جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ چلتے رہے اور جس پر ہم
دور افتادوں کو چلایا۔ میں جب ان کے اخلاف صدق میں سے کسی کو اس طریقہ سے
دور اور خلاف پاتا ہوں تو بہت زیادہ متاثر ہوتا ہوں چونکہ زور کچھ نہیں۔ اس لئے گھٹ
کر رہ جاتا ہوں۔ اور کنارہ کش ہو جاتا ہوں۔ نیز چونکہ گونا گوں افکار میں مبتلا رہتا
ہوں، مشغولیتیں بہت زیادہ رکھتا ہوں۔ اس لئے یہی اختراع کیا جاتا ہے کہ یہ ہم سے
کنارہ کش ہے ورنہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ میرا کبھی بھی یہ خیال نہیں ہے کہ معاذ اللہ
خاندان قاسمی کو کوئی گزند پہونچے۔ ارادہ عمل تو در کنار، اگر کسی بات سے یہ اختراع کیا
جائے تو غیر صحیح ہوگا۔ بہر حال اس اجتماع میں بھی اور آئندہ بھی جو صورت حقیقی مفاد
دارالعلوم اور ملت اسلامیہ کی ہو اسے اختیار فرمائیں۔ ہرگز ہرگز شخصی اور بالخصوص حسین احمد
کے مفاد کو ترجیح نہ دیں، نہ دارالعلوم حسین احمد پر موقوف ہے اس کے جیسے نہیں بلکہ اس
سے بڑھ کر ہزاروں درجہ بڑھ کر آپ کی جماعت میں جو کہ اسلاف کرام کے در یوزہ
گروں کی جماعت ہے علمائے کرام اور صلحائے عظام موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کو منظور

ہوتا ہے تو تنکے سے کام لیتا ہے اور پہاڑ رہ جاتا ہے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا عبدالعدل صاحب حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی حفظ اور ذہن اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے۔ مولانا احمد حسن صاحب امر وہوی دوسرے درجہ میں تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی۔ ہمارے آقا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کئے جاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے جو کام لیا وہ ان میں سے کسی سے نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکا۔ آج فیض قاسمی عالم میں میزاب محمودی سے جاری ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے تلامذہ میں شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ غبی مشہور تھے۔ مگر خاندان ولی الہی کا فیض ان ہی سے جاری ہوا۔ بڑے بڑے مشاہیر علماء اور اذکیاء دھرے رہ گئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ دارالعلوم کا فیض چلانا چاہے گا تو ایک تنکے سے وہ کام لے گا جن کا وہم و گمان بھی کسی کو نہیں۔

”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا“

[اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو۔] (آسان ترجمہ)

کی بنا پر اس کا خالق کہیں نہ کہیں سے رزق پہونچائے گا
(انشاء اللہ) اس لئے میری شروط ملازمت میں اگر کلام ہے یا میرے
عقیدے یا دستور العمل میں کلام ہے تو مفاد دارالعلوم اور ملت کو سامنے
رکھ کر آپ اور ممبران تجویز فرمائیں۔ مجھ کو جو کچھ اپنے اکابر سے پہنچا
ہے اس کو چھوڑ نہیں سکتا اور نہ چھوڑوں گا ”الا ان یشاء اللہ“ باقی جو

کچھ میری سمجھ میں بہتری کا ذریعہ آئے گا عرض کرتا رہوں گا۔ اپنے منشاء پر مجبور کرنا نہ میرا منصب ہے اور نہ کبھی ہوا۔ تقدیر الہی میں نہ تھا کہ میں شریک اجلاس شوال ہوتا اور بظاہر اس اجلاس میں بھی شرکت کی کوئی امید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اعانت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔“ والسلام

نگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۰۶، ج ۲)

ایضاً

اسی خط میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:
”ممکن ہے کبھی آپ نے میرے اکھڑ پنہ کی وجہ سے یہ خیال فرمایا ہو کہ یہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے اور آمریت کو عمل میں لاتا ہے۔ مگر میرے دل میں کبھی مشاور سے زیادہ کا خیال نہیں رہا ہے اور بسا اوقات میں نے اپنی رائے کے خلاف آپ حضرات کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔“ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۹۶، ج ۲)

ایضاً

ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:
”حسن تدبیر اور حکمت صدق کو اختیار کر کے سلف صالح اور ان کے فیض کو زندہ کرنا چاہئے۔ ہم ناکارے بدنام کنندہ کو ناماں آپ کے



ساتھ ہیں حسب طاقت خدمات انجام دیتے رہے اور ان شاء اللہ دیں
 گے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْنَا وَاَيَّاكُمْ لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ. امين! والسلام
 ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
 (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۹۱، ج ۲)

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ اکابر اولیاء و مشائخ کالین کے دیگر صفات و کمالات کی طرح اس چیز میں بھی صحیح جانشین و قائم مقام اور ان کی یادگار ہیں۔ حضرت قدس سرہ کی پوری زندگی اس نوع کے واقعات سے پُر ہے مگر اس مختصر رسالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس لئے بطور نمونہ عرض ہے۔

تخل کا ایک واقعہ

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے پاس بھیونڈی سے تقاضا آیا کہ یہاں مناظرہ طے ہو گیا ہے۔ کسی اچھے مناظر کو دارالعلوم سے بھیج دیں۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے ایک عالم و مبلغ کو اور حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کو تجویز فرمایا۔ حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ حسب معمول جمعرات کو سہارنپور تشریف لے گئے تھے اور جمعہ بعد واپسی تھی مگر حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے آدمی بھیج کر سہارنپور سے حضرت قدس سرہ کو بلوایا۔ دیوبند سے دہلی تک بذریعہ کار سفر تھا، دہلی سے بذریعہ ٹرین۔

جب حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کار میں سوار ہونے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت کے خادم سوار ہونے کیلئے آگے بڑھے۔ ان مولانا صاحب

نے بہت زور سے ڈانٹا۔ گھسے آتے ہیں اسی طرح۔ دیکھتے نہیں جگہ ہے یا نہیں۔ دیکھنے سننے والوں کو بے انتہا صدمہ ہوا مگر حضرت اقدس قدس سرہ کا تحمل بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ کوئی لفظ تو کیا فرماتے چہرہ تک پر اس کا اثر نہیں تھا۔ اور چپکے سے اپنے خادم سے فرمایا: کہ بس سے دہلی آ جاؤ۔ اور اسی طرح لطافت و بشاشت سے سفر پورا فرمایا۔ سفر سے واپسی پر مخدوم و مکرم جناب مولانا حافظ محمد طیب صاحب زید مجدہم مجاز حضرت شیخ الاسلام و مالک مکتبہ نعمانیہ نے عرض کیا کہ حضرت نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ حضرت کچھ تو فرماتے۔ آخر ان کی اصلاح کس طرح ہوگی؟ کتنی بڑی بد اخلاقی انھوں نے کی ہے۔ حضرت قدس سرہ نے کیا عجیب جواب ارشاد فرمایا:

”سفر میں جاتے وقت میں نے تو اپنی اصلاح کی نیت کر لی تھی میں کیا کہتا اور کیا ان کے اخلاق کی اصلاح کے لئے میں خود بد اخلاق بنوں۔“

ہارون رشید کا واقعہ

اور اس پر ایک لطیفہ بھی سنایا۔ ارشاد فرمایا:

”ہارون رشید کی نرمی اور اخلاق کی وجہ سے ان کے غلام اور ملازم بہت دلیر اور جری ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ رات کو کسی ضرورت کے لئے ہارون رشید اٹھے، کسی غلام کو آواز دی۔ مگر غلام جاگنے کے باوجود سویا ہوا بن گیا۔ اور کئی دفعہ آواز دینے پر بستر پر پڑے پڑے کہا پھانسی دیدوان غلاموں کو، نہ دن کو چھین نہ رات کو چھین۔ اسی طرح پریشان کرتے رہتے ہیں۔ ہارون رشید خاموش ہو رہے۔ اس کی

اطلاع وزیروں کو بھی ہو گئی۔ صبح کو کسی وزیر نے عرض کیا۔ حضور ان غلاموں کو کچھ نہیں فرماتے جس کی وجہ سے یہ غلام اتنے دلیر اور بد اخلاق ہو گئے ہیں۔ منشاء یہ تھا کہ ان غلاموں کو سزا دی جائے۔ ہارون رشید نے جواب دیا۔ کیا ان کے اخلاق درست کرنے کے لئے میں بد اخلاق بنوں۔“

بیرون ممالک کا سفر اور پھر مظاہر علوم میں قیام

۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں ہنگامہ ہوا، اشتہار بازیاں ہوئیں اور جو نہ ہونا تھا ہوا۔ مگر حضرت اقدس قدس سرہ ہندوستان کو چھوڑ کر بیرون ممالک کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ ایک طرف یہ عظیم صدمہ، دوسری طرف غایت احتیاط کہ کسی کے کچھ کہنے پر کوئی جملہ ایسا نہ نکل جائے جو کسی فریق کے خلاف ہو۔

دو گونہ بلا است جانِ مجنوں را
فرقت لیلیٰ و وصلتِ لیلیٰ

اور تقریباً سات ماہ اسی کرب و بے چینی میں ملک سے باہر گزارے۔ سفر سے واپسی پر حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے فرمایا۔ مفتی جی! کب تک اس طرح پھرتے رہو گے؟ کہیں ایک جگہ بیٹھ کر کام کریں۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے جواب میں عرض کیا کہاں بیٹھوں؟ ارشاد فرمایا۔ یہیں مظاہر علوم میں کام کرو۔ عرض کیا بہت اچھا اور مظاہر علوم میں رہ کر کام شروع کر دیا۔ اور جمعرات کو جو پہلے دیوبند سے سہارن پور آنے کا نظام تھا اب وہ ارباب دارالعلوم کے اصرار پر دارالعلوم دیوبند کے لئے تجویز ہو گیا۔ جمعرات کو چھتہ مسجد تشریف لے جاتے اور جمعہ بعد واپسی ہوتی مگر

کیا مجال کوئی جملہ اختلافی مسائل سے متعلق نکل جائے۔ اس فریق کے حضرات تشریف لاتے ان سے بھی اسی بشاشت سے ملاقات فرماتے، دوسرے فریق کے حضرات تشریف لاتے ان سے بھی اسی بشاشت سے ملاقات فرماتے۔ اگر کبھی مزار قاسمی جاتے ہوئے حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہ یا حضرت مولانا سید ارشد مدنی زید مجدہم سے ملاقات فرمائی تو ایسا بھی کبھی ہوا کہ صاحبزادہ حکیم الاسلام جناب مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم سے سفر میں ملاقات

ایک سفر میں معلوم ہوا کہ اسی ٹرین میں جس میں حضرت قدس سرہ سفر فرما رہے تھے، حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم بھی سوار ہیں۔ جب اسٹیشن پر اترے باوجود یکہ وہ ڈبہ جس میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم سوار تھے حضرت والا قدس سرہ کے ڈبہ سے بہت دور تھا اور حضرت والا قدس سرہ کو ضعف و کمزوری بھی انتہا درجہ تھی اس کے باوجود اپنے رفیق سفر محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم کے کندھے پر سہارا لگائے اسٹیشن پر سوار یوں کی بھیڑ میں گذرتے ہوئے حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم کے ڈبہ میں تشریف لے گئے اور ملاقات فرمائی۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم بھی حضرت والا قدس سرہ سے اسی عقیدت و عظمت کے ساتھ ملاقات فرماتے اور دعا کی درخواست فرماتے۔

ایک دفعہ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ برطانیہ کے سفر پر تھے، اسی دوران

حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم کا بھی وہاں کا سفر ہوا، اور حضرت مولانا زید مجدہم کو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ بھی یہاں تشریف فرما ہیں، حالانکہ دونوں حضرات کا قیام الگ الگ شہروں میں تھا، اور دونوں شہروں کے درمیان فاصلہ بھی کافی تھا، اس کے باوجود حضرت مولانا زید مجدہم طویل سفر فرما کر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی قیامگاہ پر ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو بھی جب حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم کے بارے میں معلوم ہوا کہ ملاقات کے لئے تشریف لارہے ہیں اور پہنچنے ہی والے ہیں، فرط محبت میں انتہائی ضعف و کمزوری کے باوجود استقبال کے لئے مکان سے باہر تشریف لائے، حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم نے انتہائی عقیدت و عظمت کے ساتھ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے ملاقات فرمائی اور سر جھکا کر درخواست کی کہ حضرت سر پر اپنا دست مبارک رکھ دیں، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے مصافحہ و معانقہ کے ساتھ حضرت مولانا زید مجدہم کے مبارک سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی: ”اللہ تعالیٰ اس سر کو ہمیشہ اونچا رکھے۔“

مظاہر علوم کے قضیہ میں طرز عمل

شوقی قسمت کہ دارالعلوم کے قضیہ کے کچھ ہی عرصہ بعد مظاہر علوم میں قضیہ نامرضیہ پیش آیا۔ مدرسہ کے رجسٹریشن کے سلسلہ میں مجلس شوریٰ اور حضرت ناظم صاحب کے درمیان سخت اختلاف ہوا اور اس اختلاف میں شدت ہوتی چلی گئی، حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ اختلافات سے بچنے کے لئے پھر بیرون ممالک کے سفر پر تشریف لے گئے سات آٹھ ماہ ملک سے باہر ہی گزارے اور پھر سفر سے

واپسی پر مظاہر علوم کے بجائے دارالعلوم دیوبند مستقل قیام فرمایا۔ مدرسہ کے رجسٹریشن کے سلسلہ میں جو اپنی رائے تھی وہ بھی صاف ظاہر فرمادی مگر اختلاف میں کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لیا۔ جب بعض حضرات نے اصرار کیا تو ارشاد فرمایا کہ آستین چڑھا کر لنگوٹ باندھ کر اکھاڑہ میں کود پڑوں میرے بس کی بات نہیں۔ اگر ایک طرف مولانا محمد طلحہ صاحب میرے استاد اور شیخ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے صاحبزادے ہیں ان کا احترام بھی میرے ذمہ ہے۔ دوسری طرف مولانا مفتی مظفر حسین صاحب بھی میرے استاد مولانا مفتی سعید احمد قدس سرہ کے صاحبزادے ہیں ان کا احترام بھی میرے ذمہ ہے۔ ایسے ہی مولانا محمد اللہ صاحب میرے استاد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب قدس سرہ کے صاحبزادے ہیں میں کس کا مقابلہ کروں۔

لوگوں نے اپنی قیاس آرائیوں اور بدگمانیوں کی بناء پر حضرت والا قدس سرہ کو بھی ان تمام تر احتیاطوں کے باوجود بھی نہیں بخشا۔ حضرت والا کو ایک فریق کا حامی سمجھ کر دوسرے فریق والوں نے کیچڑ اچھالا، بہتان باندھے، افتراء کیا اور سورج پر کیا کیا غبار پھینکا۔ اہل شوریٰ حضرات سرپرستان مع حضرت والا قدس سرہ کے خلاف کفر تک کے فتوے شائع کئے، مگر اللہ رے صبر و تحمل کہ حضرت والا قدس سرہ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی جملہ ان فتویٰ دینے والوں کے خلاف بھی نہیں سنا گیا، نہ رد اور دفاع میں اشتہار نکالا گیا، پوچھنے والوں نے پوچھا ان الزامات سے برأت ظاہر کرنے کے علاوہ کوئی جملہ کبھی زبان پر نہیں آیا۔ نہ طرز عمل میں سرموفرق آیا۔

اپنے خلاف فتویٰ دینے والے کا احترام

حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلاف فتویٰ دینے والے

صاحب حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت قدس سرہ نے کھڑے ہو کر سینہ سے لگایا اور اپنی مسند پر قریب بٹھایا اور شفقت و محبت سے گفتگو فرماتے رہے۔ گھر کی خیریت مدرسہ کی خیریت اساتذہ کی خیریت دریافت فرمائی۔ از خود فتویٰ کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ انھوں نے خود ہی عرض کیا کہ مجھ سے زبردستی فتویٰ لکھوایا گیا اور معذرت کی، معافی چاہی اس پر ارشاد فرمایا میری طرف سے سب معاف ہے باقی غلطی اشتہاروں میں شائع کی جائے اور معافی اس طرح مانگ لیں یہ کافی نہیں بلکہ ”التوبة مثل الحوبة“ جس طرح کی غلطی ہوتی ہے ویسی ہی اس سے توبہ ہوتی ہے۔ ہاں میری طرف سے معاف ہے۔ میں قیامت میں دامنگیر نہیں ہوں گا۔ اس سے زیادہ بلندی اخلاق کی اور کیا مثال ہوگی البتہ جو شرعی حکم تھا وہ بھی بتا دیا۔ وہ بھی ان کے ذکر پر۔ اس کے بعد وہ صاحب گاہے گاہے تشریف لاتے اور حضرت والا اسی شفقت و محبت سے گفتگو فرماتے۔ اور پھر کبھی نہیں پوچھا کہ کیا کیا؟ اور کیوں کیا؟ سہارن پور تشریف آوری ہوتی جس طرح حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب زید مجدہم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہم اور دیگر اساتذہ حضرات سے ملاقات فرماتے۔ وہاں حضرت مولانا الحاج مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ اور مولانا عبد المالک صاحب مرحوم اور مولانا محمد وقار صاحب مرحوم اور دیگر اساتذہ حضرات سے بھی ملاقات فرماتے۔

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ کی عیادت

حضرت والا قدس سرہ خود انتہائی کمزور و ضعیف اور بیمار مگر اطلاع ملی کہ

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ بیمار ہیں حضرت والا قدس سرہ دیوبند سے سہارنپور برائے عیادت تشریف لائے اور اپنی کمزوری و بیماری کا خیال تک نہیں فرمایا اور سہارنپور پہنچ کر جب حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم وغیرہ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: کہ مفتی مظفر حسین صاحب کی بیماری کی اطلاع ملی تھی ان کی عیادت کے لئے آیا ہوں۔

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کا احترام

دارالعلوم کے سخت ہنگاموں کے دوران حضرت مولانا سید انظر شاہ قدس سرہ چھتہ مسجد حضرت والا قدس سرہ کی قیام گاہ پر ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو اطلاع ملی تو حضرت والا قدس سرہ اپنے ضعف کے باوجود دو آدمیوں کے سہارے اپنی قیام گاہ سے باہر تشریف لائے اور چھتہ مسجد کے درمیان صحن تک تشریف لے گئے اور شاہ صاحب قدس سرہ سے مصافحہ و معانقہ فرمایا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرہ میں لائے اور اپنی مسند پر بٹھایا۔ چائے، مٹھائی پیش کی اور انتہائی لطف و محبت کے ساتھ خیریت وغیرہ دریافت فرمائی، اور انتہائی بے تکلفی کے ساتھ دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔

دارالعلوم وقف میں سنگ بنیاد

دارالعلوم وقف میں دارالحدیث اور اطیب المساجد کے سنگ بنیاد کے لئے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے درخواست کی گئی، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے

اس کو منظور فرمایا اور دارالعلوم وقف میں جا کر دارالحدیث اور اطیب المساجد کی بنیاد رکھی، گو اندر کے بعض حضرات کو سخت ناگوار گذرا۔ اور عرصہ تک ان حضرات پر اس کا اثر رہا۔

حضرت فقیہ الامت اور حضرت مفتی نظام الدین قدس سرہما

حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ ناظم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند اور حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف شروع سے رہا ہے مگر ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم میں کبھی سرمو فرق نہ آیا۔ مجلس شوریٰ نے حضرت اقدس فقیہ الامت قدس سرہ کو حضرت مفتی مہدی حسن صاحب قدس سرہ کے بعد صدر مفتی اور ناظم دارالافتاء تجویز فرمایا تھا مگر حضرت والا نے حضرت مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ کو صدر مفتی اور ناظم دارالافتاء کے تمام اختیارات سپرد فرما کر درخواست کی کہ دارالافتاء کے ناظم اور صدر مفتی آپ رہیں گے، میں آپ کے ماتحت رہ کر کام کروں گا۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ بھی اس کیلئے آمادہ نہ تھے کہ جب مجلس شوریٰ نے آپ کیلئے یہ عہدہ تجویز کیا ہے میں کس طرح قبول کروں مگر حضرت والا نے سخت اصرار فرمایا کہ اگر آپ نے قبول نہ کیا تو میں دارالعلوم ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ اس لئے بجبوری حضرت مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ نے قبول فرمایا۔ اور حضرت اقدس فقیہ الامت قدس سرہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ کی صدارت و انتظام کے ماتحت برابر خدمات انجام دیتے رہے اور اپنے ہر طرز سے اپنا ماتحت ہونا ہی ظاہر فرماتے۔ مثلاً جب دارالافتاء تشریف لاتے اولاً حضرت مفتی نظام الدین قدس سرہ کے پاس تشریف رکھتے، سلام و مصافحہ اور خیریت کے بعد اپنا کوئی تحریر فرمودہ فتویٰ دکھاتے، اور اس سے متعلق مشورہ فرماتے، اس کے بعد اپنی مسند پر

تشریف لیجاتے، اگر سفر وغیرہ پر تشریف لیجاتے، باقاعدہ رخصت کی درخواست لکھ کر پیش فرماتے، اس کے بعد سفر میں تشریف لے جاتے۔ (روایت حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ)

خود حضرت مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ زبانی بھی حضرت والا قدس سرہ سے متعلق بلند کلمات ارشاد فرمایا کرتے۔ بارہا ارشاد فرمایا: ”مفتی محمود صاحب زید مجرم کی بزرگی پر ان کی خوش طبعی و ظرافت نے پردہ ڈال رکھا ہے۔“

نقول فتاویٰ میں تعاون

بندہ نے جب فتاویٰ محمودیہ کی ترتیب اشاعت کا ارادہ کیا، سب سے پہلا مرحلہ نقول فتاویٰ کا تھا، نقول فتاویٰ کے رجسٹر دارالافتاء میں محفوظ ہوتے ہیں، اور ان کو دارالافتاء سے باہر لیجانا کسی غیر متعلق شخص کو دینا قانوناً جرم ہے، بندہ نے حضرت الاستاذ مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ سے اپنی خواہش ذکر کی اور درخواست کی کہ دارالافتاء سے ایک رجسٹر بندہ کو دیدیا جائے، اور بندہ اس کو میرٹھ لے جا کر نقل کر کے واپس کر دیا کرے اور پھر اسی طرح دوسرا رجسٹر لے لیا کرے۔ حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ نے انتہائی بشاشت سے اس کو منظور فرمایا اور حضرت ایک رجسٹر دارالافتاء سے اپنے نام پر نکلواتے اور پھر اپنے اعتماد پر بندہ کو عنایت فرماتے تاکہ قانون کی خلاف ورزی بھی نہ ہو اور یہ کام بھی ہو جائے۔ سالوں یہ سلسلہ چلتا رہا اور اس طرح حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے دئے ہوئے تمام فتاویٰ نقل ہوئے، استاد محترم حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کا تعاون اگر حاصل نہ ہوتا تو فتاویٰ محمودیہ کی ترتیب و اشاعت کا

عظیم کام انجام نہ پاتا۔ اس طرح حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہ بھی فتاویٰ محمودیہ کی ترتیب و اشاعت کے اجر و ثواب میں شریک ہو گئے۔ فجزاہم اللہ خیرا الجزاء۔

حضرت فقیہ الامت اور حضرت مسیح الامت

استاذ محترم مسیح الامت حضرت اقدس مولانا الحاج الشاہ محمد مسیح اللہ صاحب قدس سرہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت قدس سرہ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کے زمانہ طالب علمی کے ساتھی ہیں۔ کمرہ میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ درس میں تو شریک نہیں تھے کہ حضرت والا قدس سرہ ایک دو سال آگے تھے۔ مگر باہم گہرا ربط اور بے تکلفی کا تعلق تھا، کھانا بھی ساتھ کھاتے تھے، کوئی شخص جتنا چاہے بزرگ ہو جائے مگر ساتھی کیلئے پھر ساتھی ہے۔ ساتھی ساتھی کے ساتھ عموماً ساتھی ہی جیسا معاملہ کرتا ہے۔ عقیدہ متندانہ احترام عموماً نہیں ہوتا مگر شیخین (حضرت فقیہ الامت قدس سرہ و حضرت مسیح الامت قدس سرہ) کا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا عقیدہ متندانہ عظمت و احترام سے بھرپور تھا جو قابل صدر شک ہے۔ زمانہ طالب علمی میں بے تکلفی تھی مگر حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب قدس سرہ کو جب حضرت تھانوی قدس سرہ کی طرف سے اجازت ہوئی تو اسی وقت سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے احترام کرنا شروع فرمادیا اور بے تکلفی ختم فرمادی، گو بے تکلفی کے باوجود جانبین سے ایک دوسرے کا احترام پہلے سے تھا، حتیٰ کہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی سالانہ تعطیل کے موقع پر حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب قدس سرہ تھانہ بھون تشریف لیجانے لگے تو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب قدس سرہ کا بستر سر پر لے کر پیادہ بس اڈہ

تک پہونچا کر آئے کسی نے خوب کہا ہے: ۷

پردہ عجز میں مخفی ہے ترا اوج کمال

خاکساری میں نہاں رتبہ اعلیٰ تیرا

حضرت اقدس فقیہ الامت قدس سرہ کا جب کبھی جلال آباد کی طرف سے گذرنا ہوتا یہ گویا ناممکن تھا کہ حضرت مسیح الامت قدس سرہ سے ملاقات کئے بغیر گذر جائیں خواہ وہ ملاقات چند منٹ ہی کی ہو۔ بعض دفعہ احقر کو بھی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور شیخین کی ملاقات کے وہ مناظر اب تک آنکھوں میں سمائے ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ طویل سفر سے حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کی واپسی ہوئی اور یہ سفر آنکھ کے آپریشن کیلئے ہوا تھا۔ آنکھ کا پردہ پھٹ جانے کی بنا پر اولاً آپریشن لندن میں ہوا پھر اسی آنکھ کے دو آپریشن یکے بعد دیگرے کلکتہ میں ہوئے جس میں تقریباً تین ماہ کلکتہ رہنا ہوا۔ ضعف و نقاہت انتہاء کو پہونچ گئی ذرا سی حرکت بھی سخت تکلیف دہ مگر کیا مجال معمولات میں فرق آئے۔ سفر سے واپسی پر حسب معمول جھنجھانہ صاحبہ دای صاحبہ دام ظلہا اور عزیزان سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے۔ جلال آباد راستہ میں پڑتا ہے۔ جلال آباد کو گذریں اور حضرت مسیح الامت قدس سرہ سے ملاقات نہ فرمائیں یہ انتہائی دشوار تھا۔ بس کے ذریعہ سے سفر، اس کمزوری کی حالت میں بس کا سفر کتنا تکلیف دہ ہوگا مگر اللہ رے ہمت۔ جلال آباد نانو تہ سے آتے ہوئے مدرسہ کے قریب بس رک جاتی ہے مگر وہاں رکشہ نہیں ملتا۔ اور وہاں سے مدرسہ مفتاح العلوم تو قریب ہے مگر حضرت مسیح الامت قدس سرہ کی قیام گاہ فاصلہ پر ہے۔ احقر نے حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کے رفیق سفر اور خادم خاص محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم سے عرض کیا کہ یہاں رکشا نہیں ملیگا۔ اس لئے بس اڈہ پر اتریں تاکہ رکشا مل جائے اور سہولت ہو۔ احقر کی

آواز کچھ حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کو پہونچ گئی اور محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم سے دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ مولانا موصوف نے بتا دیا۔ اس پر حضرت فقیہ الامت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

”نا بھی اتریں گے۔ بزرگوں کی خدمت میں کچھ پیدل چل کر بھی جانا چاہئے۔ حق تو یہ تھا کہ ہم دیوبند سے پیدل چل کر حاضر ہوتے۔ اگر ایسا نہ کر سکیں تو کیا یہاں سے بھی پیدل چل کر حاضر نہ ہوں۔“

احقر کے جسم میں سناٹا سا نکل گیا کہ یہ اپنے شیخ کی خدمت میں کسی مرید باصفا کی حاضری ہے یا ایک ساتھی کی ساتھی سے ملاقات۔ ۷
پردہ عجز میں مخفی ہے ترا اوج کمال
خاکساری میں نہاں رتبہ اعلیٰ تیرا
ہمارے ذہنوں میں تو اپنے شیخ کی خدمت میں بھی حاضری کے وقت اس طرح کے آداب کا تصور و خیال تک نہیں آتا۔ اور خود پرستی، اغراض پرستی، جاہ پرستی پھر باہمی رقابت، سیاسی کشمکش، فتنہ و فساد کے ماحول میں ان چیزوں کا سمجھ میں آنا بھی مشکل ہے جب تک انانیت، اپنی جاہ، اپنی پسند، اپنی خواہش سب کچھ فنا نہ ہو جائے کہ صرف ایک رضاء مولیٰ باقی ہو وہ بھی اس شان سے کہ نمود اس کی بھی نہ ہو اس وقت تک یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی مگر۔ ۸

ایں چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

[ایسی عمدہ روش والے دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔]

یہ تو ہوا حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کا احترام۔ اب آگے سنئے۔ حضرت

فقیہ الامت قدس سرہ حضرت مسیح الامت قدس سرہ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ کسی نے تشریف آوری کی اطلاع حضرت مسیح الامت قدس سرہ کو کر دی۔ حضرت مسیح الامت قدس سرہ بہت تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور قیام گاہ سے باہر دروازہ سے نیچے اتر کر آکر ملاقات فرمائی۔ معانقہ فرمایا۔ دست بوسی فرمائی اور حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے۔ مسند پر بیٹھنے کیلئے فرمایا مگر حضرت فقیہ الامت قدس سرہ مسند سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھے۔ مسند کے دوسری طرف حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ تشریف فرما ہوئے، مسند خالی رہی۔ بڑے پر لطف انداز میں گفتگو ہوتی رہی۔ اور پھر واپسی پر دروازہ سے باہر تک رخصت کرنے کیلئے تشریف لائے۔

ایک دفعہ حضرت فقیہ الامت قدس سرہ جلال آباد تشریف لے گئے۔ وہی مابین اکرام و احترام اور انتہائی خلوص و محبت کا معاملہ جانین سے ہوا۔ حضرت مسیح الامت قدس سرہ نے کئی مسائل بھی دریافت فرمائے۔ اپنا وضو خانہ، غسل خانہ وغیرہ دکھایا اور طہارت و نظافت سے متعلق مسائل بھی دریافت فرمائے۔ سلام اور اس کے جواب سے متعلق بھی دریافت فرمایا۔

ایک دفعہ یہ احقر دیوبند سے جلال آباد حضرت مسیح الامت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے جس محبت و احترام کے انداز میں حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کی خیرت دریافت فرمائی اس کی لذت اب تک نہیں گئی۔ غالباً الفاظ یہ تھے۔ مگر انداز انتہائی محبت آمیز تھا۔

”ہمارے محترم حضرت مفتی صاحب کے کیسے مزاج ہیں؟“

اور مخصوص لطف آمیز انداز میں اس جملہ کو تین دفعہ دہرایا۔

حضرات شیخین نور اللہ مرقدہما کے مابین بعض مسائل میں اختلاف رائے بھی

ہوا۔ شوریٰ و اہتمام کے مسئلہ میں بھی دونوں حضرات کے درمیان اختلاف ہوا۔ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب قدس سرہ کی ایک کتاب اس موضوع پر ”اہتمام و شوریٰ“ کے نام سے چھپی ہوئی ہے۔ حضرت اقدس مفتی صاحب کی بھی ایک کتاب ”شوریٰ و اہتمام“ کے نام سے چھپی ہوئی ہے۔ ہر ایک کی رائے مختلف ہے۔ اور اب یہ مسئلہ ملک بھر میں موضوع بحث بنا ہوا ہے مگر حضرات شیخین نور اللہ مرقدہما کے مابین کسی جانب سے باہمی محبت و اکرام اور باہمی عظمت و احترام میں کسی درجہ میں بھی سرموفق نہ آیا۔

کمرہ حوالہ فرما دیا

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر حضرت مسیح الامتؑ اپنے رفقاء کے ساتھ اجلاس میں شرکت کیلئے تشریف لائے، لاکھوں کے مجمع میں حضرت مسیح الامتؑ کیلئے آرام دہ قیام گاہ کا انتظام مشکل تھا، حضرت فقیہ الامت قدس سرہ نے اپنا کمرہ حضرت مسیح الامت قدس سرہ کے حوالہ فرما دیا کہ اپنے رفقاء کے ساتھ اس میں قیام فرمائیں اور حضرت فقیہ الامت اپنے خدام کے ساتھ ایک دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے، جو کافی فاصلہ پر تھا اور وہ اپنے کمرہ جیسی سہولیات بھی وہاں نہیں تھیں، یہی حضرات ہیں ”يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ [اور ان کو اپنے آپ ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر تنگدستی کی حالت گذر رہی ہو۔] (آسان ترجمہ)

ماتحت مدرس کے ساتھ حسن سلوک

جامع العلوم کان پور کے زمانہ قیام میں حضرت والانور اللہ مرقدہ ہی وہاں

صدر مدرس، صدر مفتی، شیخ الحدیث، ناظم کتب خانہ، ناظم مطبع، سفیر و مبلغ سب خود ہی تھے، یہ تمام امور حضرت والا بہ نفس نفیس خود ہی انجام دیتے تھے۔ ایک مدرس صاحب جن کی استعداد و صلاحیت اچھی نہیں تھی۔ سبق میں سبق پڑھانے کے بجائے طلبہ کے سامنے حضرت والا قدس سرہ اور مہتمم صاحب کی برائیاں کیا کرتے چونکہ وہ پرانے مدرس تھے، لسان تھے، عوام سے رابطہ رکھتے تھے، حضرت والا قدس سرہ کی مقبولیت سے جلتے تھے حضرت قدس سرہ سب برداشت فرماتے اور تاکہ طلباء کا حرج نہ ہو، ان کے اسباق بھی خود پڑھاتے، ان کے پاس برائے نام ایک دو کتاب رکھی۔ انھوں نے کہا کوئی اعتراض کرے گا۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: اعتراض کون کرے گا؟ میں کرتا میں خود ہی ایسا کر رہا ہوں۔ مگر وہ صاحب اس سب کے باوجود اپنی حرکات سے باز نہ آئے۔ تو پھر وہ سبق بھی ان کے پاس سے منتقل کر لیا۔ اور ایک سال تک برابر تنخواہ اپنے پاس سے عنایت فرماتے رہے۔ البتہ جب انھوں نے تحریری طور پر وجہ دریافت کی کہ سبق کیوں منتقل کر دیا تو اس کی وجہ بھی تحریر فرمادی:

”کہ آپ نے طلبہ کو اپنی خیر سے محروم کر دیا میں چاہتا ہوں کہ

آپ کے شر سے بھی محفوظ ہو جائیں۔“

مطلب یہ تھا کہ گھنٹہ میں سبق پڑھانے کے بجائے طلباء کے سامنے غیبتیں کرتے ہیں، برائیاں کرتے ہیں، سبق نہیں پڑھاتے، اس لئے طلباء کو سبق کی خیر سے محروم کر دیا۔

حضرت والا قدس سرہ نے سبق منتقل فرمادیا تاکہ سبق کے گھنٹہ میں غیبتیں ہوتی ہیں طلباء اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔

ایک ہم عصر مخالف مدرس کے ساتھ حسن سلوک

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے مسلسل اصرار پر حضرت والا قدس سرہ نے بخاری شریف جلد ثانی کا درس قبول فرمایا۔ دارالعلوم کے ایک بڑے مدرس (جو بخاری شریف کے خواہشمند تھے) نے بہت پریشان کیا۔ طلبہ کو اعتراضات سکھاتے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے درس بخاری شریف میں بے تکے بے ہودہ اعتراضات و سوالات کی بھرمار ہوتی جس سے طلبہ کا بھی نقصان ہوتا اور سب طلبہ کو بھی تکلیف ہوتی۔ حضرت والا قدس سرہ کو بھی یہ حرکت خوب معلوم تھی اس سے ان کا مقصد حل نہیں ہوا تو سحر تک کرایا جس سے ہچکیوں کی اتنی شدید تکلیف ہو گئی جو برداشت سے بالکل باہر تھی اور بھی کیا کیا چیزیں پیش آئیں مگر حضرت والا قدس سرہ کبھی کوئی حرف زبان پر نہ لاتے۔ راستہ میں ملتے تو حضرت والا قدس سرہ خود سے سلام مصافحہ فرماتے اگر کوئی دوسرا اس سلسلہ میں کچھ ذکر کرتا تو اس کو بھی یہ کہہ کر خاموش فرمادیتے کہ وہ تو میرے بزرگ ہیں۔

اپنے فتویٰ سے رجوع

حضرت والا قدس سرہ کو اپنی رائے پر کبھی اصرار فرماتے نہیں دیکھا حتیٰ کہ فتویٰ لکھ کر دوسروں کو دکھاتے۔ اپنے تلامذہ کو بھی دکھانے میں کبھی عار نہیں تھا، اگر ہم فتویٰ ہو پھر تو ضرور اس کو مختلف علماء و مفتیان کو اہتمام سے دکھاتے کہ بھائی کوئی غلطی ہو تو بتاؤ۔ اگر کوئی کچھ عرض کرتا بہت خوش ہو کر اس کو سنتے اور اگر کبھی کسی نے دلیل کے

ساتھ کسی فتویٰ یا اس کے کس جز پر کلام کیا اور وہ صحیح ہوا تو اس کو فوراً قبول فرمالیا اور اپنے فتویٰ سے بہت خوشی کے ساتھ رجوع فرمالیا۔

بلا طلب معافی معاف فرما دینا

سخت سے سخت کسی نے غلطی کی اور ایذا پہونچائی فوراً معاف فرما دیا۔ بعض دفعہ اس نے معافی کی درخواست کی کہ حضرت کو تکلیف ہوئی ہوگی معاف فرمادیں۔ حضرت نے جواب دیا سب معاف ہے۔ میرے یہاں اس کا خانہ ہی نہیں۔ (کہ بات دل میں رکھی جائے اور اس کا خیال رہے۔ بلکہ فوراً اس کے معافی طلب کئے بغیر ہی معاف کر دیا جاتا ہے۔)

سخت کلمہ اور دُعا

ایک دفعہ ایک کاتب نے فتاویٰ محمودیہ کی کتابت میں بہت تاخیر کی اور وعدہ پر وعدہ کرتا رہا۔ جس سے حضرت والا قدس سرہ کو بھی بہت تکلیف ہوئی۔ جامعہ محمودیہ میرٹھ حضرت والا قدس سرہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ کاتب صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت والا قدس سرہ کی زبان سے کوئی سخت کلمہ کاتب صاحب کے بارے میں نکل گیا۔ میرٹھ سے دیوبند واپسی ہو گئی۔ پھر احقر دیوبند حاضر ہوا تو حضرت والا قدس سرہ نے فرمایا: کہ کاتب صاحب کے لئے میرٹھ سے دیوبند تک برابر دعا کرتا رہا اس کلمہ کے کفارہ میں۔ جو کاتب صاحب کے لئے زبان سے نکل گیا تھا۔

مخالفین کے ساتھ خیر خواہی

جن لوگوں سے حضرت والا قدس سرہ کو ایذائیں پہنچیں کبھی ان سے انتقام

نہیں لیا بلکہ ان کو فوراً معاف فرما دیا۔ بلکہ دعاء، توجہ، مشورہ کے ذریعہ ان کی خیر خواہی میں ادنیٰ کوتاہی نہیں فرمائی جس کا مشاہدہ بکثرت ہوتا رہتا تھا۔ جو بہت اونچا مقام ہے۔ جو اللہ پاک کے خاص اور مقرب بندوں کو ہی عطا ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد صدیقین کا ہی خاص حصہ ہوتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانه بخشند خدائے بخشنده

[یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی، جب تک بخشنے والا خدا نہ بخشے]
اکابر کے اس نوع کے واقعات گاہے گاہے بکثرت سناتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرات والا قدس سرہ اپنے تعلق والوں کے لئے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ اسی طریقہ کو اختیار کریں۔ اس سے بھی اعلیٰ مقام شاید یہ مقام ہے کہ اپنے سخت ترین مخالف کی طرف سے خود تو اپنے دل میں کدورت کیا ہو اپنے کسی متعلق کے دل میں بھی اس کی طرف سے کدورت گوارا نہیں تھی۔

مظاہر علوم کے ہنگامہ میں ایک صاحب نے حضرت والا قدس سرہ اور دیگر اکابر کو برا کہنے میں بڑا حصہ لیا۔ ایک مقام پر ایک مجمع میں انھوں نے بہت نازیبا و نامناسب باتیں نقل کیں۔ حضرت والا قدس سرہ کے ایک خادم مقرب کو جو وہاں شریک تھا اس سے بہت تکلیف ہوئی اور دل میں ان کی طرف سے کدورت پیدا ہو گئی۔ حضرت والا قدس سرہ نے ملاقات پر فرمایا میں نے تمہارے قلب کی طرف توجہ کی مگر دیکھا کہ گرہ لگی ہوئی تھی گویا تنبیہ کی کہ انکی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ ہونی چاہئے اور یہ بھی فیض سے رکاوٹ کا سبب ہے۔ کیا انتہا ہے اس وسعت ظرفی اور بلند حوصلگی کی۔ کسی کتاب میں شعر پڑھا تھا۔

ہر کہ مارا یار نبود ایزد او را یار باد
ہر کہ مارا رنج داده راحتش بسیار باد
ہر کہ در راہ منم خار نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفتد گلزار باد

[جو ہمارا دوست نہ ہو خدا اس کا دوست ہو جس نے ہم کو رنج دیا اس کو بہت راحت نصیب ہو۔ جو میرے راستہ میں دشمنی سے کانٹے بچھاتا ہے اس کی عمر کے باغ کا جو پھول کھلے گلزار ہو۔]

اس وقت اس کو محض شاعری سمجھا تھا کہ واقعیت سے اس کا کیا تعلق۔ مگر حضرت والا قدس سرہ کی زندگی دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ اشعار میں محض شاعری ہی نہیں بلکہ کچھ حضرات واقعہً اس کا مصداق ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات کا طریق اس حدیث پاک کی عملی تفسیر ہوتا ہے ”صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاحْسِنْ إِلَى مَنْ أَسَا إِلَيْكَ۔“ [جو قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑو۔ جو ظلم کرے اس کو معاف کر دو جو تکلیف پہنچائے اس کے ساتھ احسان کرو۔]

حدیث کے مضمون پر کسی اسٹیج پر شاندار تقریر کر دینا بہت آسان ہے مگر اس کی عملی تفسیر پیش کرنا ان حضرات ہی کا حصہ ہے۔

أُولَئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعْتُنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

[یہ ہیں میرے آباء و اجداد پس ان جیسا تو بھی اے جریر! جب مجامعِ تفاخر ہمسکو جمع کریں پیش کر۔]

کسی نے کیا خوب کہا ہے: ۷

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انھیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
ان ہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
ان ہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو بخندانی
اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے ان اکابر کے اوصاف و اخلاق میں سے کچھ
حصہ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

سخت دشمن کے ساتھ حسن سلوک

مفتی ظہیر الاسلام صاحبؒ بنی گنچ ہردوئی مرحوم جو اس وقت جامع العلوم
کانپور میں متعلم تھے روایت کرتے ہیں کہ قیام کانپور کے زمانہ میں ایک صاحب کو
حضرت والاقدس سرہ کی خداداد صلاحیتوں اور محبوبیت و مقبولیت کی وجہ سے حضرت
سے ایسا حسد ہوا کہ حضرت والاقدس سرہ کی کھلی دشمنی پر اتر آیا اور عداوت میں کوئی کسر
نہیں چھوڑی۔ غنڈوں کو اپنے ساتھ لیا ان کو لٹی سیدھی باتیں بتا کر بدن کیا اور حضرت
والاقدس سرہ کے قتل تک کرنے پر آمادہ کیا۔ اعلان کر دیا کہ فلاں رات کو گولی ماریں

گے۔ کمرہ کا دروازہ بند کرنے کا سوتے وقت معمول تھا مگر اس رات حضرت نے دروازہ بھی کھلا چھوڑ دیا۔ کسی خادم نے دروازہ بند کرنے کو کہا۔ فرمایا آج ہی تو کھولنے کا موقع ہے۔ اللہ پاک کی ذات عالی پر عجیب توکل و اعتماد کہ کسی قسم کا ادنیٰ خوف و ہراس تک پاس نہیں۔ بعض طلبہ نے جن کو صورت حال کا علم تھا پہرہ دینا چاہا ان کو بھی انکار کر دیا۔ طلبہ کو اس شخص کے خلاف سخت غصہ تھا مگر ان کو کسی قسم کی کارروائی کرنے یا انتقام لینے یا کوئی کلمہ سخت کہنے سے حضرت نے سختی سے روک دیا۔ اللہ پاک کی نصرت و حمایت کہ وہ شخص دھمکی اور اعلان کے باوجود اور غنڈوں کو تیار کر لینے کے باوجود کچھ نہیں کر سکا اور اس کی ہمت ہی نہ ہو سکی کہ حضرت والا کے کمرہ کی طرف برائی کے ساتھ رخ کرے۔

ایک موقع پر اس نے ایک اشتہار جگہ جگہ چسپاں کیا جس میں حضرت والا قدس سرہ پر بے ہودہ اعتراضات اور بے بنیاد اتہامات و الزامات تھے۔ خدام نے اس کا جواب دینا چاہا۔ حضرت قدس سرہ نے ان کو بھی روک دیا۔ اور خود حضرت قدس سرہ کا یہ طرز تھا کہ ان سے ملاقات کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ملاقات فرماتے، خیریت و حالات دریافت فرماتے۔ مشورہ طلب امور میں ان کو بھی مشورہ میں شریک فرماتے۔ دیوبند، سہارنپور، رائے پور کے اکابر سے ملاقات کے لئے کسی تدبیر سے اپنے صرفہ سے ان کو ہمراہ لاتے اور ان سے دوستانہ معاملات فرماتے اور ان کے کسی تعاون سے دریغ نہ فرماتے۔ وہ روزگار اور ذریعہ معاش سے پریشان تھے۔ ان کے لئے دوکان کا انتظام فرمایا اور بڑی حد تک صرفہ برداشت فرما کر ان کو مطب کرایا۔ اس اعلیٰ کردار اور حسن اخلاق کی بنا پر ان کی عداوت مودت و الفت بلکہ جاں نثاری سے تبدیل ہو گئی۔ اس نوع کے کتنے واقعات پیش آئے مگر یہاں تو

محض نمونہ دکھانا تھا۔ تفصیل کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش بھی نہیں۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

قضیہ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا سانحہ جوامت کا عظیم فتنہ بن گیا اور بہت زیادہ افتراق و انتشار کا سبب بن گیا اس کی بنیادی چیزوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں تھا جتنا بنادیا گیا۔ احقر کے خیال میں دارالعلوم کے اختلاف کا بنیادی سبب یہ تھا۔

ایک طرف تو حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، صاحبزادہ محترم جناب مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم استاذ دارالعلوم دیوبند کو نائب مہتمم بنانا چاہتے تھے جو اکثر سفر حضر میں حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے ساتھ رہے جس کی وجہ سے ان کو کافی تجربات حاصل ہوئے۔ ملک و بیرون ملک میں ان کا تعارف ہوا۔ تقریر و خطابت میں بھی مہارت حاصل کی۔ خاندانی اوصاف، شرافت و نجابت بھی ورثہ میں ملے۔ ان سب چیزوں کی وجہ سے حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ موصوف کو نائب مہتمم بنانا چاہتے تھے اور اسی میں دارالعلوم کا مفاد سمجھتے تھے۔ ایسا نہ ہونے کی صورت میں ان کو دارالعلوم کی مضرت کا اندیشہ تھا۔ اس لئے اپنی اس رائے پر ان کو اصرار تھا۔

دوسری جانب اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند دیگر مصالح کی بنا پر اس کے خلاف تھے، اور محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم کو نائب مہتمم نہ بنائے جانے پر مصر اور بضد تھے۔ اور اپنی اسی تجویز کو دارالعلوم کے حق میں مفید ہی نہیں بلکہ

ضروری سمجھتے تھے۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ہر فریق اپنی رائے پر اصرار کرنے میں حق بجانب ہوگا۔ اگر معاملہ یہیں تک محدود ہوتا تو مضائقہ نہ تھا مگر ایسا ہوا نہیں؛ بلکہ کچھ نچلے لوگوں نے معاملہ حد سے بڑھا دیا اور اختلاف رائے کے حدود و آداب سے بہت تجاوز کر گئے جس سے خطرناک صورت پیدا ہو گئی۔ اور وہ سب کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ حضرت مہتمم صاحب قدس سرہ کے بعض ناعاقبت اندیش مشیروں نے حضرت مہتمم صاحب قدس سرہ سے مجلس شوریٰ کو برخاست کرنے کا اعلان کرا دیا گیا، اور پھر نمائندہ اجلاس بلا کر ایڈھا ک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے نتیجے میں مجلس شوریٰ کی طرف سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ (جنہوں نے ساٹھ سال دارالعلوم کا اہتمام سنبھالا اور اپنی ساٹھ سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ دارالعلوم کے لئے قربان کر کے دارالعلوم کو ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچایا) کی دارالعلوم سے سبکدوشی عمل میں آئی، اور حضرت مہتمم صاحب قدس سرہ صبر و رضا کی مجسم تصویر بنے رہے اور ان کی زبان سے کبھی کوئی نازیبا کلمہ نہیں سنا گیا۔ یہ سب وہ دلخراش حالات ہیں جو پیش آئے جن کو بیان کرنے کی زبان میں طاقت نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔

”فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ“

اختلاف مظاہر علوم سہارن پور

شویٰ قسمت کہ دارالعلوم کے اختلاف و انتشار کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ مظاہر علوم میں حضرات سرپرستان اور حضرت ناظم صاحب قدس سرہ کے درمیان

سخت اختلاف رونما ہوا، جس میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔ مظاہر علوم سہارن پور کے سانحہ عظیمہ کا بنیادی سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات سرپرستان مظاہر علوم سہارن پور مدرسہ مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ کا رجسٹریشن کرانا ضروری سمجھتے تھے بلکہ اس کی تحریک حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب قدس سرہ ناظم مدرسہ فرما چکے تھے اور اس کے قوی دلائل ان حضرات کے سامنے تھے۔ اور اسی میں مدرسہ کی حفاظت سمجھتے تھے۔ بہت سے وکلاء، قانون داں حضرات کی آراء بھی ان کے سامنے تھیں کہ رجسٹریشن سے نہ وقف متاثر ہوتا ہے نہ اور کوئی نقصان ہوتا ہے۔ وقف برابر وقف رہتا ہے بلکہ اور قوی ہو جاتا ہے اور بدخواہوں کے خرد برد کرنے کے بداراؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ شہری لوگوں کی ماضی کی تاریخ بھی ان کے سامنے تھی کہ مدرسہ مظاہر علوم پر اپنا تسلط جمانے کی کتنی کوشش انھوں نے کی۔ اور ناکامی کی صورت میں مدرسہ مظاہر علوم کے بالمقابل دوسرے مدرسے کی داغ بیل بھی ڈالی۔ مگر اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اللہ نے ان کو ناکام بنایا اور مظاہر علوم محفوظ رہا جن کی بناء پر سرپرستان مدرسہ نے رجسٹریشن کرانا ضروری خیال فرما کر رجسٹریشن کرا لیا۔

دوسری جانب حضرت مولانا الحاج المفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ گو شروع میں رجسٹریشن کرانے کے مسئلہ میں حضرات سرپرستان کے ساتھ تھے مگر بعد میں ان کی رائے بدل گئی اور موصوف رجسٹریشن کو مدرسہ کے حق میں مضر سمجھنے لگے اور ان کو بتایا گیا کہ اس سے وقف وقف نہ رہے گا، خرد برد ہو جائے گا، اور مدرسہ کی تمام املاک مجلس شوریٰ کی ملک ہو جائے گی، اس لئے انھوں نے حضرات سرپرستان کی رائے سے اختلاف کیا اور جس چیز کو وہ مدرسہ کے حق میں مضریقین کرتے تھے اس سے اختلاف کرنا مقتضائے تقویٰ و دیانت تھا۔

اس لئے احقر کی رائے میں مابہ الاختلاف (کہ رجسٹریشن مفید ہے یا مضر) مسئلہ کو باہمی گفتگو سے وکلاء وقانون داں حضرات سے تحقیق و تفتیش کے ذریعہ حل کرنا چاہئے تھا۔ اگر رجسٹریشن کا مضر ہونا متفقہ طور پر یا وکلاء ماہرین کی کثرت رائے سے معلوم ہو جاتا تو شاید حضرات سرپرستان میں سے کوئی بھی رجسٹریشن کی حمایت نہ کرتا اور اگر مفید یا کم از کم غیر مضر ہونا معلوم ہو جاتا تو حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ کے تقویٰ و دیانت کا تقاضا تھا کہ اپنی رائے سے رجوع فرمالیتے۔ اور پھر مجلس شوریٰ کی رائے سے اتفاق فرمالیتے اور نزاع ختم ہو جاتا۔

مگر شہر کے وہ حضرات جو پہلے سے خاندانی رقابت کی بناء پر مدرسہ پر اپنا تسلط چاہتے تھے اور متعدد بار ماضی میں اس کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے تھے اس اختلاف سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ کے سامنے اس طرح کی چیزیں انھوں نے رکھیں کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اپنے منصب کے برخلاف مجلس سرپرستان کو معطل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں مدرسہ و حصوں میں تقسیم ہر کر مقدمات کا لامتناہی سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اور پھر یہاں بھی اختلاف رائے کے حدود و آداب کو برطرف کر کے وہ سب کچھ ہوا کہ:

اگر گویم زباں سوزد

[گر بیان کروں زبان جل جائے۔]

جمیۃ العلماء کا اختلاف

دونوں مرکزی اداروں دارالعلوم، مظاہر علوم کا اختلاف چل ہی رہا تھا اور دونوں اداروں میں مصالحت کی تمام تر کوششیں ناکام ہو چکی تھیں، اسی دوران فدائے ملت

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا، جس کی وجہ سے جمعیت علماء ہند کی صدارت و نظامت کے انتخاب کے سلسلہ میں جمعیت علماء ہند کے اراکین میں شدید اختلاف ہوا، اور مصالحت کی تمام تر کوششیں یہاں بھی ناکام ہو کر ہندوستانی مسلمانوں کی یہ عظیم ملی تنظیم بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، مقدمات کا لانتنا ہی سلسلہ شروع ہو گیا، اور ساتھ ساتھ ہر دو طرف کے اکابر و مشائخ پر کچڑا چھالا جانے لگا، بہتان بازی و الزام تراشی شروع ہو گئی، ہر فریق دوسرے فریق کو امریکی، اسرائیلی ایجنٹ تک کہنے سے نہیں چو کے، اور بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہر علاقہ میں ہر بستی اور ہر شہر میں ارباب مدارس اور حضرات ائمہ مساجد دو حصوں میں تقسیم ہو کر آ منے سامنے ہو گئے، اور آپس میں سخت منافرت پیدا ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ دونوں اداروں دارالعلوم و مظاہر علوم اور جمعیت العلماء کا یکے بعد دیگرے یہ اختلاف جنگ جمل و صفین سے بڑھ کر نہیں تھا، نہ ماضی میں علماء حق کے دیگر اختلافات سے بڑھ کر تھا مگر فرق یہی ہوا کہ پہلے ان اختلافات میں آداب و حدود کو بھی سامنے رکھا جاتا تھا، اور یہاں ان آداب و حدود کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اور علماء حق کا وہ گروہ جو ہر وقت ترویج سنت، اشاعت دین میں سرگرم عمل رہتا تھا اور بدعات و خرافات اور رسومات و بددینی، کفر و الحاد اور دیگر باطل فرقوں، قوتوں، تنظیموں کے مقابل صف آراء رہتا تھا، آپس میں الجھ بیٹھا اور شرعی حدود و آداب کو پامال و نظر انداز کرنے کا جو نتیجہ ہوتا ہے ہو کر رہا۔ اہل علم کی عظمت و عقیدت بھی عوام کے دلوں سے رخصت ہوئی اور امت کا وہ نقصان ہوا جس کی تلافی مدت دراز میں بھی شاید بدشوار ہو سکے۔ بہت سے سادہ لوح عوام اس کشمکش میں مبتلا ہوئے کہ ہم کیا

کریں، کس کا ساتھ دیں کس کا ساتھ نہ دیں۔ عوام تو پھر کالا انعام، وہ اختلاف کے آداب و حدود سے واقف ہی کہاں، جس کا ساتھ دیا اس کو عرش پر جا بٹھایا اور دوسرے فریق کی تذلیل و توہین اور تفسیق تک سے گریز نہ کیا اور علماء و مشائخ کی تذلیل و توہین کر کے خسارہ عظیم حاصل کیا۔ دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی کا سامان کیا۔ اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عوام کے لئے طریقہ عمل کہ علماء میں اختلاف ہو تو عوام کیا کریں، بیان کر دیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کا مضمون ”وحدت امت“ سے اور قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کے مضمون ”الاعتدال“ سے ملخص کر کے نقل کرتا ہوں۔

علماء میں اختلاف ہو تو عوام کیا کریں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں۔ سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے کیا کریں، اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کا جواب اپنے گرد و پیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔

ایک صاحب بیمار ہوئے۔ ڈاکٹروں یا حکیموں کی آراء میں تشخیص و تجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں۔ یہی ناکہ وہ ان ڈاکٹروں، حکیموں کی

ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کے لئے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں۔ اس کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتے ہیں مگر دوسرے ڈاکٹروں، حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑ دو۔ اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو کیا یہی طرزِ عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے۔

ایک مثال اور لیجئے۔ آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ طلب کیا۔ ان میں اختلاف رائے ہوا تو کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے، یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے۔ خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے وہ کرے، بلکہ ہوتا یہی ہے کہ مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کونسا وکیل اچھا جاننے والا اور قابلِ اعتماد ہے اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے۔ اور دوسرے وکیل کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا، برا بھلا نہیں کہتا اس سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلاف علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالہ کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے وہ ضرور آپ کو پہنچے گا مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دیدیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں بلکہ فتویٰ دینے والے کے سر

ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق و جستجو کے ذریعہ معلوم کیا جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں۔ اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے قول پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے۔ اگر اس نے غلط بھی بتا دیا ہے تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں۔ ہاں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم بی بی ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفا یاب ہوتے ہیں مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے، کرتے اور ڈاڑھی کو زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنالیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں۔ اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔ (وحدت امت ص ۴۹)

اس لئے علماء میں بھی اس کی تعلیم کے ساتھ اس کی زندگی بھی دیکھیں کہ کس کی زندگی سنت کے مطابق زیادہ ہے کس کی کم، کس میں دنیا کی طمع ہے اور کون آخرت کی طرف زیادہ راغب ہے۔ اس سے تعلق رکھنے والوں کو بھی دیکھیں کہ ان میں بھی دینداری، خوف خدا، اتباع سنت، آخرت کی رغبت ہے یا نہیں۔ ان سب چیزوں میں غور و فکر کرنے کے بعد جس پر اعتماد زیادہ ہو اس کا اتباع کریں۔ مگر احترام دوسرے علماء کا بھی لازم اور ضروری ہے۔ نہ یہ کہ دوسرے علماء کی شان میں گستاخیاں کرنے لگیں کہ یہ انتہائی خطرناک ہے۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر ہو رہا ہے۔ کہ اپنے مخالف عالم کو فاسق و فاجر تک کہنے سے نہیں چوکتے بلکہ اب تو اس کے ایمان تک پر حملے کئے جاتے ہیں۔ ”فَاللّٰهُ الْمُمَشْتَكِي“

قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ تحریر

فرماتے ہیں:

”عوام نے مسائل میں رائے زنی کو خواہ مخواہ اپنا مشغلہ بنا لیا۔ ان کو اہل علم کے اختلاف میں حکم بننے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے علمی ابحاث، ان کے علمی دلائل سمجھنے کی اہلیت نہیں۔ لیکن ان میں محاکمہ اور فیصلے یہ حضرات فرمانے لگے حالانکہ ان کا کام یہ تھا کہ علمائے حق میں سے جس کے ساتھ حسن عقیدت ہو تجربہ سے اس کا دیندار تجربہ کار ہونا اور اللہ والا ہونا ثابت ہو چکا ہو اس کا اتباع کرتے لیکن یہ تو جب ہوتا جب عمل مقصود ہوتا۔ یہاں مقصود ہی نزاع ہے۔ اس جلسہ اور اس تقریر میں ان کو لطف بھی نہیں آتا جس میں دوسروں پر سب و شتم نہ ہو۔ دوسروں پر تنقید نہ ہو، دوسروں کی پگڑیاں نہ اچھالی جاتی ہوں، جس جلسہ میں سیدھی سیدھی دین کی باتیں بیان کی جائیں وہ جلسہ نہایت پھیکا اور بے مزہ ہے۔ وہ وعظ ہی نہیں تقریر جانتا ہی نہیں۔ ماہر تقریر وہی ہے جو مخالفین کو کھری کھری سنائے۔“ (الاعتدال)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

”حالانکہ اتباع کا منصب یہ تھا کہ علمائے حق میں سے جس سے عقیدت ہو اس کا عالم باعمل ہونا محقق ہو جائے اس کے ارشادات پر عمل ہو لیکن ہم لوگوں میں باجود ادعائے محبت و عقیدت عمل تو ندارد ہے ساری محبت کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے بڑوں کی حمایت میں

دوسروں کے بڑوں کو گالیاں دیں۔ کلام اللہ شریف میں جس کی تعلیم مسلمان کا ایمان ہے وہ تو اس بارے میں اتنا سخت کہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورۃ انعام: ع ۱۳) ارشاد ہے کہ تم گالیاں نہ دو ان (معبودوں) کو جن کو یہ مشرک اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر پکارتے ہیں۔ (اور عبادت کرتے ہیں کیونکہ تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ لوگ بوجہ جہل کے حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

قرآن پاک تو دوسروں کے بتوں کو گالیاں دینے کی بھی ممانعت کرتا ہے لیکن اس کے اتباع کے دعویداروں کا یہ عمل کہ ان کا کوئی جلسہ، کوئی جلوس بھی دوسروں کی بربادی کے نعروں سے ان کے اکابر پر سب و شتم سے خالی نہیں ہوتا۔ آج کل ہر جماعت کا معظم عمل بجائے اپنی تعمیر اپنی تقویت اور عمل کی تدابیر کے دوسروں کی تخریب، ان کو گالیاں دینا، مردہ باد کے نعرے لگانا بن گیا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس کی شکایت بھی ہر فریق کو ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے۔ برباد ہو گئے، خود ہی ہر فریق دوسرے مسلمانوں کی بربادی کی دعائیں کرتا ہے اور خود ہی اس کا رونا روتا ہے کہ مسلمان برباد ہو گئے۔“ فاللہ المستعان۔ (الاعتدال: ۲۱۳)

بزرگوں کی شان میں گستاخی کا وبال

چہ جائیکہ اولیاء اللہ کو گالیاں دینا، برا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑنا ہے کسی کا کیا نقصان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ“ (مشکوٰۃ، بخاری وغیرہ)

[جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے اس

کو اعلان جنگ ہے۔]

تم خود سمجھ لو کہ اللہ جل جلالہ سے لڑائی کر کے دنیا میں کون شخص فلاح پاسکتا ہے اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

اور یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کو ستایا وہ میرے ساتھ لڑائی پر اتر آیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے اتر آیا۔ (فتح الباری)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے۔ (حاکم، مستدرک) ایک روایت میں ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں جیسے غضبناک شیر۔ (درمنثور)

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو اس کا بھلا ٹھکانہ کہاں اور پھر اگر اس کے معاوضہ میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک کان، آنکھ جاتے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہر حال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدا نخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے کسی بد دینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو۔ بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اور ان لوگوں کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

صاحب مظاہر حق نے بھی یہی لکھا ہے کہ اللہ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کیلئے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی مرغوب اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کتنی خطرناک چیز ہوگی۔

شیخ احمدؒ کا ارشاد

شیخ احمدؒ نے جامع الاصول میں لکھا ہے:

”ان حضرات صوفیاء پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں۔ بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف و اسرار کے حامل ہوں زہر قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے۔ بڑی سخت وعید اس بارے میں وارد ہوئی

ہے اور یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا (معاذ اللہ) اندیشہ ہے۔“
(الاعتدال: ۱۴)

ایک نصیحت

اس کے بعد حضرت شیخ المشائخ نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:
”بہر حال میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ مجھ سے تعلق نہ رکھیں۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ بھی ہمیشہ اس کی خصوصیت سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔“
(حوالہ بالا)

امام ابو تراب بخشی کا ارشاد

علامہ شعرائی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو تراب بخشیؒ کو جو مشائخ صوفیہ میں ہیں یہ فرماتے ہیں: کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ ۷

جوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پا کاں برد
[جب اللہ تعالیٰ کیس کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے اس کا میلان نیک لوگوں پر
اعتراض کرنے میں کر دیتا ہے۔] (الاعتدال: ۱۷)

شیخ علی خواص کا ارشاد

حضرت شیخ علی خواص جو مشہور اولیاء میں ہیں فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس
چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علماء یا مشائخ صوفیہ
پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہ
حفاظت سے گرجاؤ گے اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہو گے۔ (طبقات کبریٰ)

اولیاء اللہ کی محبت

شیخ ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے
زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت
ہے۔ (نزہۃ البسائین)

اس لئے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت
اور تعلق پیدا کر سکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا۔ امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کرو گے۔

نصیحت گوش کن جانان کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعاد منند پند پیر دانا را!

[میرے دوست نصیحت کو سن اس لئے کہ سعادت مند جوان پیردانا کی نصیحت کو بہت زیادہ دوست رکھتے ہیں۔]
اہل اللہ سے جتنا تعلق اور محبت پیدا ہو سکے وہ اکسیر ہے دونوں جہاں میں کام آنے والی چیز ہے۔

دست در دامن مرداں زن و اندیشہ مکن
ہر کہ بانوح نشیند چہ غم از طوفانش
[نیک لوگوں کا دامن پکڑ لے اور اندیشہ مت کر اس لئے کہ جو شخص حضرت نوحؑ کے ساتھ بیٹھ جائے اس کو طوفان سے کیا غم ہے۔] (الاعتدال: ۹)

علمائے حق کی اہانت

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

”البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علمائے حق کے درپے آزار ہیں ان کی اہانت و تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں وہ غالباً بلکہ یقیناً علماء کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیاوی متاع میں شاید نقصان پہونچا سکیں بشرطیکہ وہ مقدر میں کچھ کمی کر سکنے پر قادر ہوں یا دنیوی عزت و جاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے نقصان پہونچا سکیں گے مگر یہ لوگ اپنے کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی نقصان کر رہے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”وہ

شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔“ (ترغیب)

اس ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد علمائے کرام کو علی العموم گالیاں دینے والے برا بھلا کہنے والے اپنے کو امت محمدیہ میں شمار کرتے ہیں لیکن صاحب امت ان کو اپنی امت میں شمار کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ہلکا (اور ذلیل) نہیں سمجھ سکتا۔ ایک وہ شخص جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا ہو، دوسرے اہل علم، تیسرے منصف بادشاہ (ترغیب) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”أَغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا أَوْ مُجِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكُ“ (مقاصد حسنہ جامع) [کہ تو یا عالم بن یا طالب علم یا علم کا سننے والا یا (علم اور علماء) سے محبت رکھنے والا بن، پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا، ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔] حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا۔

حُفَظَ اور علماء کا مقام

ایک حدیث میں وارد ہے:

حَمَلَةُ الْقُرْآنِ عُرَفَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ الطبرانی)
[قرآن شریف کے حاملین یعنی (حفاظ اور علماء) قیامت کے دن جنت

والوں کے چودھری ہوں گے۔]

دوسری حدیث میں وارد ہے:

”حَمَلَةُ الْقُرْآنِ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ فَمَنْ عَادَاهُمْ عَادَى اللَّهَ وَمَنْ

وَالَاَهُمْ فَقَدْ وَالَى اللَّهَ“ (رواہ الدیلمی)

[حاملین قرآن اللہ کے ولی ہیں جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ سے

دشمنی کرتا ہے اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ سے دوستی کرتا ہے۔]

امام اعظم کا ارشاد

خطیب بغدادی نے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر

فقہاء (علماء) اللہ کے ولی نہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جس

شخص نے کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائی اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

اذیت پہنچائی اور جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی اس

نے اللہ جل شانہ کو اذیت پہنچائی۔

علماء کی غیبت

حافظ ابوالقاسم بن عساکرؒ فرماتے ہیں:

”علماء کے گوشت یعنی غیبت نہایت زہریلے ہیں اور ان کی

شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے اس کے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔“
(الاعتدال: ۱۵۰)

علماء سے بغض

فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں کثرت سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ علم سے اور علماء سے بغض و نفرت سخت اندیشہ ناک ہے۔ فتاویٰ عالمگیر یہ میں نصاب سے نقل کیا ہے:

مَنْ أَبْغَضَ عَالِمًا مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ۔
[جو شخص کسی عالم سے بلا کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔]

ظاہری سبب سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی وجہ اور دلیل اس بات کی ہو تو مضائقہ نہیں ہے لیکن بلا کسی شرعی وجہ کے ایسا کرنا سخت اندیشہ ناک ہے ایسی صورت میں کہ جب اندیشہ ناک صورت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے کیا ضروری نہیں کہ ہر شخص اس چیز میں خصوصی احتیاط برتے۔ کسی عالم کے قول کو رد کرنے کا حق ضرور حاصل ہے اس کی تردید ضرور کی جاسکتی ہے مگر جب ہی جب اس کے قول کے بالمقابل تردید کا شرعی سامان موجود ہو اس کے قول کے خلاف نصوص شرعیہ موجود ہوں اور رد کرنے والا

نصوص سے استدلال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو یہ میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ عالم جو بھی کہدے وہ صحیح ہے اور اس کے قول پر رد اور انکار نہ کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کے قول پر رد نہ کیا جاسکے یا اس کے اقوال و افعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو بے شک ہے اور ضرور ہے لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے بھی شریعت مطہرہ میں حدود قائم ہیں اس کے درجات ہیں اس کے قواعد اور آداب ہیں تاوقتیکہ ان سے واقفیت نہ ہو رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے۔ (الاعتدال ص ۱۵۴)

ادنیٰ مومن کی دل آزاری

بلکہ ہر ادنیٰ مومن کی دل آزاری اور ایذا دہی سے اپنے کو بچائیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ نور اللہ مرقدہ کا مقولہ ہے:

”کسی ادنیٰ مومن کی دل آزاری بھی بڑے سے بڑے عمل کو

بے رونق بنا دیتی ہے۔“

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کا یہ مقولہ فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ بہت کثرت سے سنایا کرتے تھے اور اس مقولہ کو سناتے ہوئے آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور جب ادنیٰ مومن کی دل آزاری کا یہ حال ہے تو علماء کرام اور اکابر اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی اور ان کی دل آزاری کا کیا حال ہوگا۔ باطنی اور روحانی ترقیات سے محروم کر دینا، تو اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے جس کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔

حضرت مدنی کی شان میں گستاخی کا وبال

فقہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ سفر میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ٹرین میں کچھ لیگیوں نے گستاخیاں کیں، ڈاڑھی میں شراب ڈالی۔ حضرت مدنی نے کچھ نہیں فرمایا اور ساتھیوں سے بھی فرما دیا خبردار! کوئی کچھ نہ کہے۔ کر لینے دوان کو جو انکے جی میں ہے۔ ایک شخص نے حضرت قدس سرہ کی ٹوپی اتار کر پیروں میں روندی اور حضرت قدس سرہ کے سامنے ننگا ہو کر ناچا۔ حضرت قدس سرہ نے کچھ نہیں فرمایا۔ مگر زیادہ وقت نہیں گزرا کہ مخالفوں نے اس کے گھر چھاپا مارا اور اس کے سامنے اس کی گھر کی عورتوں کو ننگا کر کے نچایا۔ وہ شخص کہتا تھا کہ میں سمجھ گیا کہ یہ اسی کی سزا ہے۔

”أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ“

ایک عورت کو جانکنی کی تکلیف

سہارنپور میں ایک عورت حضرت اقدس مدنی اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہما کو برا کہا کرتی تھی۔ انتقال کا وقت آیا بے چینی اور پریشانی میں تین روز گزر گئے۔ روح نہیں نکلتی، کچھ حصہ کی روح نکل گئی باقی حصہ کی نہیں نکلتی۔ کسی کو خیال ہوا اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ سے آکر اس کی طرف سے صورت حال بتا کر معافی طلب کی۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔ میری طرف سے بھی معاف، حضرت مدنی کی طرف سے بھی معاف۔ ابھی یہ شخص واپس نہیں پہنچا کہ اس کی مشکل آسان ہو گئی۔ (روح نکل گئی)

بھاگل پور میں گستاخی کرنے والے کا انجام

حضرت مولانا مدنی بھاگل پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ حاجی ایوب صاحب چلمل کے توسط سے ایک نابینا آیا اور یوں عرض حال کرنے لگا: حضرت آپ جب مسلم لیگ کے دور میں تشریف لائے تھے میں ہی وہ شخص تھا جس نے کالی جھنڈی دکھائی تھی اور گالیاں دی تھی، اور پتھر پھینکے تھے۔ میں ابھی راستہ سے بھی نہ لوٹا تھا کہ میری دونوں آنکھیں ضائع ہو گئی تھیں۔ توبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے کوئی شخص دھکا دے کر نکال رہا ہے۔ حضرت میری دنیا تو برباد ہو گئی، اب آخرت کے لئے دعا کر دیجئے میں نے جو کچھ قصور کیا ہے اسے معاف کر دیجئے۔

انداز بیان ایسا تھا کہ تمام حاضرین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے بڑی شفقت سے پاس بٹھایا اور تمام حاضرین نے مل کر اس کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ (الجمعۃ شیخ الاسلام نمبر: ۱۵۰)

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات

۶/ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ عشاء کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سفر پنجاب اور اس میں لیگی حملوں اور بدتمیزیوں کا ذکر ہوا، جالندھر سے آنے والے حضرات نے بیان کیا کہ جب حضرت مدنی کی گاڑی جالندھر پہنچی تو لیگی گارڈ نے لیگیوں کو بتایا کہ آپ کے ساتھ امرتسر میں لیگیوں نے بدتمیزی کی ہے۔ لاہور میں بھی ایسا ہوا ہے، تم بھی کچھ کر لو چنانچہ لیگ کے ذمہ دار

مقامی لوگوں نے ہر طرح کی بدتمیزیوں اور پاجیانہ حرکات کے علاوہ یہ بھی کیا کہ مولانا کے ڈبے کے سامنے بالکل برہنہ ہو کر ناچے۔ ”انا لله وانا اليه راجعون“ حضرت والا (رائے پوری) نے میر صاحب صوفی عبدالحمید خان صاحب کو خصوصیت سے مخاطب کر کے فرمایا: کہ جو لوگ ایسی حرکات کے باوجود واقعات کو محض پروپیگنڈہ کہہ کر ٹلاتے ہیں، وہ اس ظلم سے بھی زیادہ ظلم کرتے ہیں جو اصل مظاہرین نے کیا۔..... حضرت مدنی کے ہاں میں نے کبھی نہیں سنا کہ حضرت نے مسلمانوں کی طرف سے ستائے جانے کی شکایت کی ہو۔ ایک مضمون میں عربی الفاظ تو ضرور فرمائے جن کا مطلب یہ ہے کہ میرا شکوہ اللہ کے سامنے ہے۔ ”انما اشکوا بشی وحزنی الی اللہ“ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی حرکات کرنے والی قوم کو اپنے کرتوت کا بھگتان بھگتنا پڑے گا۔

نیز فرمایا: کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلاف خیال نہ رکھو۔ جس کو اپنا اور مسلمانوں کا مفاد یا انتداری سے جس چیز اور مسلک سیاسی میں نظر آتا ہے وہ اپنے خیالات وہ رکھے مگر یہ حملے ہلڑ بازیاں، سب و شتم تو انسانیت سے گری ہوئی اور شرمناک بات ہے یہ نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت مدنی کے متعلق حضرت والا (رائے پوری) نے اس رات کی محفل میں ایک موقع پر یہ بھی فرمایا تھا: کہ ایک دفعہ حضرت مدنی نے کچھ مسودہ تنہائی میں لکھنا تھا۔ اس کے لئے بجنور تشریف لے گئے، وہاں کے ایک معتقد نے عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ کی مدافعت کے لئے پانچ ہزار رضا کار بھرتی کئے ہیں، اور دس ہزار اور کروں گا۔ تو حضرت نے متاثر ہو کر ہاتھ سے قلم ڈال دیا اور فرمایا: کہ کیا تم مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑانے کے لئے ایسا کرو گے، یہ مجھے ہرگز پسند نہیں، خواہ مجھ پر کیسے ہی حملے کیوں نہ ہوں۔ تم پندرہ ہزار بھرتی کرو گے۔ وہ بیس ہزار کریں گے اور اس

طرح مسلمان مسلمان سے لڑیں گے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور مجھے یہ ہرگز پسند نہیں۔
حضرت والا (رائے پورئی) نے فرمایا: کہ خواہ کوئی راضی رہے یا ناراض رہے ہم تو
اپنے بزرگوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ اپنا پرانا قاعدہ ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دینے کا وبال

ایک صاحب حضرت کو ایسی فحش گالیاں دیا کرتے تھے کہ دل لرز نے لگتا تھا،
قدرت نے ان سے انتقام لیا اور ان کے چہرے پر اس طرح آبلے پڑے کہ تمام منہ
سوج گیا اور بالکل توڑے کی طرح سیاہ ہو گیا۔ طبیب ہونے کے باوجود اپنے سیاہ
چہرے کو درسِ عبرت بنائے ہوئے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ مجھے مولانا مدنی کو
گالیاں دینے کی سزا ملی ہے۔ (انفاسِ قدسیہ)

گستاخانہ لب و لہجہ کا نتیجہ

۴۷ھ رمضان المبارک کے موقع پر ٹانڈہ میں تراویح کے دوران ایک صاحب
حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت بھونڈے لب و لہجہ میں بکثرت لقمہ دیا کرتے تھے،
انداز کچھ ایسا تھا کہ حاضرین کو انتہائی ناگوار ہوتا تھا؛ لیکن حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ
کے خوف سے کوئی شخص کچھ کہہ نہیں سکتا تھا، آخر کار ایک دن جب انہیں خون کی قے
ہوئی تو انہیں بھی احساس ہوا کہ یہ ان کی بیہودگی کا نتیجہ ہے۔ (انفاسِ قدسیہ)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کے بعد مظفرنگر کے ایک سیاسی جلسہ
میں ایک بہت بڑے معزز لیڈر نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: ”اب وہ دن گزر گئے
کہ مولانا مدنی پلاؤ کھایا کرتے تھے اب ان کے حصے کا پلاؤ ہم کھائیں گے۔“ اللہ

تعالیٰ کی شان کہ کچھ دنوں بعد پلاؤ کی دیکیں تیار ہو گئیں، مقرر موصوف نہایت اطمینان کے ساتھ پلاؤ کھانے کی میز پر پہنچے، ابھی پہلا ہی چمچ منہ میں ڈالنے کے ارادہ سے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک ظالم کی گولی کا نشانہ بن گئے، نہ خود کھا سکے، نہ یا رانِ محفل کھا سکے، بلکہ دیکیں بھی لوٹ لی گئیں۔ سچ فرمایا: ے

تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ

”انا لله وانا اليه راجعون۔“

اولیاء اللہ کی اہاندین و دنیا کا خطرہ ہے

ایک صاحب کو حضرت تھانویؒ نے کوئی بات ان کی طبیعت کے خلاف کہی تھی، تھانہ بھون سے واپس جا کر خط میں لکھا کہ آپ نے میری سخت اہانت کی ہے اگر علم کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں اس کا انتقام لیتا۔

اس کے بعد پھر اس کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا: کہ جس روز سے میں نے وہ کلمات آپ کو لکھے ہیں اسی روز سے میری بینائی گھٹنی شروع ہو گئی اور روز گھٹتی جا رہی ہے۔ خوف ہے کہ اندھانہ ہو جاؤں، خدا کے لئے معاف فرمادیں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا: ”میں نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔“

ظالم عذاب الہی کے شکنجے میں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اپنے شیخ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی نور اللہ مرقدہ کے حالات میں لکھتے ہیں: ایک مہندس نے آپ

(سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی نور اللہ مرقدہ) کے قرب میں ایک مکان تعمیر کیا، اور اس میں ایک غرفہ رکھا کہ جس سے حضرت کے دولت خانہ کی بے پردگی ہوتی تھی، اور انواع و اقسام کے ظلم و جبر خدمت شریف میں کرتا تھا اور آپ کی طرف سے اپنے دل میں عناد رکھتا تھا، حضرت نے ایک شخص کے ذریعہ سے کلمۃ الخیر تبلیغ فرمایا، لیکن اس نے کچھ خیال نہ کیا، بلکہ کلمات بے ہودہ زبان پر لایا، لوگوں نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا اور اکثر احباب کی رائے ہوئی کہ حاکم وقت کے ہاں استغاثہ کیا جائے، بجواب اس کے حضرت ایشاں نے ارشاد فرمایا: کہ میرا استغاثہ حاکم حقیقی کے ہاں ہے، حکام مجازی کے آگے درخواست کرنا درست نہیں ہے، ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ تیغ برہنہ اہل چشت نے اس پر گزر کیا اور باوجود اعزازِ بلیغ و اعتبارِ عظیم بلاوجہ ظاہری اپنے منصب و عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا اور ایسی ذلت و خواری میں مبتلا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نہ دکھائے۔ (شہنام امدادیہ: ۲۵/۲۶)

وہابیت کا طعنہ دینے والے کی عبرتناک موت

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کانپور میں قیام کے زمانے میں ایک دفعہ ایک آدمی کے پاس مسجد کے لئے چندہ کی غرض سے گئے وہ علاقہ بدعات و رسومات میں جکڑا ہوا تھا، حضرت مجدد تھانوی نور اللہ مرقدہ داعیانہ انداز میں اس کو بدعات و رسومات کی آلودگیوں سے پاک کرنے میں کوشاں تھے، اس آدمی نے جواب دیا کہ ہم وہابیوں کو چندہ نہیں دیتے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ حسب طبیعت بغیر قیل و قال واپس آ گئے۔ دوسرے دن وہ آدمی حضرت تھانوی کے پاس رقم لے کر پہنچا۔ حضرت تھانوی نے فرمایا: کہ جو ضرورت تھی وہ پوری ہو گئی اب کسی

چندے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس آدمی نے اصرار کیا کہ آپ کو جتنا چندہ چاہئے آپ مجھ سے لے لیں۔ حضرت تھانویؒ نے پھر فرمایا: کہ اب ہمیں قطعاً کسی چندے کی ضرورت نہیں۔ وہ آدمی پریشان ہو گیا، رونے لگا اور کہا کہ کل رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہایت درشت لہجے میں ڈانٹ کر فرما رہے ہیں کہ تو نے جامع مسجد کے لئے چندہ کیوں نہیں دیا؟ جب سے یہ خواب دیکھا مجھے چین نہیں آ رہا، آپ یہ چندہ قبول کر لیں، حضرت تھانویؒ نے فرمایا: کہ بھئی! چندے کی ضرورت جس کام کے لئے پیش آئی تھی وہ کام ہو گیا ہے، مسجد کے لئے اب فی الوقت کسی چندے کی ضرورت نہیں، اس آدمی نے انتہائی کرب و الم میں رونا چلانا شروع کیا، حضرت تھانویؒ کی طرف سے بار بار انکار اور معذرت کے بعد وہ شخص گھر چلا گیا اور تین دن تک مسلسل روتا رہا اور تیسرے روز اس طرح روتا ہوا انتقال کر گیا۔ (معارف سلطان)

استاد کے گستاخ کا علم سلب ہو گیا

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: مقبولانِ الہی یا اپنے محسن کی شان میں جو گستاخ ہوتا ہے اس کی عقل مسخ ہو جاتی ہے۔ مولوی اسحاق صاحب کے ایک شاگرد طالب علم ان کی شان میں گستاخ تھے، ایک شخص نے کہا: کہ تم شاگرد ہو وہ تو تمہارے محسن ہیں، تمہیں ایسا نہ کرنا چاہئے، اس نے جواب دیا کہ محسن تو جب ہیں جب مجھے ان کا پڑھایا ہو یا درہا ہو مجھے کچھ یاد نہیں۔ پھر حضرت والا نے فرمایا: کہ ادھر اس نے گستاخی کی ادھر سلب ہونا شروع ہو گیا۔ (احسن العزیز: ۲/۲۶)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَغَضَبِ حَبِيْبِكَ (صلی
 اللہ علیہ وسلم) وَغَضَبِ اَوْلِيَّائِكَ بِحُرْمَةِ حَبِيْبِكَ (صلی
 اللہ علیہ وسلم) وَبِحُرْمَةِ اَوْلِيَّائِكَ وَنَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ
 حَبِيْبِكَ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَحُبَّ اَوْلِيَّائِكَ بِحُرْمَةِ
 حَبِيْبِكَ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَبِحُرْمَةِ اَوْلِيَّائِكَ۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت
 التواب الرحيم۔ بحرمة حبیبك سيد المرسلین
 صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سيدنا
 ومولانا وحبیبنا محمد واله
 واصحابہ اجمعین
 الی یوم الدین
 آمین

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ
 مقیم حال چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند
 ۱۲/رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
 نظر ثانی: ۲۴/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ



ضمیمہ حدود اختلاف

اکابر دار العلوم دیوبند کے عبرت انگیز اور نصیحت آموز واقعات

یہ تمام تر واقعات ارواح ثلاثہ سے ماخوذ ہیں،
جو حکایات اولیاء کے نام سے مشہور ہے۔
حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولوی قدس سرہ کی تالیف ہے۔
جس پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے حواشی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، مولانا فخر الدین صاحبؒ مرزا مظہر جانِ جاناں صاحبؒ کی دعوت

ایک شخص نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ، مولانا فخر الدین صاحبؒ، مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی دعوت کی، تینوں کو ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا، دو پہر ڈھلے آیا اور ایک ایک ٹکے تینوں کے ہاتھ پر رکھ دیا اور یہ کہا کہ حضرت میں ایک کام کو چلا گیا تھا اور دعوت کا بالکل خیال نہ رہا، اب وقت نا کافی ہو گیا ہے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا اسلئے کھانے کے دام دئے گئے، مولانا فخر الدین صاحبؒ نے تو اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ بھائی یہ بھی تمہارا احسان ہے کیونکہ اگر ہم صبح سے اس وقت تک مزدوری کرتے تب ایک ٹکے کے مستحق ہوتے اور تم نے ہم کو آرام سے بٹھا کر ایک ٹکے دیدیا، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خاموشی کے ساتھ لے لیا اور کچھ نہ کہا، مگر مرزا صاحب ناخوش ہوئے اور یہ کہا کہ تو نے ان حضرات کا وقت ضائع کیا کیونکہ شاہ صاحب اس وقت تک حدیث پڑھاتے اور مولانا فخر الدین صاحب اپنے مریدوں کو فائدہ پہنچاتے اپنی نسبت کچھ نہیں کہتا کہ میں کیا کرتا مگر تو نے ان حضرات کو ان دینی خدمتوں سے روک دیا خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا، اسکے بعد تینوں حضرات اٹھ کر چلے آئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے تو اس قصہ کو بیان فرما کر یہ فرمایا: کہ مولانا فخر الدین صاحب کی بات بہت انکساری کی ہے اس سے چشتیت ٹپکتی ہے، اور حضرت نانوتویؒ نے فرمایا: کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بات بڑھی ہوئی ہے کہ ان کے نفس نے اصلا حرکت نہ کی، اور حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے

تھے: کہ مرزا صاحب کی بات بہت بڑھی ہوئی ہے عدل کا اقتضا یہی ہے کہ جو کچھ مرزا صاحب نے فرمایا۔

فائدہ: اس سے اپنے حضرات اکابر کا اختلاف مذاق اور اختلاف آراء نیز صبر و تحمل تواضع و عبدیت صاف ظاہر ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا تحمل

حضرت مرزا صاحب کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست و نزاکت طبع میں تھا ایک عورت تھی نہایت بد مزاج کج خلق منہ پھٹ۔ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اسکی بدزبانی و ایذا دہی پر صبر کرو گے تو تم کو نواز لیا جائیگا۔ حضرت نے فوراً پیام بھیج دیا اور اس سے نکاح کر لیا، وہ عورت اس درجہ تند خو بد خصلت سخت دل اور فحش گو تھی کہ الاماں حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولت خانہ تشریف لیجاتے اور وہ سڑی سڑی سنائی شروع کرتی چپکے بیٹھے سنتے رہتے زبان سے اف نہ نکالتے اندر گھلتے آخر واپس تشریف لے آتے تھے آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ جاؤ دروازہ پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرو اور پوچھو کوئی کار خدمت ہوا انجام دیا جائے بموجب ارشاد خادم آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا سلام پہنچا کر مزاج پرسی کرتا وہ نیک بخت بجائے جواب سلام گالیاں سناتی اور وہ مغالطات بکتی تھی کہ سننے والے شرماتے تھے مگر مرزا صاحب کی خادم کوتا کید تھی کہ دیکھو اہلیہ کی شان میں گستاخی نہ ہونے پائے کسی بات کا جواب مت دینا جو کچھ فرماویں سن لینا، ایک روز کوئی ولایتی خادم اس خدمت پر مامور ہوئے ہر چند اس کوتا کید تھی کہ جواب نہ دیا جائے مگر بیچارہ ضبط نہ کر سکا، جب دروازہ پر پہنچ کر حضرت کا سلام پہنچایا مزاج پرسی کی تو عورت

حدودِ اختلاف

۳۰۶

ضمیمہ

نے بکنا شروع کیا، پیر بنا بیٹھا ہے اسے یوں کروں اور وہیں کروں ہر چند کہ ولایتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک، پیر کو گالیاں نہ سن سکا اور کہا:

بس چپ رہ ورنہ گردن اڑا دوں گا اس جواب پر وہ نیک بخت اور آگ بگولہ ہو گئی اب لگی ہونے تو تو میں میں، غل کی آواز مرزا صاحب کے کان میں پہنچی تو گھبرا اٹھے اور جلدی سے ولایتی کو واپس بلا بھیجا اسکو بٹھایا اور فرمایا تم ناواقف ہو دوسرے خادم کو بھیجا وہ گالیاں سنکر واپس آ گیا، حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عورت کا شکر گزار اور احسان مند ہوں کہ اس کے باعث مجھے بہت نفع پہنچا ہے اور حقیقت میں اسکی شدائد اور سختیوں کو برداشت کرتے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہو گئے اور آپکا سب غیظ و غضب فرو ہو گیا تھا۔

فائدہ: خلاف مزاج باتوں کے سننے اور ان پر صبر کرنے کی صورت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کا اختلاف رائے

شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درمیان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو خواب میں دیکھنے کے متعلق اختلاف تھا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تو یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے اور دل گواہی دیدے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، خواہ کسی شکل میں دیکھے، اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا۔ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ یہ فرماتے تھے کہ جو صورت آپ کی واقعی تھی اگر اس میں بال برابر بھی تفاوت ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، مثلاً اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیس بال سفید تھے اور دیکھنے

حدود اختلاف

ضمیمہ

۳۰۷

والے نے اکیس دیکھے تو اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ اور اسکی دلیل یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں کوئی شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس سے حلیہ دریافت فرماتے اور بغیر اسکے تصدیق نہ فرماتے اور اس بارے میں دونوں بھائیوں میں تحریریں ہوئیں ہیں لیکن زبانی گفتگو کبھی نہیں ہوئی بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں اس کا تذکرہ بھی چھڑ گیا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگے تو شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بالکل خاموش سنتے رہتے تھے، اور اصلاً بولتے نہ تھے۔ کسی نے شاہ رفیع الدین صاحب سے کہا: کہ آپ شاہ صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہیں، ایک دفعہ دونوں بیٹھ کر زبانی گفتگو کیوں نہیں کر لیتے؟ تو شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا: کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس میاؤں کا جواب نہیں اگر شاہ صاحب نے یوں فرمایا: کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

فائدہ: اختلاف رائے کے باوجود کمال ادب اور کمال احترام کی شاندار مثال ہے۔

شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحاق کا اختلاف رائے

شاہ عبدالعزیز صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایک مرتبہ تشریف لے جاتے آپ کے متعلقین بھی آپ کے

۱۔ اس کا جواب یہ ہے ہو سکتا ہے کہ خاص ان صحابہ کا یہی مسلک ہوگا سب سے ایسا سوال منقول نہیں یا اس زمانہ کی استعداد کا یہی مقتضا ہو کہ تمثیل بعید نہ ہوتا ہو تو اس سے ضعیف الاستعداد کے لئے تمثیل بعید کا بطلان لازم نہیں آتا۔ (شت)

حدودِ اختلاف ۳۰۸ ضمیمہ

ساتھ جاتے اور وہاں جا کر فاتحہ پڑھتے فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرمادیتے، شاہ اسحاق صاحبؒ بھی آپ کے ہمراہ جاتے، لیکن جس وقت فاتحہ پڑھ لیتے تھے تو شاہ صاحبؒ شاہ اسحاق صاحبؒ سے فرماتے کہ میاں اسحاق بیٹھو گے یا جاؤ گے، اس پر شاہ اسحاق صاحبؒ فرماتے کہ حضور جاؤں گا اور یہ کہہ کر واپس تشریف لے آتے، یہ کبھی جلسہ میں شریک نہیں ہوئے، اور نہ شاہ صاحب نے ان کے عدم شرکت پر ان سے کبھی تعرض فرمایا۔

فائدہ: اختلاف رائے کے باوجود استاد و شاگرد کا باہم احترام و حسن ظن خوب ظاہر ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا انداز تربیت

شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا، آپ نے بعد وعظ اس سے کہا کہ ذرا اٹھہر جائیے، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے، خلوت میں بٹھا کر یوں فرمایا: کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں اور آپ اپنا پائجامہ دکھلانے کیلئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کہ خوب غور سے دیکھنا کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے، اس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا، البتہ میرے اندر ہے، مگر اس طریق سے آج تک مجھے کسی نے سمجھایا ہی نہیں تھا اب میں تائب ہوتا ہوں انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا، ہمارے اکابر کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے، نصیحت نہایت احترام سے کرتے ہیں، تشدد نہیں کرتے۔

فائدہ: نصیحت کرنے کا ادب معلوم ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ادب کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو اس کا اثر ہوتا ہے۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ

دورانِ وعظ آپ کو حرامی کہنا

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید صاحبؒ وعظ فرما رہے تھے اثناء وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو، آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا: کہ میاں تم نے غلط سنا ہے میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ پھلت اور خود دہلی میں ہنوز موجود ہیں اور یہ فرما کر پھر وعظ شروع فرمادیا۔

فائدہ: اپنے مخالف کی انتہائی سخت بات پر صبر کرنا اور خوبصورتی کے ساتھ اس کو دفع کرنا اپنے مخالف کے پیچھے نہ پڑنا وغیرہ آداب کا علم ہوا۔

بی چھکو کا واقعہ

اکبر شاہ (ثانی) بادشاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکو کہتے تھے یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انہوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا اس لئے بادشاہ بھی ان کا ادب کرتے تھے اور تمام شاہزادے اور شاہزادیاں بھی انکو بڑا مانتے تھے غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور یہ کو سننے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شاہزادوں

حدودِ اختلاف

۳۱۰

ضمیمہ

اور چند شہزادیوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسماعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں، اور اسکے لئے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا، جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا گیا اور جو شہزادے اور شہزادیاں اپنے ہم مذاق تھے ان کی بھی دعوت کی گئی اور جو شہزادے وغیرہ ان کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا اور اس عرصہ میں یہ کاروائی کی گئی کہ مولانا شہید کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھردیا گیا کہ اسماعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے، فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے، فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارہویں کو منع کرتا ہے، اور یہ کرتا ہے اور وہ کرتا ہے، جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیئے جو جلسہ منعقد کیا گیا سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے حضرت مولانا اسماعیل صاحب کو ذرا دیر ہو گئی اس پر اور ان کو موقع ملا اور انہوں نے بی چھکو سے کہا دیکھتے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا اس پر وہ اور بھی برہم ہو گئیں غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہنچے تو اس وقت یار لوگ بھی بی چھکو کو برہم کر چکے تھے، انکے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسماعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا: اھاہ! یہ آواز تو چھکوا ماں کی معلوم ہوتی ہے ماں! سلام۔ جب انہوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کا فور ہو گیا اور انہوں نے بڑوں کے قاعدے سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ادھر ادھر کی دوچار باتیں کر کے کہا کہ اسماعیل ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو مولانا نے اس پر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جائے، قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے وہ اس میں بھی ہو سکتی ہے باقی علیک کی تصریح نہ کرنا مصلحت سے ہوگا جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ بے ادب اور تشدد ہیں (شت)

فرمایا: کہ اماں میں منع نہیں کرتا، بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحتک کو منع کروں، انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا: کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے، بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں، میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سناتا ہوں، اس پر بی بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا: کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں، مولانا نے کہا: جی ہاں! چنانچہ وہ فرماتے ہیں، ”مَنْ أَحَدَثَ فِي دِينِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ اور حدیث پڑھ کر اس کی تفصیل فرمائی اور اس سے صحتک کی ممانعت ثابت فرمائی، بی بی چھکو نے جو یہ تقریر سنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی عورت کرے گی تو اس حرامزادی کی ناک، چٹیا کاٹ لوں گی، ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے، ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

فائدہ: اپنے مخالفین کی سازش کو حکمت اور نرمی کے ساتھ دفع کیا جاسکتا ہے۔

حملہ کرنے والے سے درگزر کرنا

مولانا اسماعیل شہیدؒ کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے اور کھڑے ہو کر وعظ فرماتے تھے اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آجایا کرتے تھے آپ حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسماعیل کو کسی طرح قتل کر دینا چاہئے، اس پر ایک بڑھے نے آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں ان کو قتل کروں گا

ایک روز مولانا شہید جامع مسجد کے بیچ کے درمیں وعظ فرما رہے تھے کہ اس بڑھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا، سو مولانا تو بیچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست کے لگی اور ان کا شانہ زخمی ہو گیا مولانا کے دوست اس بڑھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے، مولانا نے اس بڑھے کو چھڑایا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

فائدہ: اپنے سخت جانی دشمن اور قاتل سے بھی درگزر کرنے کا علم ہوا، ساتھ ساتھ دعوت و اصلاح کے جذبہ کا بھی علم ہوا۔

کمالِ تحمل

حضرت مولانا شہید پشاور میں قیام پذیر تھے اور اپنے گھوڑے پر کھڑے کر رہے تھے) حافظ دراز صاحب نے اسی حالت میں چند معقولی سوالات کئے جن کا جواب حضرت شہید نے نہایت سادگی اور متانت سے اسی وقت دیدیا، حافظ دراز صاحب شافی جوابات لے کر واپس ہونے لگے تو مولانا شہید نے فرمایا: کہ حافظ صاحب ایک سوال میرا بھی ہے۔ حافظ صاحب ٹھہر گئے اور مولانا کا سوال سنا اور جواب دیا، اس پر مولانا نے شبہ فرمایا اس کا جواب پھر حافظ صاحب نے دیا، مولانا نے اس پر پھر شبہ فرمایا، حافظ صاحب نے اس کا بھی جواب دیا، مولانا نے پھر تیسرے دفعہ خدشہ پیش فرمایا تو حافظ صاحب کو غصہ آ گیا اور طیش میں آ کر بجائے جواب کے غیر مہذب جھگڑا شروع کر دیا جس سے مولانا کی پگڑی زمین پر گر پڑی۔ مولانا نے اسی سادگی سے خاک آلود پگڑی اٹھا کر پھر سر پر رکھ لی۔ اور فرمایا: کہ حافظ صاحب میں نے تو آپ کے کتنے سوالات کے جواب عرض کئے مگر آپ تو ایک ہی سوال پر خفا ہو گئے۔

فائدہ: اتنی سختی پر صبر کرنا بلند حوصلہ کی بات ہے۔

گالی دینے والے کے ساتھ حسن سلوک

مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے بہت گہرے دوست تھے، اتفاق سے حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور مولوی رستم علی صاحب چاندنی چوک میں سے جا رہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع کیں۔ اس پر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آ گیا اور وہ تلوار نکال کر اس کے مارنے کو دوڑے۔ حضرت مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: کہ میاں رستم علی! کیا کرتے ہو وہ گالیاں بیجا نہیں دیتا، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ وہ بھی تو کہتا ہے کہ یہ بڑا بد دین ہے۔ جوئی نئی باتیں نکالتا ہے سو اس میں وہ کیا بیجا کہتا ہے؟ میری باتیں اس کے لئے تو واقعی نئی ہیں۔ علماء نے یہ باتیں ان بیچاروں کو کہاں سنائی ہیں۔ پھر اس کوئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔ اس کا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا اور اس روز سے حضرت مولانا شہیدؒ کا دوست ہو گیا۔

فائدہ: اپنے دشمن کے ساتھ حسن سلوک کا یہی اثر ہوتا ہے۔

شاہ اسحاق صاحبؒ کا استغناء

شاہ عبدالعزیز صاحب سے ایک پریزیڈنٹ ملنے آیا کرتا تھا شاہ صاحب اس کے لئے مونڈھا بچھو دیتے تھے۔ شاہ صاحب موسم کا کوئی پھل اسکے پاس بھجوا دیتے تھے جب شاہ صاحبؒ کی وفات ہوگئی تو سب نے مل کر صدر حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کو مقرر کیا، شاہ اسحاق صاحبؒ مدرسہ میں پڑھا رہے تھے کہ پریزیڈنٹ آیا لیکن شاہ صاحبؒ نے نہ اسکو دیکھا، نہ انکی مجلس میں کوئی تغیر آیا، شاہ صاحبؒ ہمیشہ نگاہ

نیچے رکھتے تھے، بعض کو تمنا تھی کہ شاہ صاحبؒ کی آنکھ جو نہایت خوبصورت تھی دیکھیں؛ مگر تمام عمر نہ دیکھ سکے۔ غرض پریزیڈنٹ مدرسہ میں آیا اور ٹہلتا رہا، جب درس ختم ہوا تو شاہ اسحاق صاحبؒ کے پاس آکر بوجہ پتلون کے ٹانگیں پھیلا کر وہیں چٹائی پر بیٹھ گیا تھوڑی دیر میں رخصت ہونے لگا تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا: کہ مجھے معلوم ہے شاہ صاحبؒ مرحوم آپ کے لئے کچھ ہدیہ بھجوایا کرتے تھے مگر میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں کہ بھجواتا۔ جب پریزیڈنٹ چلا گیا تو بعض مسلمانوں ہی نے یہ کہہ کر شاہ صاحبؒ کی طرف سے بدظن اور مشتعل کرنا چاہا کہ دیکھئے وہ حضور سے کیسی بے التفاتی سے پیش آئے وہ متکبر ہو گئے ہیں۔ اس پریزیڈنٹ نے اسے ڈانٹا، کہا: کہ خاموش! میں اس شاہ کا امتحان لینے گیا تھا کہ وہ اتنی دنیا پر بیٹھ کر دنیا سے کتنا مستغنی ہے۔

فائدہ: کاش ہم اسی واقعہ سے سبق لیتے اور غلط شکایت کرنے والوں کا اس طرح منہ بند کر دیا کرتے۔

مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کی کمال فنائیت

جب مولانا اسحاق صاحبؒ کی خدمت میں کوئی شخص بیعت ہونے حاضر ہوتا تو یوں فرماتے تھے ہمیں کچھ معلوم نہیں مولوی یعقوب صاحب کے پاس جاؤ انہوں نے نانا صاحب (یعنی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) سے یہ سب سیکھا ہوا ہے، باوجودیکہ شاہ اسحاق صاحب ان باتوں سے صاف انکار فرماتے تھے مگر پھر بھی دیکھنے والوں نے

۱۔ دونوں حضرات کے معمول کا تفاوت نیت اور مصالح کے اختلاف سے ہے۔ ”ولکل وجہ“

ہو مولیہا“ اور چونکہ مئی اس دوسرے معمول کا اخلاص پر تھا، اس لئے پریزیڈنٹ پر اس کا کیا پسندیدہ اثر پڑا۔ (شت) (منقول از روایات الطیب)

دیکھا ہے کہ مولانا یعقوب صاحب سے مولانا اسحاق ہی درجہ میں بڑھے ہوئے تھے اور اسکی وجہ نشر علم دین ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)
فائدہ: کیا کمال فنائیت ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ محمد اسحاقؒ کا اختلاف رائے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مزار کے قریب بنوائی ہے شاہ اسحاق صاحبؒ اسکو اچھا نہ جانتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد بنوانا نہ چاہئے اور استدلال میں اس حدیث شریف کو پیش کرتے تھے جو مشکوٰۃ باب التصاویر میں اس مضمون کی مروی ہے کہ بعض امہات المؤمنین نے حبشہ کے ایک گرجا کی اور اسکی تصویروں کی تعریف کی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اولئک اذا مات فیہم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجداً ثم صوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار خلق اللہ متفق علیہ“ اور اس لئے اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے تھے الا نادراً۔ ایک مرتبہ قبروں پر مسجد بنانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ نہ چاہئے۔ اس نے کہا کہ پھر آپ کے نانا نے کیوں بنائی ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان سے پوچھو میرا مسلک یہی ہے۔
فائدہ: اختلاف رائے کے باوجود عظمت و عقیدت میں کوئی کمی نہ تھی۔

۱۔ یہ محمل احوط والبعث عن الفساد ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ لوگ خود اہل قبور کو سجدہ کرتے تھے احقر کہتا ہے گو نماز خدا ہی کی پڑھی جاوے تب بھی اس جگہ نماز پڑھنے کو قبول و برکت میں بلا دلیل دخیل سمجھتے ہیں، اور توجہ اولیاء کو اس میں موثر جانتے ہیں اور عبادت الہیہ میں مخلوقات کی اتنی شرکت کا اعتقاد بھی خلاف دلیل ہے اور حضرات مجوزین نے حسن ظن کی وجہ سے اس احتمال کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ (شت)

سید احمد شہیدؒ کی تربیت کا عجیب واقعہ

سید صاحب بیعت ہونے کے بعد دوسری مرتبہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں بغرض تعلیم حاضر ہوئے تو شاہ صاحبؒ نے انکو اس مسجد میں ٹھہرا دیا جو ان کے مدرسہ سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع تھی جس میں شاہ صاحبؒ اور طلبہ نماز پڑھا کرتے تھے اور تعلیم اشغال فرما کر حکم دیا کہ آٹھویں روز ہم سے ملا کرو۔

سید صاحب کی کوئی ادا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو پسند آگئی اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے عرض کیا: کہ سید احمد کو مجھے دیدتجئے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ لیجاؤ، اور سید صاحبؒ سے کہہ دیا کہ میاں عبدالقادر کے ساتھ جاؤ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ ان کو اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرہ میں رکھ دیا، اور اشغال کے لئے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر کیا کرو، سید صاحبؒ نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحب کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے۔

شاہ صاحبؒ نے سید صاحب کو ڈھائی برس اپنی خدمت میں رکھا اور ڈھائی برس کے بعد ان کو لے کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ سید احمد حاضر ہیں ان کو پرکھ لیجئے پرکھا لیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں عبدالقادر! تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک ہی کہتے ہو اب ان کو بیعت کی اجازت دیدو۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت اجازت تو آپ دیں گے اور ان سے آپ کا سلسلہ چلے گا شاہ صاحب نے ان کو بیعت کی اجازت دیدی۔

فائدہ: بھائیوں میں یہ کمال الفت و محبت، کمال خیر خواہی قابل رشک ہے۔

۱۔ اگر شیخ مرید کو کسی کے سپرد کر دے اسکے ماننے میں ذرا تردد نہ کرے جیسا خود راویوں کی عادت ہے۔

تصورِ شیخ پر اشکال

جس زمانے میں سید صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعلیم سلوک حاصل کر رہے تھے اس زمانے میں شاہ صاحب نے ان کو تصورِ شیخ کی تعلیم کی سید صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر تصورِ شیخ طریقت کا موقوف علیہ ہے تو میں اس طریقت ہی کو چھوڑتا ہوں اور اگر یہ اس کا موقوف علیہ نہیں ہے تو (اختیار طریق میں) کچھ مضائقہ نہیں مگر اس تصور کو حذف فرما دیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ طریقت اس پر موقوف نہیں ہے تم تصورِ شیخ نہ کرو۔

فائدہ: معلوم ہوا اپنے شیخ سے بھی ادب کے ساتھ اختلاف کیا جاسکتا ہے، مگر اختلاف دلیل کے ساتھ ہوا اور کمال ادب کے ساتھ اور عظمت و عقیدت بھی برقرار رہے، اور شیخ کو بھی چاہئے کہ مرید اگر دلیل کے ساتھ اور ادب کے ساتھ اختلاف کرے اس سے ناراض نہ ہو۔

مولانا شاہ غلام علی صاحب کا حسن ظن

شاہ غلام علی صاحب بہت کریم النفس تھے لوگ ان کی کتابیں چورا کر لیجاتے اور پھر ان ہی کے ہاتھ بیچنے کے لئے آتے۔ کتابوں کا ذمہ دار نشی دیکھتا اور کہتا کہ حضور یہ کتاب تو آپ ہی کی ہے۔ دیکھئے اس پر آپ کا بھی نام لکھا ہوا ہے اور میرا بھی آپ فرماتے کیا دنیا میں میرے اور تیرے نام کا کوئی اور شخص ہے ہی نہیں؟ ہماری کتاب نہیں ہے اسی کی ہے۔ مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے اور وہ کتاب اسی کو دیدیتے۔

فائدہ: یہ ہے ایک مؤمن کے ساتھ کمال حسن ظن۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے، اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی نہ کرتے، مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے۔ (یعنی تم جھوٹے ہو)

اقطابِ ثلاثہ کی بے تکلفی

فرمایا: کہ جب حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں (یعنی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں) تشریف رکھتے تھے تو ایک کچھالی میں کچھ چنے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے صبح کے وقت مولانا شیخ محمد صاحب اور حافظ ضامن صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ ملکر کھایا کرتے تھے اور آپس میں خوب چھینا جھپٹی ہوا کرتی تھی بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ اسوقت مشائخ اس مسجد کو دوکان معرفت کہتے تھے اور ان تینوں کو اقطابِ ثلاثہ۔ حضرت حاجی صاحب دہلی کے شہزادوں میں علماء میں بزرگ مشہور تھے مگر پیر بھائیوں سے چھینا جھپٹی کرتے تھے۔

فائدہ: پیر بھائی ہونے کے باوجود باہم یہ تعلق و محبت قابلِ صدرِ رشک ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ

نواب قطب الدین کی دعوت کا واقعہ

حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے: کہ شاہ اسحاق صاحبؒ کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے۔ اول درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحبؒ دوسرے درجہ کے شاہ عبدالغنی صاحب تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خاں صاحبؒ اسکے بعد فرمایا: کہ ایک مرتبہ نواب قطب الدین خاں صاحبؒ نے شاہ اسحاق صاحبؒ، مولوی محمد یعقوبؒ اور مولوی مظفر حسین صاحبؒ اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی، شاہ اسحاق صاحبؒ نے منظور فرمائی، اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ نے بھی۔ مگر مولوی مظفر حسین صاحبؒ نے منظور نہ فرمائی۔ اس سے نواب قطب الدینؒ کو ملال ہوا۔ اور انہوں نے شاہ اسحاق صاحبؒ سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحبؒ کی بھی دعوت کی تھی، مگر انہوں نے انکار فرمایا۔ شاہ صاحبؒ نے مولوی مظفر حسین صاحبؒ پر عتاب فرمایا اور فرمایا: ارے مظفر حسین! تجھے تقویٰ کی بد مضمی ہو گئی کیا نواب قطب الدینؒ کا کھانا حرام ہے؟ انہوں نے فرمایا: حاشا وکلا! مجھے نواب صاحبؒ پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا: پھر تو کیوں انکار کرتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کہ حضرت نواب صاحبؒ نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کی بھی، اور ان کے علاوہ

اتنے اور آدمیوں کی اور آپ کو پاکی میں لیجائیں گے اس میں بھی ضرور صرفہ ہوگا اور نواب صاحبؒ کو بگڑ گئے ہیں مگر نواب زادہ ہیں وہ دعوت میں ضرور نوابانہ تکلف بھی کریں گے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحبؒ مقروض بھی ہیں پس یہ مقروض ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں گے وہ ان کی حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں^۱۔ یہ بات شاہ صاحبؒ کے ذہن میں بھی آگئی اور شاہ صاحبؒ نے فرمایا: کہ میاں قطب الدینؒ اب ہم بھی تمہارے یہاں کھانا نہ کھائیں گے۔

سپاہی کے ساتھ حسن سلوک

آپ نے سات حج کئے اور پیدل ایک مرتبہ حج سے واپس تشریف لارہے تھے پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور اخیر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے، اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہوگئی اور بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا ضرور وہی چور ہے لوگ تعاقب کے لئے آئے اور جھنجھانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو آپ نے فرمایا کہ جھنجھانہ کے تھانہ میں نہ لے چلو اور کہیں چلو اس پر ان لوگوں نے اور بھی شبہ کیا اور وہ جھنجھانہ ہی کے تھانہ میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیا۔ جس نے حوالات میں آپ کو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور مچا^۱ کہ اعانت بعیدہ ہے مطل فی اداء القرض کی، کیا دقیق تقویٰ ہے اور استاد کیسے مقدس کہ یا تو شاگرد کو لتاڑ رہے تھے یا ان ہی کا اتباع کر لیا اور اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے پاس دلیل ہو تو محض استاد کی تقلید سے دلیل کو چھوڑنا نہ چاہئے۔ (شت)

حدودِ اختلاف

۳۲۱

ضمیمہ

گیا عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بد معاشی ہے اسکی جان کے درپے ہو گئے۔ تھانہ کو لوٹنا چاہتے تھے تھانہ دار خواجہ احمد حسین تھے جو مولوی صاحب سے واقف تھے بہت مشکل سے جان بچا کر تھانہ آئے اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی۔ پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہو گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا آپ نے خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہوا سکے ساتھ دو تین آدمی کر دو جو اس کو بخیریت پانی پت پہنچا دیں۔

فائدہ: اپنے مخالفین کو معاف کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اعلیٰ مثال ہے۔

حضرت نانوتویؒ

اپنے مخالف کا نام بگاڑنے پر تنبیہ

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ گو نہایت وسیع اخلاق تھے مگر اصلاح کے معاملہ میں اخلاق نہ برتتے تھے اور مریدوں اور متعلقین پر برابر روک ٹوک کرتے تھے ایک مرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے۔ مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا کسی کی زبان سے بجائے فضل رسول (بضاد معجمہ) فضل رسول (بضاد مہملہ) نکل گیا مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں عرض کیا فضل رسول آپ نے فرمایا کہ تم فضل رسول کیوں کہتے ہو۔

فائدہ: یہ حضرات تھے ”وَلَا تَنَابَذُوا بِالْأَلْقَابِ“ [اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔] (آسان ترجمہ) کے عامل کہ اپنے مخالف کے لئے بھی نام کا بگاڑنا گوارا نہیں کیا، آج ذرا سا اختلاف ہو جاتا ہے تو مشائخ کے نام بگاڑنے سے بھی نہیں چوکتے۔

کمال فنائیت

حضرت نانوتویؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میں جس طرح صوفیوں میں بدنام

ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے۔ اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہیں چلتا جانوروں کے گھونسلہ بھی ہوتا ہے میرے یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔
فائدہ: اسی کمال تو اضع اور کملافنائیت کا ثمرہ ہے جو حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو پورے عالم میں آفتاب و ماہتاب بنا کر چمکایا۔

کمالِ دلداری

حضرت مولانا نانوتوی کو حرام کے طعام سے جیسے نفرت تھی ویسے ہی اس کا احساس بھی بہت جلد کرتے تھے مگر دعوتِ بوجہِ دلداری ہر ایک کی منظور فرمالیتے تھے اور پھر آکر قے کرتے تھے۔
فائدہ: مخلوق پر کمالِ رحمت و شفقت ظاہر ہے۔

مفسدوں کی حکومت سے شکایت

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جس میں رام پور کا ایک خاندان بھی شامل تھا جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے پشتینی عداوت تھی حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کئے جائیں تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلبہ کو قواعد جنگ کی

حدود اختلاف

ضمیمہ

۳۲۲

تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی کرانے کے لئے کابل کو تیار کر رہا ہے ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے اور ہم بھی ہر قسم کی سراغ ۱۔ دعوت کی منظوری حرام بین ہونے کی صورت میں نہ تھی بلکہ مشتبہ ہونے کی صورت میں جو فتویٰ سے حلال تھی، کیا انتہا ہے اخلاق و شفقت کی۔ (شت)

رسانی اور تفتیش حالات کے لئے گورنمنٹ کو مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔ حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لئے احکام جاری ہوئے اور تفتیش کے مراکز گنگوہ، نانوتہ، رامپور اور جلال آباد قرار پائے اور ان کا صدر مقام دیوبند بنادیا گیا۔ حکام نے دورے کئے اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچ کر حضرت نانوتوی کی زیارت کرنے کیلئے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی، حضرت نے اجازت دی اور کہلوادیا کہ جو تہ نکال کر آئیں، حاکم آیا اور بیٹھا نہیں بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ حضرت کے سامنے کھڑا ہوا واپس ہو کر اس نے حکومت ہند کو رپورٹ کی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقض امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اپنی رداء مبارکہ میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر لے جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں ۱۔ یہ ایک کشف صحیح ہے جس میں کچھ استبعاد نہیں اور اس کی جو تعبیر حضرت گنگوہی نے بھی شاید وہ ڈھانپنے سے ماخوذ ہو مگر صرف احتمال کافی نہیں۔ اصل بنی وجدان ہے۔ (شت)

کے سامنے رہتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رداء مبارک میں لئے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی مفسدہ پردازی اور شرر سے تحفظ منظور ہے لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت زیادہ زندہ نہیں رہے قریب ہی زمانہ میں وفات ہو گئی۔

مخالفین سے میل جول

راپور کے اسی مخالف و معاند خاندان کے دو بھائی تھے جن سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن سے میل جول تھا اور حضرت کا معمول تھا کہ جب راپور تشریف لیجاتے تو ان دونوں بھائیوں سے ملنے ضرور جاتے اور وہ حضرت سے ملتے۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان پر آتے اس خاندان کی اس مفسدہ پردازیوں کے زمانہ میں بھی حضرت کی یہ عادت نہ بدلی۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کو ناگوار ہوتا تھا کہ اب حضرت ان مفسدوں میں کیوں تشریف لیجاتے ہیں حالانکہ انہوں نے خود حضرت ہی پر کیا کیا زبردست الزام نہیں لگائے مگر زبان سے کبھی نہیں فرمایا، ایک دفعہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ دونوں کا راپور میں اجتماع ہوا اور حضرت حسب عادت اسی مقام پر تشریف لے گئے تو حضرت حکیم صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے سامنے ناک چڑھا کر فرمایا: کہ دیکھئے مولانا نانوتوی اب بھی وہاں جانا نہیں چھوڑتے حضرت مسکراتے رہے،

جب حکیم صاحب کی تیزی بڑھتی گئی اور صفائی سے فرمانا شروع کیا تو حضرت نے ذرا مستعد ہو کر فرمایا کہ حکیم صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں آپ انکے قلب کی حالت ملاحظہ نہیں فرماتے جس شخص کے قلب میں ایمان کی طرح یہ راسخ ہو چکا کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل و خوار کوئی ہستی نہیں ہے تو ایسے شخص کو آپ کس طرح کہیں جانے سے روک سکتے ہیں اور کہیں چلے جانے سے ان پر اثر کیا ہو سکتا ہے۔

انسانیت سے بالا درجہ

مولانا رفیع الدین صاحب ”مہتمم دارالعلوم فرماتے تھے: کہ میں بچپن برس حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا، وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

حضرت نانوتوی اور حضرت حاجی عابد صاب

دارالعلوم کی بنیاد کے سلسلہ میں اختلاف رائے

مدرسہ دیوبند جاری ہو چکا تھا لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہ بنی تھی بلکہ کرایہ کے مکانوں میں مساجد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا جب سلسلہ تعلیم بڑھنے لگا تو حضرت نانوتویؒ کی رائے یہ ہوئی کہ کرائے کے مکانوں سے کام نہ چلے گا بلکہ اب ایک مستقل جگہ مدرسہ کے نام سے ہونی چاہئے سب نے اس رائے پر لبیک کہا لیکن

حدود اختلاف ۳۲۷ ضمیمہ

حاجی محمد عابد صاحب مرحوم اس رائے کے خلاف تھے وہ فرماتے تھے: کہ کیا ضرورت ہے اتنے مصارف برداشت کرنے کی جامع مسجد کی عمارت کافی ہے اسکے ہر چہار سمت حجرے بنادیئے جائیں اور مسجد میں مدرسین درس دیں لیکن بقول حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حاجی صاحب مرحوم کے سامنے وہ مستقبل نہ تھا جو حضرت کو نظر آ رہا تھا ان کی فراست کے سامنے یہ مکتب مدرسہ اور مدرسہ سے دارالعلوم ہونے والا تھا اسلئے حضرت نے فرمایا: کہ حاجی صاحب مدرسہ کے لئے الگ سے جگہ مناسب ہے مسجد میں مدرسہ کا ہونا بہت سے اشکالات اور دشواریوں کا باعث ہوگا یہ طلبہ کی قوم آزاد ہوتی ہے کبھی شکایت ہوگی کہ مسجد کے لوٹے ٹوٹ گئے کبھی فریاد ہوگی کہ مسجد کی صفیں گم ہو گئیں ٹوٹ گئیں لالٹینیں نہ رہیں غرض بیسیوں دشواریاں ہوں گی اس لئے مناسب ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کے نام سے الگ ہی ہو لیکن حاجی صاحب مرحوم نے ہرگز اس رائے کو تسلیم نہیں کیا اور چونکہ طبیعت کا ایک خاص انداز تھا اس لئے اپنی رائے پر اصرار تھا لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے تھے مگر حضرت نانو توئی کے حلم کی وجہ سے کوئی کچھ کہہ بھی نہ سکتا تھا۔

آخر کار حضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ مکان مدرسہ کے لئے اشتہار جاری کر دیا جائے اس اشتہار میں اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو کہ مکان الگ بنے گا یا مکان مسجد میں مدرسہ ہوگا یہ وقت پر ہوتا رہے گا اتنے عرصہ میں حاجی صاحب بھی موافقت کر لیں گے یہ رائے طے ہوگئی۔ اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مختلف جگہ کے مسلمانوں کو جمع کیا جائے۔ اور صورت یہ ہو کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد حضرت وعظ فرمائیں اور وعظ ختم ہوتے ہی سارا مجمع شہری اور بیرونی حضرات کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے اس جگہ پر آجائے جو مدرسہ بنانے کے لئے تجویز کی گئی اور چار آنہ گز کے

حدودِ اختلاف ۳۲۸ ضمیمہ

حساب سے زمین کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس مضمون کا اشتہار ملک میں بھیج دیا گیا اطراف و اکناف سے لوگوں کے خطوط آمد کے متعلق آنے شروع ہو گئے۔ معینہ جمعہ کے دن بیرونی حضرات کا جم غفیر جمع ہو گیا علی گڑھ سے بھی بعض سربراہان و درجہ لوگ آئے اور زیادہ تر حضرت کے وعظ و تقریر کے اشتیاق میں یہ مجمع ہوا تھا بہر حال جمعہ کے بعد حسب تجویز مشہور شدہ حضرت نے وعظ فرمایا وعظ کے آخر میں فرمایا کہ مکانِ مدرسہ کے لئے سب حضرات فلاں جگہ تشریف لے چلیں تاکہ مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے بس یہ سنتے ہی حاجی صاحب کو غصہ آیا اور زور سے فرمایا: ہائیں کیا؟ حضرت نے فرمایا: حاجی صاحبؒ یوں ہی مناسب ہے آپ تشریف لے چلیں۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا: میں کیوں چلوں؟ کیا ضرورت ہے اس اسراف کی؟ اور کیوں یہ بیکار اتنا بڑا کام اٹھایا جا رہا ہے؟ یہ الفاظ غصہ سے بھرائی ہوئی آواز میں نکلے، حضرت نے فرمایا: حاجی صاحب! آپ چلیں یوں ہی مصلحت ہے کہ مدرسہ الگ بنے اس پر حاجی صاحبؒ زور سے بولے، حضرت نے فرمایا: حاجی صاحبؒ کو اختیار ہے، سب حضرات چلیں اور سنگ بنیاد رکھیں، یہ ایما پاتے ہی تمام شہری اور بیرونی لوگوں کا جم غفیر چلا حاجی صاحبؒ تو چھتہ کی مسجد میں آگئے اور لوگوں کا مجمع حضرت کے ساتھ چلا لیکن حضرت بجائے اس کے کہ پہلے جائے بنیاد پر آتے سب سے پہلے چھتہ کی مسجد میں تشریف لائے اور حاجی صاحبؒ سے پکار کر فرمایا: کہ حاجی صاحب! آپ تو ہمارے بڑے اور ہم سب آپ کے چھوٹے ہیں یہ آپ نے اپنے چھوٹوں کے ساتھ کیا بے رخی اور بے توجہی برتنی شروع فرمادی، کچھ ان الفاظ کا مدرسہ کے لئے مستقل عمارت نہ ہونے کی رائے کا منشا تذکرۃ العابدین میں اس طرح لکھا ہے کہ وقت بنائے جانے مسجد کے یہ بات قرار پائی تھی کہ مسجد کی سہ دریوں میں مدرسہ رہے گا علیحدہ نہیں بنوایا جائیگا مگر کئی سال بعد اہل شوریٰ کا یہ مشورہ ہوا کہ مدرسہ علیحدہ بنوایا جائے اس وقت حاجی

حدود اختلاف

۳۲۹

ضمیمہ

صاحب نے کہا تم نے مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا۔ مسجد میں سہ دریوں کی کچھ ضرورت نہ تھی اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے عذر کیا کہ مجھ کو علم نہیں کہ اہل شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اور خفیہ طور سے مشورہ کیا ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں، اس سے دونوں حضرات کا عذر بالکل ظاہر ہے، اور دونوں طرف سے معافی کی استدعا دونوں حضرات کے کمال تواضع کی واضح دلیل ہے۔ (شت)

ایسا اثر حاجی صاحب پر ہوا کہ بے اختیار آکر گر پڑے اور اتنے روئے کہ آوازیں نکل پڑیں اور کہا کہ اللہ میرا قصور معاف فرمائیے۔ حضرت نے حاجی صاحب کو اٹھا کر گلے لگایا اور فرمایا: حاجی صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں؟ آپ تو ہمارے بڑے ہیں بزرگ ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کو لے کر بنیاد پر پہنچے جو کھد کر تیار تھی۔ اس وقت کے اکابر کا خیال تھا کہ کوئی مقدس اور بزرگ ہستی ایسی نہ تھی جو اس وقت وہاں نہ ہو سارے ہی مقدسین کو حق تعالیٰ نے اس موقع پر جمع فرما دیا تھا اب یہ گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ حضرت رکھیں، مگر حضرت ہمیشہ پیش پیش ہونے اور کسی ظاہری امتیاز سے بچتے تھے۔ کبھی خود آگے نہ ہوتے تھے، کام میں ہمیشہ خود سبقت فرماتے تھے اور آگے کسی کو فرما دیتے تھے۔ مدرسہ قائم ہوا، اس کے انتظامات ہوئے، اس میں علمی کارنامے ظاہر ہوئے اور حضرت ہی نے سب کچھ کیا؛ لیکن اپنا نام کبھی نہیں رکھا، حتیٰ کہ مدرسہ کی زمین کا بیعنامہ بھی حاجی صاحب کے نام پر کرایا، غرض کام سب کے روح رواں تھے اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے۔ بہر حال جب بنیاد رکھنے کیلئے پہلے حضرت کو تجویز کیا گیا، فرمایا: یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور خود ہی تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت میانجی منہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا سید اصغر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کے نانا تھے اینٹ رکھیں کہ وہ سید بھی ہیں اور بزرگ بھی ہیں۔ اور پھر حاجی صاحب مرحوم اینٹ رکھیں اور پھر تمام اکابر۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اول ان دو حضرات نے اینٹ رکھی۔ پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑھایا کہ

آپ اینٹ رکھیں انہوں نے رکھی، لوگوں نے کہا: حضرت! آپ بھی تو اینٹ رکھیں، فرمایا: ہاں میں بھی آپ سب کے ساتھ حاضر ہوں اور پھر خود بھی اینٹ رکھی، اس دن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا ایک عجب خوشی تھی اور سب کے دل فرحت سے مالا مال تھے۔

باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا تھا

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی نکل آئے۔ انہوں نے جب حضرت مولانا کے عالی مضامین سنے جو مثنوی میں بیان فرمائے جارہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ کاش اگر اس شخص کو ظاہری علم کے ساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا تھا اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا: کہ کاش آپ کو باطنی علوم بھی ہوتے حضرت مولانا نے ازراہ انکساری فرمایا جی ہاں میں ایسا ہی محروم ہوں اگر آپ ہی مجھ پر شفقت فرمادیں تو میری نیک نصیبی ہے اس پر وہ بزرگ متوجہ ہو کر مراقب ہوئے، ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ مولانا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ جو ہر بھی علی الوجہ الائم موجود ہے۔

بدعتی کے اکرام کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا نانوتویؒ کے یہاں ایک بدعتی درویش مگر صاحب

حال مہمان ہوئے تو آپ نے اسکا بڑا اکرام کیا اس کی خبر ایک شخص نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو کی، تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: برا کیا، اس شخص نے یہ مقولہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر کہا، تو مولانا نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کفار مہمانوں کا بھی اکرام کیا ہے۔ اس شخص نے اس جواب کو پھر حضرت گنگوہیؒ سے آکر نقل کیا، تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: کہ کافر کے اکرام میں مفسدہ نہیں ہے۔ بدعتی کے اکرام میں مفسدہ ہے، اس نے پھر اس جواب کو حضرت نانوتویؒ سے جا کر کہا، تو حضرت نانوتویؒ نے اس کو ڈانٹ دیا: کہ یہ کیا واہیات ہے ادھر کی ادھر، ادھر کی ادھر لگاتے پھرتے ہو جاؤ بیٹھو اپنا کام کرو۔

حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی بے تکلفی

مولوی محمد نظر خاں نے ایک پرچہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بغرض بیعت لکھ کر دیا، حضرت نے اسکو پڑھ کر جیب میں رکھ لیا، اتفاق سے حضرت گنگوہیؒ نانوتہ تشریف لائے، مولوی محمد نظر خاں خبر پا کر نانوتہ آئے اور وہی مضمون لکھ کر حضرت گنگوہیؒ کو پیش کیا اور اس میں یہ بھی لکھا: کہ اس مضمون کو میں نے حضرت نانوتویؒ کو بھی لکھا، مگر کچھ جواب نہ دیا، جس وقت یہ تحریر دی ہے تو حضرت اس وقت ظہر کا وضو کر رہے تھے، پاس ہی حضرت نانوتویؒ بھی وضو بنانے آ بیٹھے، اتفاق سے مولوی محمد نظر خاں سامنے ہی کھڑے تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تبسم فرما کر مولوی محمد نظر خاں سے فرمایا: کہ ”ایسے گونگے پیر کو خط کیوں دیا تھا جنہوں نے جواب بھی نہ دیا“ حضرت نانوتویؒ بھی ہنسے اور فرمایا: کہ ”لو اب بولتے پیر کے پاس آ گیا اب جواب مل جائیگا“

متکبر اور متواضع شخص کے ساتھ سلوک

حضرت مولانا قاسم صاحب جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے۔ اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے، خود اس کے جوتے اٹھالیا کرتے تھے۔

غریب آدمی کی دعوت

حضرت مولانا قاسم صاحب کی ایک غریب شخص نے دعوت کی اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی اور وہ شخص وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا محمد قاسم صاحب خود اس شخص کے یہاں تشریف لے گئے اس نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لئے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا، مولانا نے فرمایا کہ انتظام کیا ہوتا تمہارے یہاں کچھ پکا بھی ہے اس نے کہا جی ہاں وہ تو موجود ہے فرمایا بس وہی کھالیں گے، چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ بخوشی حضرت تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا: بس جی تمہاری دعوت ہوگئی۔



حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

عالم ربانی کا وعظ ہو رہا ہے

حافظ عطاء اللہ صاحب مرحوم کیرانوی بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں حاضر تھا اور حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ بھی اس زمانہ میں گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے مولانا کا ایک مقام پر وعظ ہو رہا تھا مگر مجھے اس کا علم نہ ہوا تھا اس لئے میں بھی شریک نہ ہوا تھا۔ اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں بیٹھا رہا تھا اور حضرت بھی حضرت کی خدمت میں موجود تھے اس پر حضرت قدس سرہ نے حاضرین سے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو ایک عالم ربانی کا وعظ ہو رہا ہے اسکے وعظ میں جاؤ میرے پاس کیا رکھا ہے۔

حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی میں اختلاف ذوق

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا نانوتویؒ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تو قدم قدم پر انتظام اور حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ لا ابالی کہیں کی چیز کہیں پڑی ہے کچھ پرواہ ہی نہیں۔ اس وقت ایک گروہ مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ کے پاس گیا کہ ہم بھی آپ کے ہمراہ حج کو چلیں گے۔ آپ

حدودِ اختلاف

ضمیمہ

۳۳۲

نے فرمایا: کہ زادِ راہ بھی ہے؟ انہوں نے کہا: ایسے ہی توکل پر چلیں گے۔ مولانا نے کہا: کہ جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم نیجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھ دینا، بڑے آئے توکل کرنے والے، جاؤ اپنا کام کرو، پھر ان لوگوں نے حضرت مولانا نو توئی سے کہا، تو آپ نے اجازت دیدی۔ ع

ہر گلے رارنگ و بونے دیگرست

راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب ان لوگوں کو دیدیتے اور ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ تو سب ہی دیدیتے ہیں کچھ تو اپنے پاس رکھے تو فرمایا: ”انما انا قاسم واللہ يعطی“ اسی سفر میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نو توئی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: کہ صبح سے شام تک پھرتے ہی ہو کچھ فکر بھی ہے؟ تو فرمایا: کہ حضرت آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا فکر ہے۔

ایک ولایتی سیاح کے خطبہ جمعہ پر اختلاف رائے

ایک مرتبہ دیوبند میں ایک سیاح ولایتی صاحب آئے وہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب سے جمعہ کی نماز پڑھانے کی اجازت لے کر منبر پر پہنچ گئے خطبہ شروع کیا چونکہ ربیع الاول کا زمانہ تھا خطبہ کے اندر مولود شریف شروع کر دیا اور خطبہ نہایت طویل کہ ختم ہونے ہی پر نہ آئے۔ لوگ پریشان ہو گئے حضرت مولانا گنگوہی بھی اتفاقاً تشریف فرما تھے۔ چونکہ مولانا کو حق تعالیٰ نے ہمیشہ سے اظہار حق کی شان دی تھی، ان مولوی صاحب سے فرمایا: کہ مولانا خطبہ ختم کیجئے، وہ بولے چپ رہو! خطبہ میں بولنا حرام ہے۔ (وہ پہچانتا نہ تھا) مولانا گنگوہی نے فرمایا: کہ حرام و حلال کیا لئے پھرتے ہو، تم اس قابل ہو کہ منبر سے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اتار دیا جائے، پھر اس نے یہی جواب دیا

چپ رہو! مگر اس نے جلدی ہی خطبہ ختم کر دیا خطبہ کے بعد لوگوں نے کہا: کہ ہم اسکے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے نہ معلوم یہ کون بلا ہے؟ مولانا گنگوہیؒ سے امامت کے لئے عرض کیا، مگر مولانا نماز پڑھانے کھڑے نہ ہوئے۔ (تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اپنی امامت کے لئے کہا تھا) مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے نماز پڑھائی مولانا گنگوہیؒ نے یہ دانشمندی کی کہ نماز کے بعد فوراً جوتا اٹھا کر چل دئے۔ ان ولایتی صاحب نے نماز کے بعد کہا: کہ بلاؤ وہابی کو جو خطبہ میں بولتا تھا اور بہت دیر تک بکتا رہا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھتے رہے، آپ کو غصہ بھی بہت آیا لیکن تحمل کیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا: کہ ہماری جماعت کے حضرات فتنہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا گنگوہیؒ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں موجود ہوا تو فساد ہو جائیگا کیونکہ لوگ میری حمایت کریں گے اس لئے دفع الوقتی فرما گئے اور اب یہ حالت ہے کہ فتنہ و فساد کو تلاش کرتے پھرتے ہیں خطبہ کی طوالت پر فرمایا: کہ فقہ کی بات یہ ہے کہ خطبہ کو خفیف کرے اور نماز کو طویل یعنی بہ نسبت خطبے کے طویل کرے۔

نواب وزیر الدولہ کا کمال تحمل

مولانا اسماعیل صاحب کاندھلوی نے بیان فرمایا: کہ سید صاحب کے لوگوں میں ایک صاحب سید امیر علی تھے جو نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ یہ صاحب نواب الدولہ کے مقرب تھے اور اہل حاجت کی سفارش بہت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے نواب صاحب سے کوئی سفارش کی اور نواب نے وعدہ فرمایا مگر کسی وجہ سے اس کا ایفانہ ہو سکا اس پر سید امیر علی صاحب کو غصہ آیا اور سردار نواب صاحب کے تھپڑ مار دیا۔ نواب صاحب کا ظرف دیکھئے کہ کچھ کہا نہیں اور خاموش ہو گئے اسکے

بعد جو سید صاحب کے عزیز واقارب ریاست میں موجود تھے نواب صاحب ان کے پاس گئے اور ان سے سید امیر علی کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے اس واقعہ سے ذرا ملال نہیں ہوا، انہوں نے تو تھپڑ ہی مارا ہے اگر وہ میرے جوتے مار لیتے تب بھی مجھے ملال نہ ہوتا، مگر ان سے ذرا اتنا کہہ دیا جائے کہ حق تعالیٰ نے ریاست کا کام میرے سپرد فرمایا ہے اور اس میں وقار قائم رہنے کی ضرورت ہے اور سردر بار ایسا کرنے سے سیاست میں خلل آتا ہے اس لئے وہ دربار میں اس کا لحاظ رکھیں اور تنہائی میں انہیں اختیار ہے چاہے وہ میرے جوتے مار لیں۔

نواب وزیر الدولہ کی کمال حکمت

خان صاحب نے فرمایا: کہ نواب یوسف علی خاں والی رامپور بہت خوش مزاج آدمی تھے مگر نہ عقیدہ اچھا تھا نہ عمل۔ چار ابرو کا صفایا رکھتے تھے، جب آگرہ میں دربار ہوا تو اس میں شرکت کے لئے نواب وزیر الدولہ بھی گئے تھے اور نواب یوسف علی خاں بھی چونکہ نواب وزیر الدولہ بہت سیدھے اور نیک تھے، اس لئے نواب علی خاں نے اپنے دوستوں سے کہا: کہ چلو وزیر الدولہ کو بنائیں گے اور یہ امر آپس میں طے کر کے وزیر الدولہ کے پاس پہنچے۔ نہیں معلوم وزیر الدولہ کو کشف ہوا یا فراست سے انہوں نے ان کا خیال معلوم کر لیا غرض انہوں نے ان کو مذاق کا موقع نہیں دیا، اور خود ہی گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کا ظاہر اچھا بنایا ہے اور بعض کا

۱۔ مگر ان سے ذرا الخ، اقول۔ یہ ہے تواضع اور حکمت کا جمع کرنا جو بجز کامل کے کسی سے ممکن نہیں ایک کامنفرد پایا جانا چنداں دشوار نہیں، باقی ان بزرگ کا ایسا کرنا کسی حالت کے غلبہ پر محمول ہوگا ورنہ بدون اس عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں۔ (شت)

باطن، میرا ظاہر تو بہت اچھا ہے اور اس قدر اچھا ہے کہ اس پر کسی کو نکتہ چینی کی گنجائش نہیں، مگر میرا قلب نہایت گندہ اور ناپاک اور سخت مکروہ و خبیث ہے، اور بھائی یوسف بھائی علی خاں کا باطن تو ایسا ہے جیسا میرا ظاہر اور ان کا ظاہر ایسا ہے جیسا میرا باطن یہ سنکر یوسف علی خان مبہوت سے رہ گئے اور کچھ نہ کہہ سکے تھوڑی دیر خفت مٹانے کے لئے بیٹھے رہے اور اسکے بعد اٹھ کر چلے گئے۔

نواب قطب الدین کی کمال تواضع

حضرت مولانا نانوتویؒ بیان فرماتے تھے: کہ نواب قطب الدین خاں صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب پکے غیر مقلد۔ ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے، ایک مرتبہ کسی جلسہ میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہو جائیں اور کسی قدر مولوی نذیر حسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جاوے، میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خاں صاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی مولوی نذیر حسین صاحب تو سنکر ناراض ہوئے، مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آکر میرے پاؤں پر عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لئے اور رونے لگے اور فرمایا بھائی جس قدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے بتلا دو، میں سخت نادم ہوا میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے اور میں بھی روتا رہا۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا فضل حق صاحبؒ

مولوی عبدالرشید صاحب غازی پوری رامپور میں مولوی فضل حق صاحب

سے پڑھتے تھے یہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے ایک دوست مل گئے ان دوست نے ان سے کہا چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلیں تم ان کے (مولانا اسماعیل صاحب) معتقد ہو آج تمہیں تمہارے استاد سے ان پر تبرے سنوائیں گے۔ انہوں نے کہا چلو، جب یہ دونوں وہاں جا کر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا حضرت یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسماعیل پر تبرے سنواؤں گا۔ مولوی فضل حق صاحب نے کہا اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہہ کر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں مولوی اسماعیل پر تبرے کروں، یہ نہیں ہو سکتا، اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا، اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔

اہل اختلاف سے ملاقات کے سلسلے میں

حضرت تھانویؒ کا معمول

فرمایا: کہ ہمارے حضرات میں شانِ تربیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ ایک وقت حاجی محمد عابد اور اہل مدرسہ سے اختلاف ہو گیا، میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے شرم آئی کہ میں دیوبند آؤں اور حضرت حاجی صاحب سے نہ ملوں اگر حاجی صاحب راستہ میں مل گئے تو بھی دعا سلام تو ضرور ہوگا اس وقت خواہ مخواہ ندامت ہوگی یہ سوچ سمجھ کر میں حاجی صاحب کی ملاقات کو گیا، اور بھی جتنے بزرگ خلاف تھے سب سے ملا، اس پر میرے اوپر مدرسہ کے متعلقین کا سنسر قائم ہو گیا۔ جہاں میں جاتا ہوں میرے پیچھے پیچھے دیکھتے پھرتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں جگہ گئے ہیں۔ میں نے احتیاط اسی زمانہ میں ایک جلسہ میں جس میں حضرت مولانا دیوبندیؒ اور مولانا حافظ احمد صاحب وغیرہ شریک تھے حضرت مولانا دیوبندی سے عرض کیا کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ میرے بزرگ ہیں جب

میں یہاں آتا ہوں تو ان سے ملنے کا تقاضا میری طبیعت میں پیدا ہوتا ہے اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو ان سے مل لیا کروں، حضرت دیوبندیؒ نے فرمایا کہ ضرور ملو اپنے مجمع میں سے اگر کوئی ملتار ہتا ہے تو مخالفت کم ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ہندو مہمان کے پیردبانا

فرمایا: کہ مولوی محمود صاحب رامپوری کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے۔ میں حضرت مولانا دیوبندی کے یہاں مہمان ہوا اور ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھاپی کر میرے پاس آ گیا کہ میں بھی یہیں سوؤں گا۔ اسکو ایک چار پائی دیدی گئی جب سب سو گئے رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد دیدوں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں؟ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چار پائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانا شروع کئے وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولوی محمود صاحب اٹھے اور یہ کہا: کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا: کہ تم جا کر سو جاؤ۔ یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس کی خدمت کو انجام دوں گا۔ مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔

جامع العلوم کانپور میں وعظ

فرمایا: کہ ایک مرتبہ مولانا دیوبندی کو میں نے جلسہ دستار بندی میں مدرسہ جامع العلوم کانپور بلوایا۔ آپ تشریف لے گئے میں نے وعظ کے واسطے عرض کیا، فرمایا:

کہ میرے بیان سے لوگ خوش نہ ہوں گے اور اس سے میرا تو کچھ نہیں جائیگا تمہاری ہی اہانت ہوگی کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سے تو ہمارا فخر ہوگا کہ ان کے استاد ایسے ہیں فرمایا ہاں اس طرح فخر ہوگا کہ لوگ کہیں گے یہ (حضرت تھانویؒ) استاد سے بھی بڑھ گئے غرض کہ بڑی دقت کے بعد منظور فرمایا، مولانا کا علم اور علماء کا مجمع خوب طبیعت کھلی ہوئی تھی مضامین عالیہ بیان ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولوی لطیف اللہ صاحب علی گڑھی تشریف لے آئے ان کے دیکھتے ہی مولانا یکدم بیٹھ گئے مولوی فخر الحسن صاحب نے دوسرے وقت عرض کیا کہ وعظ کیوں بند کر دیا تھا فرمایا کہ اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ اب وقت ہے مضامین کا یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے تو اس طرح سے وعظ میں خلوص نہ رہا اس لئے قطع کر دیا۔

حضرت سہارنپوری اور حضرت تھانویؒ کی دعوت کا واقعہ

فرمایا: کہ ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ میں جانا ہوا جلسہ سے اگلے روز شیخ پورہ والوں نے حضرت سہارنپوری اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کر دیا چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر چانول نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی، مولانا نے دعوت منظور فرمائی اور شیخ پورہ چلے گئے شب کو وہاں رہے صبح کے وقت تیز بارش شروع ہو گئی مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کر لیا تھا اس وجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی جب سہارنپور اترے میں بھی ہمراہ تھا راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے سڑک پر جاتے ہوئے ملے مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنے کی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں حضرت دعوت کا کوئی انتظام نہ ہوا مجھ کو واپسی کی کوئی امید نہ تھی مولانا نے فرمایا اچھا بھائی پھر سہی، اس

نے کل صبح کا وقت معین کیا (تبسم سے فرمایا ظالم نے شام کو بھی نہ کہا) ہمارے حضرت نے فرمایا اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی مولانا چونکہ بزرگ تھے ان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا مجھے بھی دعوت میں شریک ہونے کا حکم ملا میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی، فرمایا: اگر بھوک ہو کھالینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا، میں نے عرض کیا بہت اچھا، صبح کے وقت پر پھر ہم سب گئے، مگر میں غصہ میں بھرا ہوا تھا، کوٹھی کے اوپر کھانا کھلایا میں عذر کر کے مولانا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقع نہ ملا اس لئے نیچے بلایا اور اچھی طرح اسکے کان کھولے اور کہا: کیا بزرگوں کو بلا کر ایسے ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں تجھے تو یہ چاہئے تھا کہ اگر مولانا شیخ پورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا اس نے آئندہ کے لئے توبہ کی۔

حضرت گنگوہیؒ کے یہاں حضرت تھانویؒ کی شکایت

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت بابرکت میں کچھ لوگ تھانہ بھون کے آئے اور آکر حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہؒ کی شکایت کرنے لگے، ایسا کرتے ہیں ایسا کرتے ہیں۔ اور ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا کہ مولانا گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی شکایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحبؒ کی حضرت نے فرمایا کہ میں سننا نہیں چاہتا وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں نفسانیت سے نہیں کرتے، بشریت سے غلطی دوسری شئی ہے پھر وہ سب صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ نے

پڑوسیوں کی وجہ سے پختہ مکان نہیں بنوایا

اعزاد و اقربا، احباب، اہل محلہ کے حقوق و جذبات کی جس قدر رعایت کرتے ہوئے اس مرد با خدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحب کا اکثر مکان کچا تھا جس کی ہر سال مرمت ہونا ضروری تھی اگر نہ کی جاتی تو مکان کے منہدم ہونیکا خطرہ تھا۔ ہر سال برسات سے پہلے اس کی مرمت کرانے کا معمول تھا اور اس وقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا ایسے ہی ایک موقع پر عرض کیا گیا کہ حضرت ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائیگا کہ اس سے پختہ اینٹوں کا مکان بن جائیگا۔

اخلاق کریمانہ کی وجہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا بڑی دلداری اور حوصلہ افزائی کے ساتھ فرمایا ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات کہی مرا اندازہ بھی یہی ہے کہ پانچ سات سال میں جتنا خرچ اس پر ہو جاتا ہے اتنے خرچ میں پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے ہم بڑھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اس طرح فرمایا: کہ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ اسکے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحب نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔

ایک عالم دین سے سیاسی اختلاف

ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحبؒ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی سے تنبیہ فرماتے۔

صلوۃ استسقاء میں امامت فرمانا

ان ہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میان صاحب کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی، اس لئے فرمایا: کہ میاں بارش تو ہوتی نہیں البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لئے چلنا ضرور ہے؛ چنانچہ میاں صاحب نے انکی اقتداء میں نماز استسقاء ادا کی، بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی، ان بزرگ نے دوسرے روز بھی نماز کا اعلان فرمایا، تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے۔ تیسرے دن کے لئے پھر نماز کا اعلان ہوا، تو تیسرے دن بھی میاں صاحب نماز کے لئے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں، ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحب تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی۔

بہر کیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی، میاں صاحبؒ کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش

حدودِ اختلاف

ضمیمہ

۳۴۴

ضرور ہو جائیگی۔ شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور تک بھی نام و نشان نہ تھا مجبوراً پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔

اس خلافِ عادت عمل پر استفسار کیا گیا کہ آپ تو کبھی نماز پنج گانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟ تو فرمایا: میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر ہی بدگمانی نہ ہو، میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں، کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر نہیں کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے اب اگر بدنامی ہونی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔

سوچئے! ان اہل اللہ اور ہم دنیا داروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے؟ ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اسکو مجروح کرنے کی کوشش کیجائے اور اس کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا جائے اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل و رسوا کیا جائے۔

لیکن یہی اختلاف جب اسلامی سانچہ میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دلفریب ہو جاتا ہے کہ جس پریسکٹروں اتحادِ قربان ہو سکتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف و سلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے، اور جو خود کو دنیا دار کہتے ہیں ان کو اس کے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

گوبر کی تقسیم پر لڑائی کا تماشہ

حضرت میاں صاحب نے ایک روز فرمایا: کہ محلہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں

حدودِ اختلاف

۳۴۵

ضمیمہ

چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھیں ایک دوسری کو مارتی تھیں ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبرچن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیرِ نزاع ہے حصوں میں کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اول نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں، ہم ان کی کم عقلی اور پچکانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بیوقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و دولت اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں اگر ان کو چشمِ حقیقت میں نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ عقلاءِ زماں اور حکماءِ وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں۔ فنا ہونے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ واقعات ارواحِ ثلاثہ المعروف بہ حکایاتِ اولیاء سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

فدائے ملت اور خطیب الاسلام کی باہمی مصالحت کی سعی محمود

اخیر میں فدائے ملت حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ اور خطیب السلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم کی باہمی مصالحت کی کوشش کو بیان کیا جاتا ہے۔ اور شیخین کی یہ کوشش یقیناً قابلِ صدمہ بار کباد ہے۔ جس سے اپنے اسلافِ کرام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، کاش اس کوشش کی تکمیل ہو جاتی، اور مفادِ پرست ناعاقبت اندیش لوگوں کی ناعاقبت اندیشی اس جذبہ کو نقصان نہ پہنچاتی، تاہم اس کو نقل کیا جاتا ہے تاکہ بعد والے حضرات اس پر غور فرمائیں اور اس سعی محمود کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی موثر اور کامیاب کوشش کریں۔

محبت مکرم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری زید مجدہم ”تذکرہ فدائے ملت“ میں تحریر فرماتے ہیں:

تاہم حضرت فدائے ملت کے دل میں یہ کسک تھی کہ سابقہ جو اختلافات ہوئے ہیں وہ کسی طرح ختم ہوں تو اچھا ہے، خدا کا کرنا کہ اس کی وجہ تقریب یہ بنی کہ وفات سے ایک سال پہلے ۲۰۰۵ء میں آپ سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، اور حج کے بعد آپ کی طبیعت نہایت ناساز ہو گئی، جس کی بنا پر مدینہ منورہ کے فہد اسپتال میں داخل ہونا پڑا، جب یہ خبر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی زید مجدہم صاحبزادہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب گولی تو مولانا موصوف نے مزاج پر سی کیلئے مدینہ منورہ فون کیا، اور بھائی اخلد صاحب (خواہر زادہ حضرت فدائے ملت) کے توسط سے حضرت فدائے ملت کی عیادت فرمائی، جب حضرت فدائے ملت قدرے صحت یاب ہو کر مدینہ منورہ سے واپس ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے آتے ہی یہ تاریخی مکتوب حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی زید مجدہم کے نام ارسال فرمایا:

مکتوب فدائے ملتؒ

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید کہ مزاج گرامی بغیر ہوں گے۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے خاکسار کی صحت و عافیت اور خیریت پوچھی، حج سے فراغت کے بعد طبیعت حد سے زیادہ ناساز ہونے کی وجہ سے ”کنگ فہد“ اسپتال کے آئی سی یو میں داخل ہو گیا، جہاں ڈاکٹروں کی خصوصی توجہ رہی، اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی، تین دن

حدود اختلاف

ہسپتال میں رہ کر کل ۳۰ جنوری ۲۰۰۵ء کو بخیر و عافیت مدینہ منورہ سے دہلی واپسی ہوئی۔ الحمد للہ رفتہ رفتہ روبہ صحت ہو رہا ہوں، خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں، ہم ان کی خاک کے برابر بھی نہیں، ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بد نصیبی تھے اور ہیں، اس لئے جو کہا، کیا اور ہوا، اس کو معاف کرنا چاہئے اور آخرت کے لئے نہیں رکھنا چاہئے، دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

اسعد مدنی، صدر جمعیت علماء ہند

۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء

یہ مکتوب دیکھ کر حضرت مولانا محمد سالم صاحب کا وہ جذبہ اتحاد جو عرصہ سے موصوف کے دل میں چل رہا تھا، جوش میں آ گیا اور آپ نے جواب میں درج ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

مکتوب خطیب الاسلام زید مجدہم

محترم و مکرم جناب مولانا اسعد مدنی صاحب زیدت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواباً مکتوبِ گرامی نے ممنون بھی فرمایا اور مسرور بھی، جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے آپ نے اختلافات کو ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو المضاعف فرمادیا ہے، جماعتی وقار اور مسلک روایات اکابر کی مجروحیت کا سد باب، اختلافات کو یکسر ختم کر دینے میں مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی پہنچ

جانے پر ہماری مشترک خواہش و کوشش یہی ہے اور یہی ہونی چاہے کہ ہم اپنے آجانے والی نئی نسل علماء کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں؛ بلکہ حسب روایات اسلاف کرام ہم اتحاد و اتفاق، فکری اور عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذبات خدمت علم و دین دے کر بتوفیق الہی ایک اہم ترین جماعتی فریضہ سے سبک دوش ہو کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں۔

آپ کی صحت کے لئے دعاء گو ہوں اور دعا کا خواستگار ہوں۔ والسلام

محمد سالم قاسمی

اس محبت آمیز مکاتبت کی خبر جیسے ہی عام ہوئی، پورے عالم میں پھیلے ہوئے حلقہ دیوبند میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور پچیس سال سے جو حضرات ذہنی بعد میں مبتلاء تھے ان میں قرب و اتفاق کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ حضرت فدائے ملتؒ کی دیوبند تشریف آوری پر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مع اہل خانہ مدنی منزل تشریف لائے، اسی طرح حضرت فدائے ملتؒ دولت خانہ قاسمی تشریف لے گئے، اور یہ معاملہ صرف ذاتی تعلقات تک ہی محدود نہیں رہا؛ بلکہ اس اتحاد کے نتیجہ میں دارالعلوم کی وہ خطیر رقم جو اجلاس صد سالہ کے بعد بنکوں میں منجمد ہو گئی تھی وہ ریلیز کر دی گئی اور فریقین میں قائم مقدمات ختم کرنے کی کاروائیاں بھی شروع ہو گئیں، نیز حضرت فدائے ملتؒ کی دعوت پر جمعیت علماء ہند کے اٹھائیسویں اجلاس عام منعقدہ ”رام لیلا گراؤنڈ“ دہلی میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نے شرکت اور خطاب فرمایا۔ اسی طرح ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیت علماء ہند کے آٹھویں فقہی اجتماع منعقدہ بنگلور میں بھی حضرت مولانا محمد

حدود اختلاف

۳۴۹

ضمیمہ

سالم صاحب بنفس نفیس شریک ہوئے اور مقالہ پیش فرمایا۔

الغرض شیخین میں مؤانست و محبت کا سلسلہ روز افزوں ہوتا رہا، اور اس سلسلہ کی ایک آخری یادگار ملاقات حضرت فدائے ملت کے مرض الوفات سے ایک مہینہ دس دن پہلے دیوبند میں ہوئی، جب حضرت مولانا محمد سالم صاحب نے اپنے دولت خانہ پر اراکین شوریٰ، اہم اساتذہ دارالعلوم اور خانوادہ مدنی کے افراد کو حضرت فدائے ملت کے ساتھ کھانے پر مدعو کیا، یہ راقم الحروف بھی اس مبارک تقریب میں حاضر تھا، اس وقت جو لطف و محبت کا منظر دیکھنے میں آیا وہ انتہائی امید افزا تھا، جس میں ہر دن مزید اضافہ کی ضرورت تھی، اور فریقین کا مفاد اسی اتحاد و اتفاق کی بقاء میں تھا۔

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعد میں جب دیوبند میں حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر سیمینار کا انعقاد ہوا تو بعض طالع آزما لوگوں کی مداخلت سے وہ پرانی باتیں جو زیادہ تر طعن و تشنیع اور بدگمانیوں پر مشتمل تھیں اور حقیقت کے بالکل خلاف تھیں، ان کو یکجا کر کے نہ صرف شائع کیا گیا؛ بلکہ سیمینار میں باقاعدہ ان کا اجراء ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی حرکت حد درجہ قابل مذمت تھی، جس سے اس اتحاد کی فضا کو سخت نقصان پہنچا، جو شیخین کی وسعت ظرفی سے اس درجہ پروان چڑھنے لگی تھی کہ ”حکیم الاسلام سیمینار“ کے مدعوین کی ایک وقت کی ضیافت دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں کی گئی اور پورا مہمان خانہ تین دن کے لئے منتظمین سیمینار کے حوالہ کر دیا گیا۔

بہر حال ابھی بھی وقت ہے کہ آپس کے بے فائدہ اختلافات ختم کر کے اس جذبہ کو فروغ دینا چاہئے جس کو سامنے رکھ کر فریقین نے مکاتبت کی تھی، اور طالع آزما اور مفاد پرست لوگوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم کی ہر طرح

حفاظت فرمائے اور خدام دین کے قلوب میں ایک دوسرے کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرات اسلاف کرام اور اکابر علمائے دیوبند کے یہ چند واقعات بطور نمونہ ذکر کر دئے ہیں، تاکہ ہم لوگوں کو اور ہماری آنے والی نسلوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے اکابر و اسلاف کیا تھے؟ کن آداب جمیلہ و اصاف حمیدہ سے متصف تھے، اور ہم کیا ہیں، اور ہم نے ان کا اتباع چھوڑ کر کیا کچھ کھود دیا ہے، اور پھر عزم و ہمت کر کے اپنے اکابر و اسلاف کی گرانمایہ گم شدہ میراث حاصل کرنے اور ان کے نقوش قدم پر چل کر ان کہنہ روایات کو عملی طور پر پھر زندہ و تابندہ کر کے دنیا کو بتائیں کہ ہمارے اسلاف جن کے ہم نام لیوا ہیں، کیا تھے؟ اور اپنی عملی زندگی سے دنیا کے سامنے ان کا صحیح نقشہ پیش کریں۔ ۷

زندہ خواہنی داشتن گر داغہائے سینہ را
گا ہے گا ہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
ضرورت ہے کہ ہم ان اوراق کو بار بار پڑھیں، اور پروردگار عالم سے دل کی گہرائی سے دعا کریں کہ وہ پاک پروردگار اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنے اسلاف و کابر کے اتباع اور ان کے نقوش قدم پر چلنے کی صحیح توفیق عطا فرمائے۔ آمین! یارب العالمین۔

بحرمة حبیبك سيد المرسلین
صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا
و مولانا و حبیبنا محمد والہ
واصحابہ اجمعین



الى يوم الدين

آمین!

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

